سفر ہے شرط.....

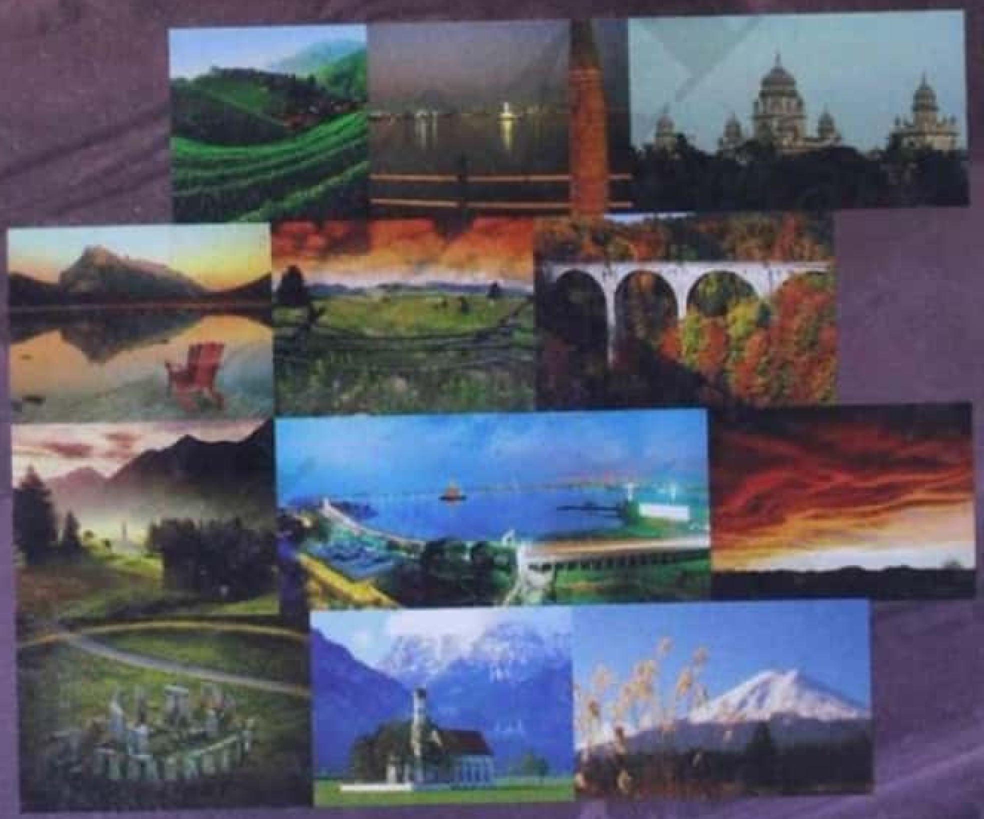

ڈاکٹر محبوب راہیؔ

زیرِ اہتمام: اسباق پبلی کیشنز، پونے

Scanned by CamScanner

سفر ھے شرط......

☆

سفر ناموں کا مجموعہ

☆

ڈاکٹر محبوب راھی

rekhta

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

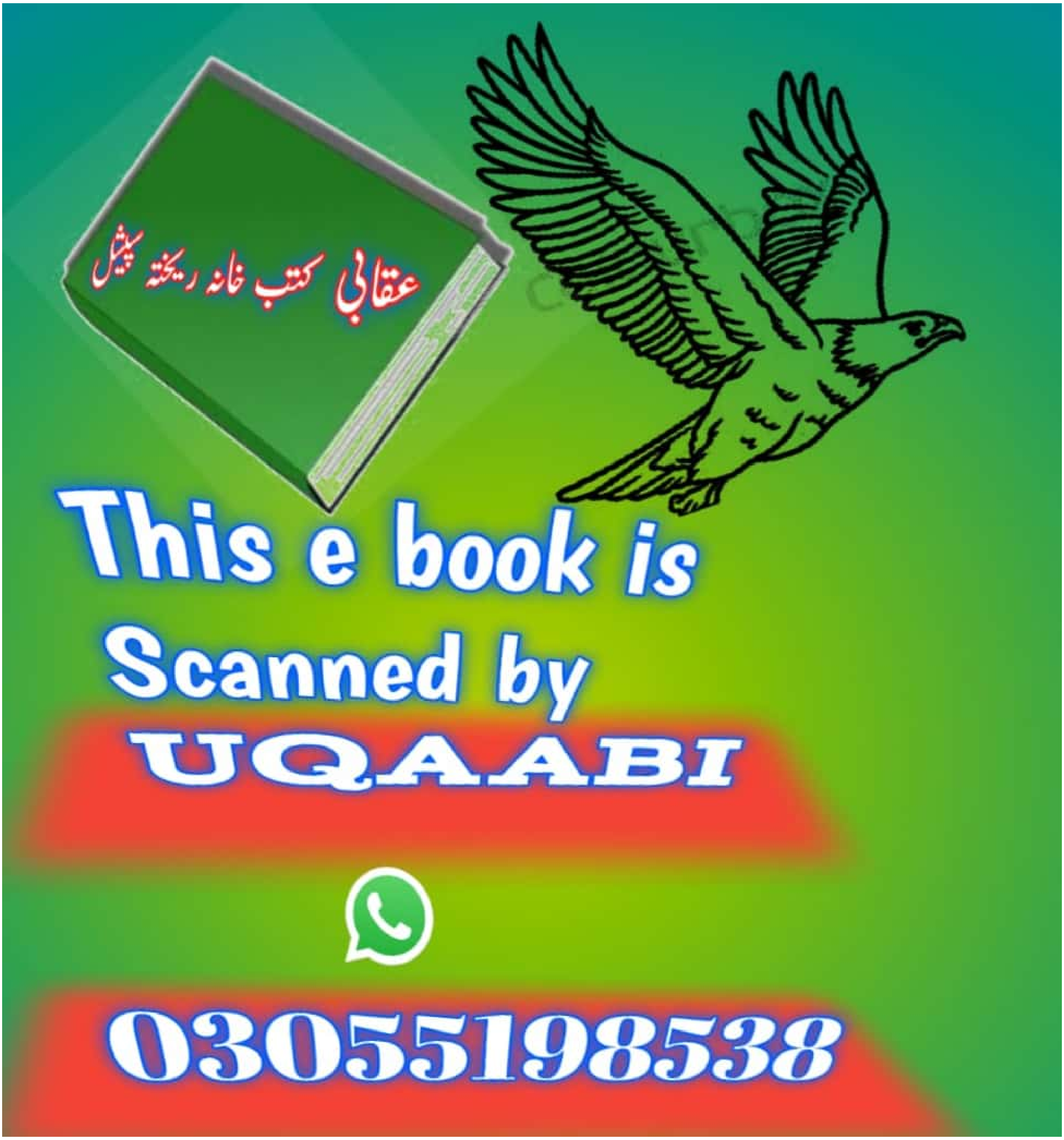

Scanned by CamScanner

چلنا اور مسلسل چلنا راہیؔ کا ہے کام یہی
رہبر و ہبر، رہزن و ہزن، منزل و نزل سب بکواس

محبوب راہیؔ

rekhta

Scanned by CamScanner

شاداکولوی اور محبوب راہی
دوحہ قطر کے باغ
البدع میں

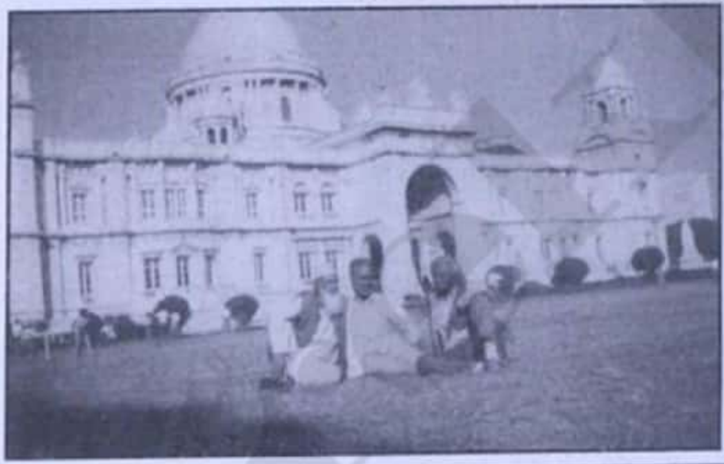

وکٹوریہ میموریل کلکتہ کے سامنے لان پر
پروفیسر مظفر حنفی اور قاضی حسن رضاء
کے درمیان محبوب راہی

حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ فتح پور سیکری
کی درگاہ کے سامنے دائیں سے:
لیاقت خان، محبوب راہی، سلام عذری،
رفاقت خان اور حبیب عالم

دل تاج محلی اور محبوب راہی
تاج محل کے سامنے

Scanned by CamScanner

راجستھان کے سیکر ریلوے اسٹیشن پر
ٹی وی کے نمائندوں کو انٹرویو دیتے ہوئے
محبوب راہی اور نذیر فتح پوری

پن چکی اورنگ آباد میں حوض کے کنارے
محبوب راہی، قاضی مشیر، عظیم راہی
اور نذیر فتح پوری

حیدر آباد میں مدیر ''شاداب'' حیدر آباد
مرحوم قمر الدین صابری کے ساتھ
محبوب راہی

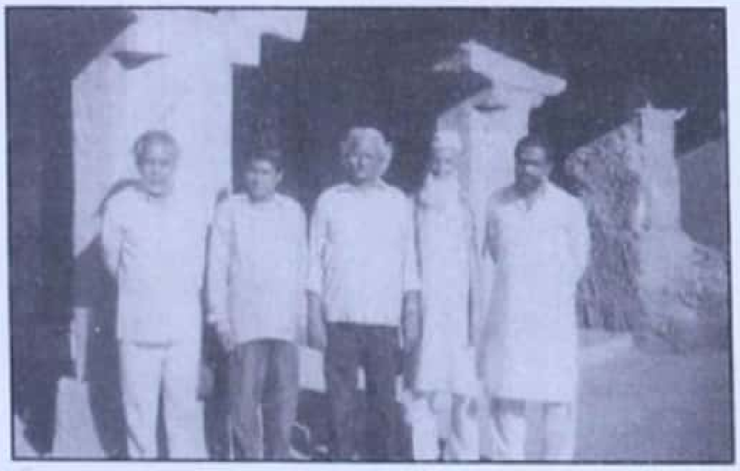

الحاج منشی خان، قاضی حسن رضا
مظفر حنفی، شفیق قمر اجنوی اور محبوب راہی
عالمی شہرت یافتہ کے غار نمبر ۵ر کے سامنے

Scanned by CamScanner

یہ کتاب فخرالدّین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ
کی مالی اعانت سے شائع ہوئی ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

{سوانحی اشاریہ}

شاعر : محبوب راہی

ولدیت : محمود خاں پٹیل

پیدائش : ۲۰ر جون ۱۹۳۹ء ماٹرگاؤں خورد ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر)

تعلیم : ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

ذریعۂ معاش درس و تدریس پرائمری سے ڈگری کالج سطح تک

☆☆☆

☆

rekhta

Scanned by CamScanner

rekhta

اِنتِساب

مولانا محمد رفیق ندوی المعروف بہ شادؔ اکولوی کے نام

جن کے طفیل مجھے پہلے (اور غالباً آخری)

بیرون ملک (دوحہ قطر) سفر کی سعادت نصیب ہوئی۔

اور اس کتاب میں شامل جس کا سفر نامہ

اس کتاب کے منظر عام پر آنے کا سبب ہوا۔

محبوب راہیؔ

Scanned by CamScanner

اسباق پبلی کیشنز سلسلہ مطبوعات نمبر ۸۵

C مصنف

اس کتاب کے ضمن میں

نام کتاب : سفرہے شرط......

مصنف : ڈاکٹر محبوب راہی

موضوع : سفرنامے

صفحات : ایک سو ساٹھ ۱۶۰

قیمت : دوسو روپے

کمپوزنگ : معاذ کمیونکیشن بارسی ٹاکلی

طباعت : گنیش پرنٹنگ پریس۔ پونہ

ناشر : مصنف

تعداد : چارسو ۴۰۰

اشاعت : ۲۰۱۱ء

ISBN978-93-80395-13-5

تقسیم کار : مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی، ممبئی، علی گڑھ

گلبن لکھنؤ (کارگل مارگ پوسٹ چھنٹ۔ لکھنؤ ۲۲۷۱۰۵)

اسباق پبلی کیشنز، لوہ گاؤں روڈ۔ پونہ ۴۱۱۰۳۲

کتاب دار۔ ۱۰۸۔ ۱۱۰۔ جلال منزل۔ ٹیمکر اسٹریٹ بمبئی۔ ۸

شبخون کتاب گھر ۳۱۳۔ رانی منڈی۔ الہ آباد۔ ۳

جاوید عزیزی نیوز پیپر ایجنٹ، پھولاری چوک، مومن پورہ، آکولہ

ایم۔ ایم۔ ایجنسی، بارسی ٹاکلی ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

rekhta

Scanned by CamScanner

پیش گُفتارَ......

میری جملہ تصانیف میں تیئیسواں اور نثری تصانیف میں پانچواں نمبر ہے اس کتاب کا جو سفرناموں سے موسوم ہے۔ میری فطرت میں تاثر پذیری صناع فطرت نے کچھ زیادہ ہی رکھ دی ہے لہذا جہاں کہیں جاتا ہوں۔ جس کسی سے ملتا ہوں، جو کچھ دیکھتا ہوں، اس کے مثبت یا منفی تاثرات میرے احساس کو اور اس وقت تک مرتعش رکھتے ہیں، تاوقتیکہ ان کا اظہار قول و فعل یا زبان و قلم کے وسیلہ سے مجھ سے ہو نہیں جاتا۔

اس کتاب میں شامل محض سات سفرنامے میرے انہیں تاثرات کے اظہار نامے ہیں۔ مابقیہ مشمولات کے تعلق سے یہ کہ یہ بھلے ہی میرے ذاتی سفرنامے نہ ہوں لیکن ان کا راست تعلق میرے کسی نہ کسی سفر سے ہے۔ مثلاً پہلا مضمون ''سفر جاری ہے'' جو معروف قلمکار ڈاکٹر عبد الرحیم نشتر نے میرے تخلیقی اسفار کو مرکز و محور بنا کر لکھا ہے اسے میں نے بطور پیش لفظ شامل کیا ہے۔ دوسرے محترم و بزرگ شاعر جناب غلام حسین راز بالاپوری کے سفرناموں کے مجموعہ ''عمر رفتہ'' میں شامل میرا طویل پیش لفظ ہے جس میں میں نے ''اُردو میں سفرناموں کی روایت'' پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے لہذا اس کی شمولیت کو کتاب میں بنیادی اہمیت اور حیثیت حاصل ہے۔ باوجود سعادت سفر حج کے ''سفر نامۂ حج'' میں لکھ نہیں پایا۔ امریکہ کے معروف شاعر و ادیب نقشبند قمر نقوی کے سفرنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ تمام تاثرات دہرا لیے جو ذہن و قلب میں مسلسل جگمگاتے رہتے ہیں، درمیانی سات سفرنامے میرے ان اسفار کی مختصر لیکن مکمل روئداد ہے جو زندگی کے مختلف مراحل میں مجھے درپیش آئے ہیں۔ ان میں دوحہ قطر کا سفر میری زندگی کا پہلا غیر ملکی ادبی سفر ہے۔ اس کے بعد راجستھان، دہلی، شولاپور، کوکن، کولکاتا، ممبئی اور اجنتا ایلورہ کے سفرنامے ہیں جن کے وسیلے سے متعلقہ مقامات کی محض روئداد رقم کرنے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے میں نے ان مقامات کی عکاسی

کرتے ہوئے وہ تمام مناظر سمیٹ لینے کی حتی الامکان کوشش کی ہے جن کے ذریعہ قارئین اپنے کو ان مقامات پر میرے شانہ بہ شانہ محسوس کریں گے۔ان اسفار میں جو حضرات میرے شریک سفر رہے ہیں ان سے ہر واقعہ اور منظر کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

''چل چنبیلی باغ میں'' میرے محترم سفر ادبی میں میرے ہمدرد مشیر پروفیسر مظفر حنفی کے انکی اہلیہ اور اکلوتی بیٹی ڈاکٹر صبا تسنیم کے سفرنامۂ لندن کا تجزیہ ہے جو برمنگھم میں مقیم اپنے اکلوتے شاعر بیٹے پرویز مظفر کے ساتھ چند روز گزارنے کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔جسکا مطالعہ تصوراتی طور پر آپ کو لندن کے ان تمام مقامات کی سیر کرادے گا جو دنیا بھر کے سیلانیوں کی توجہ کے مراکز ہیں اور آخری مضمون اپنے وطن پیپل گاؤں راجہ کے تخیلی سفر کی مکمل اور مبسوط روئداد ہے جو میں شب وروز ہمہ وقت کرتا رہتا ہوں۔

اُمید ہے میری برسہا برس کی یہ کاوشیں قارئین کو اسی طرح پسند آئیں گی جس طرح ماقبل کی میری شعری ونثری تحریروں کو وہ شرف پسندیدگی سے نوازتے رہے ہیں۔

گرانقدر آراء کا منتظر۔

(ڈاکٹر) محبوب راہی
بارسی ٹاکلی، ضلع آکولہ (مہاراشٹر)
پن کوڈ۔۴۴۴۴۰۱
Mob-09421751064
09270985453

☆

ہمارے دور کے محبوب راہیؔ کا سفر دیکھو

نذیر فتح پوری

تلاش فکروفن میں ایک مدت سے ہے سرگرداں
ہمارے دو کے محبوب راہیؔ کا سفر دیکھو
جسارت کے نمونے جتنے دکھلانے تھے دکھلائے
سرِ آئینہ شمعیں جتنی بھی روشن ہوئیں، کی ہیں
لہو جتنا جلایا ہے ستارے اتنے ٹانکے ہیں
ہوئی ہیں بے نشاں جتنی اندھیروں کی جبیں، کی ہیں
چمکتے جگنوؤں کی بے پناہی کا سفر دیکھو
ہمارے دور کے محبوب راہیؔ کا سفر دیکھو
نرالی شان ہے اس کی انوکھے عزم ہیں اس کے
خزاں کی بے ثباتی کو یہ آئینہ دکھاتا ہے
بڑے احسان ہیں اس کے چمن کے گوشے گوشے پر
سرِ شاخِ تمنا پھول بن کر مسکرا تا ہے
کہاں پہنچا نسیم صبح گاہی کا سفر دیکھو
ہمارے دور کے محبوب راہیؔ کا سفر دیکھو
تلاش و جستجو میں دو قدم آگے ہے یہ سب سے
خود اپنا آپ کھو کر سچ کی یہ تحقیق کرتا ہے
یہی پہچان ہے اس کے بڑا فنکار ہونے کی!
اذیت جھیلتا ہے شعر کی تخلیق کرتا ہے
یہ دل کے خون کرنے کی گواہی کا سفر ہے
ہمارے دور کے محبوب راہیؔ کا سفر دیکھو
قلم کی نوک سے جب چھیڑتا ہے داستانِ دل
یہ خوابِ زندگی کی خوشنما تعبیر کرتا ہے
خیالی آسمانوں پرنہیں پرواز کا قائل
حقیقت میں حقیقت کا جہاں تعمیر کرتا ہے
فقیری میں بھی اس کی بادشاہی کا سفر دیکھو
ہمارے دور کے محبوبراہیؔ کا سفر دیکھو

rekhta
Scanned by CamScanner

سفر جاری ہے

محبوب راہی............وہ نام جو تقریباً پچاس برسوں سے اردو زبان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے رسالے، اخبار اور جریدے میں ہمیشہ دکھائی دیتا رہا۔ ہمیشہ موجود رہا اور ایسے استقلال کے ساتھ کہ قارئین اور قلمکاروں کا ایک بڑا حلقہ اس نام سے ادب گیا کہ آخر اس شخص کو کوئی کام دھندا ہے کہ نہیں، اس کے سر پر کوئی گھریلو اور سماجی ذمہ داری ہے کہ نہیں؟ کیا اسے فکر معاش نے جکڑا ہی نہیں، کیا یہ شخص کوئی خاندانی رئیس، زمیندار یا جاگیردار تو نہیں؟ یا قلم کی مزدوری ہی اس شخص کا پیشہ ہے............یہ خیال وسوالات محبوب راہی کی زودنویسی کی وجہ سے اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

محبوب راہی ایک زبردست لکھاری ہیں اور ہمہ رنگ قلم کار، کیسا ہی موضوع اور مضمون ہو ان کے ذہن رسا کی گرفت سے باہر نہیں ہوسکتا۔ وہ لیکھن کے ہر چیلنج کو قبول کر لیتے ہیں۔ پچاس برسوں میں انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے جسے میر کے دیوان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر کیا ان کے لکھے ہوئے ڈھیر میں کم از کم بہتر نشتر بھی موجود ہیں؟ جب ہم عصروں کی نگاہیں محبوب راہی سے سوال کرتی ہیں تو جواب میں وہ مزید بہتر اشعار کی تخلیق کر ڈالتے ہیں۔ وہ ایک ایسے کمہار ہیں جس کی انگلیاں اپنی تخلیق کے چاک کو گردش دیتی رہتی ہیں اور وہ مسلسل گردش کرتے ہوئے چاک سے نت نئی، سہانی، دل لبھاؤنی اور پرکشش شکلیں تشکیل دیتا رہتا ہے۔

محبوب راہی کی یہ تخلیقی دیوانگی بھی صرف انہی کا حصہ ہے۔ علاقۂ ودربھ، شعر و ادب کے باب میں ایک زبردست تاریخ رکھتا ہے۔ اس سرزمین سے علم و ادب کے ایسے چراغ روشن ہوئے ہیں جن کے سامنے بہیترے نام نہاد چاند سورجوں کی روشنی بھی ماند پڑ گئی ہے۔ علامہ ناطق گلاؤٹھوی نواب غازی آف گیوردھا اور حضرت شاطر حکیمی کامٹوی سے لے کر حضرت راز بالاپوری تک کتنے ہی اساتذۂ سخن اسی سرزمین سے پیدا ہوئے اور محبوب راہی نے اپنی بے پناہ تخلیقی تاب و توانائی سے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ واقعی محبوب راہی کی تخلیقی صلاحیت انتہائی قابل رشک ہے۔ انھوں نے جتنے

Scanned by CamScanner

بھی شعری مجموعے دیئے ہیں۔انہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔محبوب راہی نے روایتی شاعری کی زمیں پر قدم رکھے تھے لیکن جیسے جیسے تخلیق سخن کا سفر دراز ہوتا گیا اپنے لئے سمت و رفتار کا تعین کرتے چلے گئے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ودربھ کا علاقہ جغادری فنکاروں سے کبھی خالی نہیں رہا ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو اپنے سامنے کسی کو ٹکنے ہی نہ دیتے تھے۔پھر بعض اساتذہ کے شاگردوں کا ٹولہ بھی اپنے اپنے دبستاں کا پرچم لہرایا کرتا تھا ایسے ماحول میں محبوب راہی نے شعر گوئی کی ابتدا کی اور اردو ٹائمز کے علاوہ دیگر روزناموں اور ہفت روزہ اخباروں میں بھی اُن کا نام اور کلام دکھائی دینے لگا تو آنکھیں چندھیانے لگیں۔اس زمانے میں صرف پروفیسر منشاء الرحمٰن خاں منشاء ہی اکلوتے شاعر تھے جن کی غزلیں ماہنامہ بیسویں صدی میں پابندی سے شائع ہوتی تھیں۔دوسرا نام راقم الحروف کا تھا جس کی تخلیقات معیاری رسائل کی زینت بن رہی تھیں۔بشیر راہی بھیونڈی، یونس اگاسکر بھیونڈی، ناوک حمزہ پوری، حکیم رازی پونوی، عبدالستار خاں، جوہر ایلچپوری اور مالیگاؤں کے اہل قلم ان دنوں روزنامہ انقلاب میں دھڑلے سے شائع ہو رہے اور اپنی پہچان بنا رہے تھے۔ان میں خطۂ برار سے محبوب راہی کا بھی نام دکھائی دینے لگا، تو لوگ چوکنا ہوئے اور جب لوگوں کو یہ پتہ چلا کہ ضلع پریشد پرائمری اسکول کا ایک معمولی ماسٹر یہ شہرت حاصل کر رہا ہے تو عالی جنابوں کو ذرا تکلیف بھی پہنچی کہ وہ صدر مشاعرہ اور مہمان خصوصی بن بن کر بھی یہ مقام حاصل نہ کر سکے تھے۔انھوں نے نظر پھیری اور برتاؤ میں فرق پیدا کیا۔بس یہیں سے محبوب راہی کے اندر کا مضطرب فنکار تلملا اٹھا وہ بلند قامتوں، اعلیٰ نشینوں اور بلند بانگ فنکاروں کے منہ تو نہیں لگ سکتا تھا لیکن اپنی تخلیقی آنچ کو شدید کر ہی سکتا تھا۔تخلیقی آنچ تیز ہوئی احساس کی لپک اور جذبے کی تابانی کے ساتھ اسی دوران علاقۂ ودربھ میں جدید شاعری کا بگل بھی بج اُٹھا تھا۔شاہد کبیر، مدحت الاختر، صفدر اور راقم الحروف کی غزلیں ہر ایک معیاری رسالے اور انتخابات میں شامل ہو رہی تھیں اور مضامین میں ذکر بھی کیا جا رہا تھا چونکہ محبوب راہی شروع سے ہی مشاعروں سے زیادہ اشاعت کے قائل رہے تھے اس لئے برار کے علاقے میں سب سے پہلے انہیں کے کلام میں جدید آہنگ نہ صرف در آیا بلکہ اس

Scanned by CamScanner

نے ایک جھنکار بھی پیدا کردی۔اولین مجموعہ کلام ''ثبات'' کی اشاعت کے ساتھ ہی محبوب راہیؔ جدید شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرلئے گئے۔بیرون برار اور رسائل وجرائد کی دنیا میں ان کی خاصی جان پہچان ہوگئی۔

علاقائی جغادریوں نے راہیؔ صاحب کی نہ ہمت افزائی کی نہ پذیرائی بلکہ ایک طرح سے ہنسی ٹھٹھا کرتے رہے،یہ جوسلوک اس لئے روا رکھا گیا تھا کہ ایک پرائمری اسکول ٹیچر بدحواس وہراساں ہوکر شوق فضول سے باز آجائے گا،اس نے اپنی شان اور تیز کرلی۔موضوعات کا دائرہ اور وسیع ہوگیا۔غزلوں کے ساتھ مختلف ہیئتوں کی نظمیں بھی اب تخلیق ہونے لگیں۔علاقائی ادب شناسوں نے راہیؔ صاحب کے تخلیقی جوہر کی اب بھی قدر نہیں کی لیکن وہ بذات خود جوہر شناس تھے اور دوسروں کی خوبیوں کے معترف بھی۔ ہندوستان بھر کے پچاسوں ادیبوں شاعروں کی تخلیقات پڑھ کر اظہار خیال کرنا اور انہیں سراہنا،تخلیقی جذبہ اجاگر کرنا اور خود بھی فیضیاب ہونا راہیؔ صاحب کا وطیرہ ہوگیا۔اب پوسٹ مین روزانہ کتنے ہی خطوط رسالے،اخبار اور دعوت نامے ان کے گھر چھوڑ جارہا تھا اور وہ 'بیرون خانہ' ایک اہم قلم کار تسلیم کیے جارہے تھے۔

راہی صاحب نے نسوانی شاعری کی،مزاحیہ شاعری کی،طنزیہ کلام لکھا،بچوں کی شاعری کے ساتھ ہی نعتیہ،حمدیہ،اور منقبتی کلام بھی خوب لکھا،اور کمال یہ کہ ہرایک صنف سخن میں ان کا رنگ چوکھا ہی رہا۔راہی صاحب کو اپنا پرائمری اسکول ماسٹر،خوب اچھی طرح یادرہا اس لئے انھوں نے شاعری یا شعروادب کے ساتھ ساتھ تعلیم کا پنڈ بھی نہ چھوڑا اور اپنے طور پر بی۔اے اور ایم۔اے کرکے ریسرچ اسکالر بھی کہلانے لگے۔ ہمارے یہاں ریسرچ بہت ہی بدنام تھی،عام طور سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یونیورسٹی کی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بوگس ہوتی ہیں لیکن راہیؔ صاحب نے اپنے تحقیقی کام کا حق ادا کردیا''ثبات'' کے زمانے سے ہی مظفر حنفی سے رشتہ استوار ہوچکا تھا۔اور وہ تو نہ صرف ایک اعلیٰ درجے کے ادیب وشاعر ہیں بلکہ نہایت بلند انسان بھی ہیں۔آئے دن مظفر صاحب سے ہونے والی ملاقاتوں نے اُنہیں راہی صاحب کے تحقیقی مقالے کا موضوع بنادیا۔

راہی صاحب مظفر حنفی کو کریدنے اور تلاش کرنے میں ان سے قریب ہوئے تو یہ عظیم شخص

اپنی گوں ناگوں خصوصیات کی بنا پر راہی صاحب کے اعصاب پر سوار ہو گیا، مظفر حنفی کی شخصیت اور گھریلو زندگی نے راہی صاحب میں ایک ایسے مظفر حنفی کو اتار دیا جواب ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگا اور وہ محبوب راہی جواب تک ایک عام آدمی تھا اس میں پختگی اور تاب وتوانائی جھلکنے لگی، زندگی کے سیکڑوں اتار چڑھاؤ دیکھنے والے محبوب راہی کو ایک دشا مل گئی اور اُس نے اپنے جینے کی راہ متعین کرلی۔ مظفر حنفی کی رفاقت اور معیت میں محبوب خاں صرف راہی نہیں عسکری بن گئے، ایک ایسا سپاہی جو کسی شکست سے بددل نہیں ہوتا بلکہ نئے عزم وحوصلے کے ساتھ تازہ وار کرنے کو تیار رہتا ہے۔ چنانچہ نئی نئی فتوحات سے محبوب راہی کا دامن امید بھی بھرتا چلا گیا۔ ملک کی مقتدر اردو اکادمیوں کے انعامات، تعلیمی خدمات کے صلے میں ضلعی اور ریاستی ہی نہیں قومی اعزاز سے بھی سرفراز ہوئے۔ صدر جمہوریہ ہند کے دست مبارک سے انعام واعزاز پانے والا علاقۂ ودربھ کا تنہا پرائمری اسکول ٹیچر صرف محبوب راہی تھے۔ گویا انہوں نے کم حیثیت پرائمری اسکول ٹیچرس کو بھی ایک راہ دکھادی کہ جو لوگ عزم حوصلہ رکھتے ہیں۔ جن کے کچھ خواب۔ کچھ عزائم اور کچھ ارمان ہیں اور وہ اخلاص نیت اور سچی لگن کے ساتھ جدوجہد کرتے رہیں تو کوئی طاقت اُنہیں بڑا بننے سے نہیں روک سکتی۔ مظفر حنفی پر کام کرتے ہوئے برصغیر کے کتنے ہی ایسے اہل قلم جن کی ایک جھلک اور ایک نشست کو بھی وہ ترسا کیے اب انھیں کے ساتھ گھنٹوں گفتگو اور نشست و برخاست کے مواقع اُنہیں فراہم ہو گئے۔ اور چونکہ وہ خود جوہر اصلی کے حامل تھے اس لئے ان صحبتوں نے ان کی شخصیت اور فن پر جلا کی اور چھوٹے موٹے غیر ادبی اور غیر تہذیبی دیہاتوں سے اٹھنے والے روایتی اور معمولی اہل قلم کو اس سند اعتبار کے حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔ جس کی اہمیت وافادیت کی ایک دنیا قائل اور تمنائی ہوتی ہے۔

پی ایچ ڈی کی باوقار ڈگری اپنے خون پسینے سے لکھے گئے تحقیقی مقالے کی بنا پر کیونکر نہ ایوارڈ ہوتی؟ محبوب راہی اب ملک کے ایک مشہور ومعروف شاعر تھے۔ مقبول ومعروف مزاح نگار (مفلس قارونی) تھے اور بچوں کے ادب میں بھی قابل ذکر مقام بنا چکے تھے۔ اس کے علاوہ مبصر اور نقاد کی حیثیت سے بھی انہیں پہچانا جانے لگا تھا۔ ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد ان کی تخلیقی اور ادبی

Scanned by CamScanner

سرگرمیوں میں اور بھی اضافہ ہوگیا کیونکہ اب ان کی زنبیل میں متعدد انعامات واعزازات بھی موجود تھے۔ بارسی ٹاکلی ضلع آکولہ میں غلام نبی آزاد ڈگری کالج قائم ہوا تو شعبۂ اردو میں راہی صاحب کی شمولیت نہایت اہم تصور کی گئی، آگے چل کر وہ اسی کالج کے پرنسپل بھی مقرر ہوئے۔

ایک پرائمری اسکول کا کسی ڈگری کالج کا پرنسپل مقرر ہو جانا اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے۔ یہ اعزاز ایک دم سے حاصل نہیں ہوا۔ برسوں کا ریاض، برسوں کی جوکھم بھری زندگی سے مردانہ وار مقابلہ اور طرح طرح کی دشواریوں، پریشانیوں، آفات ومصائب سے جوجھتے ہوئے راہی صاحب اس منزل تک پہنچے تھے۔ انھوں نے عزم واستقلال اور سعیٔ ونصرت کی ایک مثال قائم کردی۔ یہ حیثیت فرد کے محبوب راہیؔ کی یہ کامیابی ایک کارنامہ ہے ایک ایسا کارنامہ جو دوسرے مایوس ومحروم افراد کو بھی جینے کی راہ دکھاتا ہے۔

مسلسل جدوجہد اور جیون سنگھرش راہی صاحب کے عرصۂ حیات کے دو تابناک پہلو ہیں...... چونکہ وہ مسلسل محنت ومشقت، سعی وجہد، خلوص نیت، صاف باطنی، نیک کرداری، سیدھی راہ اور اپنی اہلیت ولیاقت کے سبب بلند مرتبوں پر فائز ہوئے اس لئے ان میں اکڑ مکڑ، شان وشوکت اور کبر ونخوت کا شائبہ بھی نہیں۔ دھیرے دھیرے اور طویل انتظار کے بعد وہ چھوٹے آدمی سے ایک بڑے آدمی بنے ہیں اور بیتے ہوئے دنوں کی سیاہی کو انھوں نے بھلایا نہیں ہے، اس لئے ان کا دل آئینے کی طرح صاف ہے، غرور ان کے سر میں نہیں سمایا اور منافقت ان کے مزاج کا حصہ نہ بنی، وہ اب بھی ویسے ہی مخلص، سادہ دل، نیک سرشت، ہمدرد وغم خوار اور انسان دوست ہیں۔ جیسے کسی وقت ایک معمولی پرائمری اسکول ٹیچر کی حیثیت میں تھے۔

بطور شخص، محبوب راہیؔ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ان میں انسانیت کی خوشبو رچی ہوئی ہے، وہ اپنے اطراف اپنے معاشرے کے لئے ایک انقلاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ذات علاقائی فنکاروں اور مدرسین کے لئے ایک ''آدرش'' ہے۔ محبوب راہیؔ کو دیکھ کر جینے کی امنگ جاگتی ہے۔ جیون سنگھرش سے جوجھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ عزم واستقلال اور سعی وعمل کی تحریک ملتی ہے محبوب راہیؔ نے بہت صدمے جھیلے، مایوسی اور محرومی سے دوچار ہوئے، مرحلوں اور مسئلوں سے

Scanned by CamScanner

پریشان ہوئے مگر انھوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور کبھی کوئی اوچھا وار نہیں کیا۔ ہر چند کہ 'مصلحت' ان کی جنگ حیات کا ایک کارگر اسلحہ بنی رہی لیکن بزدلی، دغا فریب اور مکاری ان کے طریق میں کبھی شامل نہ ہو سکی۔

محبوب راہی ایک جری سپاہی ہیں وہ اپنے زخموں کو بھی تمغوں کی طرح سجائے رکھنا جانتے ہیں۔ انھیں مدمقابل کی ضرب کاری کو جھیلنا اور سہنا بھی آتا ہے اور جوابی حملے سے وہ چوکتے بھی نہیں، اپنی شکست پر بلبلانا اور واویلا مچانا ان کا شعار نہیں البتہ موقع کی تاک میں رہتے ہیں اور جب حریف بلبلا اٹھتا ہے تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ کا نور پھیل جاتا ہے ایسی شکستوں اور فتحوں سے راہیؔ کا دامن حیات لبریز ہے۔ گتھے ہوئے رنگین دھاگوں کا ایک گولہ ہے جس میں سرا ہاتھ تو نہیں لگتا لیکن جتنا کھولتے جائیں دھاگوں کے نئے نئے رنگوں سے آنکھیں چمکنے لگتی ہیں، محبوب راہیؔ کی حیات اور شخصیت بھی اسی طرح کی رنگوں سے عبارت ہے۔ سنہرے، سبز و سرخ، سفید، پیلے، نیلے، جامنی، ہر طرح کے رنگ لیکن سیاہ رنگ مفقود ہے یا اتنا ہلکا ہے کہ جسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

اپنی شاعری اور اپنے فن میں بھی محبوب راہیؔ نے انہی رنگوں کو سمویا ہے اسی لئے ان کی شاعری بھی رنگا رنگ کہی جا سکتی ہے۔ اپنے گرد و پیش اور اپنی زندگی کے مختلف شیڈ لگا کر راہیؔ نے جو طرز سخن ایجاد کی ہے وہ منفرد تو نہیں کہی جا سکتی لیکن متاثر ضرور کرتی ہے۔ غزل محبوب کی محبوب صنف سخن ہے اور اس میں انھوں نے زندگی کی کھردری حقیقتوں کو سمیٹنے اور سمونے کی اپنے تئیں سعی بلیغ بھی کی ہے۔ آغاز سخن روایتی غزل کے اسلوب سے ہوا تھا پھر اس پر ترقی پسندانہ فکر و خیال کی گوٹ لگی جسے بعد میں جدیدیت نے اتار پھینکا اور ان کے اشعار میں جدید غزل میں برتے جانے والے مخصوص لفظوں کی جھالر لہرانے لگی مگر جدیدیت تو خواہوا کی زد پر تھی اچھے اچھے سخنور ہوا ہو گئے تو بھلا طے شدہ لفظوں کے استعمال کے بل بوتے پر یہ شاعری بھی کیا زور مارتی لیکن چونکہ راہی میں ایک اوریجنل شاعر بھی دبا بیٹھا تھا لہذا دھیرے دھیرے ہی سہی، اس نے اپنی پہچان بنانی شروع کی۔ ایک طرف غالب اور شاد عارفی کی مضبوط فکری روایت۔ دوسری طرف مظفر حنفی کا تیکھا لب و لہجہ اور پھر کچھ اپنے حالات و واقعات، حادثات و سانحات ان سب کی آمیزش سے محبوب راہی میں

Scanned by CamScanner

ایک نئے اور توانا شاعر کا ظہور ہوا جس کے نمایاں خد وخال ان کے آخری مجموعہ (تا حال) ''چاندنی تخیل کی'' میں ایک پیکر میں ڈھلتے دکھائی دیتے ہیں، شاد عارفی اور مظفر حنفی کی یطرح نئی زمینوں اور نئے نئے ردیف وقوافی کے ساتھ شعر کہنا محبوب راہی کو خوب آتا ہے جہاں تک ''شعر گفتن' کا معاملہ ہے، محبوب راہی کی قادرالکلامی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بلا کے زودنویس اور غضب کے ذی احساس ہیں۔ کوئی جذبہ، کوئی خیال، یا کسی احساس کا کوندا ان کے ذہن میں لپکا اور بس ذرا سی دیر میں کم از کم نو اشعار کی غزل کہہ ڈالنا راہی صاحب کا معمول ہے۔ انتخاب واحتساب سے انہیں ہمیشہ اجتناب رہا مگر اب ان کی خوش سلیقگی بھی نمایاں ہونے لگی ہے۔ راہی صاحب کے تمام مجموعوں کا ایک کسا ہوا خوبصورت انتخاب شائع ہو جائے تو بہت سے سخن فہموں کی بدگمانی رفع بھی ہو سکتی ہے۔

طنز ومزاح، ہنگامی موضوعات اور حمد ونعت سے ہٹ کر ان کی بچوں کی نظموں کو دیکھا جائے تو یہاں بھی محبوب راہی علاقائی ادب کی ایک نئی تاریخ بناتے نظر آئیں گے۔ بچوں کے ادب پر جیسی نگاہ اور توجہ کی ضرورت ہے، جدیدیت کے زمانہ عروج میں بچوں کا ادب اس سے یکسر محروم تھا حالانکہ ادب فہمی اور ذوق آفرینی کے لئے تازہ بہ تازہ ادب اطفال کا ہونا بہت ضروری ہے۔ قحط ادب اطفال کے زمانہ میں محبوب راہی نے بڑی دل جمعی اور مستقل مزاجی کے ساتھ بچوں کا ادب تخلیق کیا اور متعدد قابل ذکر نظموں کا اضافہ کیا ''رنگا رنگ'' اور ''گل بوٹے'' کے نام سے بچوں کی نظموں کے دونوں مجموعے تین تین بار شائع ہوئے۔ اس کے بعد ''نئی پھلواری'' اور ''مہکتی پھلواری'' منظر عام پر آئے۔

علاقہ ودربھ میں بچوں کے ادب کو از سرنو زندہ کرنے اور اُسے سمت ورفتار دینے میں محبوب راہی کا بڑا حصہ ہے، راہی صاحب کی بدولت علاقہ ودربھ میں نئے لکھنے والوں کی ایک ٹیم سی تیار ہو گئی جس میں بعض نام خاصے مقبول ومعروف بھی ہوئے۔ بچوں کے ادب کی طرح علاقہ ودربھ میں مزاحیہ شاعری کا بھی اللہ بیلی تھا۔ ناگپور میں ناظم انصاری (گوبھی کے پھول) اور اکولہ میں فیاض افسوس (کف افسوس) اور گنتی کے چند مزاح نگار تھے۔ ''مفلس قارونی'' کے نام سے

Scanned by CamScanner

راہی صاحب نے مزاح نگاری شروع کی اور ان کی طنز و مزاح پر مشتمل تخلیقات ''شگوفہ'' حیدر آباد کے ذریعے متاثر کرنے لگیں۔ مزاح کے باب میں بھی محبوب راہیؔ نے خوب جم کر لکھا ہے۔ ان کا طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا مجموعہ ''اناپ شناپ'' منظر عام پر آچکا ہے۔

جم کر لکھنے میں تو پورے علاقہ دور بھ میں ان کا ثانی ہی نہیں۔ راہی صاحب نے پچاسوں کتابوں پر جو تبصرے لکھے ہیں وہ ان کے ادبی اور تنقیدی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ نثر نگاری پر راہی صاحب نے بطور خاص توجہ دی ہوتی تو وہ آج اردو کے مقتدر نقادوں میں گنے جاتے، مظفر حنفی پر ان کی جو کتاب آئی ہے اور بعض ادبی رسائل میں ان کے چیدہ چیدہ تبصرے آئے ہیں، وہ انہیں ایک سلجھا ہوا نثر نگار ثابت کرتے ہیں۔

محبوب راہیؔ کا ادبی سفر اور تخلیقی سلسلہ ابھی جاری ہے۔ وہ ابھی تھکے نہیں۔ یا شاید اس لئے کہ دوسرا کوئی مشغلہ بھی نہیں۔ یا شاید اس لئے کہ ابھی منزل نہیں آئی...... مگر نہیں اصل میں محبوب راہیؔ مسلسل عمل و حرکت کی علامت ہیں۔ فن ہو یا شخصیت دونوں کی تعمیر و تشکیل کے لئے ان کا سفر جاری ہے.......... وہ آخری سانس تک سفر کرتے رہیں گے اور نئی نئی منزلیں پیٹتے رہیں گے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

سفر ایک شجر سایہ دار کا

سفر وسیلہ ظفر ہے۔عزت اُسے ملی جو وطن سے نکل گیا۔حضرت آدم وحوّا نے عرش سے فرش زمین کی طرف جس سفر کا آغاز کیا تھا اس کا اختتام اس دنیائے فانی کے اختتام کے ساتھ ہی عمل میں آئیگا۔حتیٰ کہ قرآن کریم میں بھی جو"سیــروافی الارض "ارشاد فرما کر عزمِ سفر کیلئے حضرت انسان کو ترغیب وتحریص دلائی گئی ہے نتیجتاً از آدم تا ایں دم تاریخ عالم کے تمام تر اوراق قسم ہاقسم کے اسفارِ انسانی کے رنگارنگ دلچسپ اور عجیب وغریب واقعات اور حالات سے مزین ہیں۔انبیائے کرام،اولیاءعظام،سنتوں،سادھوؤں،حکمرانوں،سپاہیوں،تاجروں،سیاحوں،عالموں،سیلانیوں، طالب علموں کے بامقصد اسفار کے علاوہ عــوام الـنّــاس نے بھی اپنے مختلف اغراض ومقاصد کی تکمیل کیلئے یا بلامقصد محض تفریحاً بھی وقتاً فوقتاً سفر اختیار کیا ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک قائم ودائم رہیگا۔

محرکات ومقاصد کے اعتبار سے اسفار کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں مثلاً مذہبی،علمی،ادبی یا تعلیمی،تجارتی،سفارتی،جنگی،مہماتی،تفریحی،اور سفر ہجرت وغیرہ دورانِ سفر قسم ہاقسم کی جغرافیائی، سیاسی سماجی معاشرتی،مذہبی،ثقافتی تبدیلیاں،مسافر کے حالات،معاملات اور معمولات پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کم وبیش اثر انداز ہوتی رہتی ہیں جو اُس کے لئے تجربات نو بہ نو کے اکتساب کے اسباب و مواقع فراہم کرتی ہیں۔اجنبی ماحول ان دیکھی فضائیں نو بہ نو مناظر اس کی فکر متحرک کرتے ہیں۔ جغرافیائی ماحول کی اجنبیت گام بہ گام اُسے تجسّس اور تحیّر سے دوچار کرتی ہے اور یہی تحیّر خیزی مہم جو مسافر کی امنگوں کو فراوانی اور جذبوں کو جوانی اور حوصلوں کو جاودانی عطا کرتی ہے اور یہ جوش وولولہ سفر میں قدم بقدم درپیش کلفتوں کو کیف وسرور اور لطف وانبساط میں مبدّل کر کے اس کے ذہن اور احساس کے نہاں خانوں پر بیش بہا تجربات اور چمچماتے جگمگاتے مشاہدات کے نایاب لعل وجواہر نچھاور کرتا رہتا ہے۔روئداد سنانے والا اگر گفتگو کے فن سے بھی متصف ہو تو کیا کہنے اُس کی حکایات لذیذ سے لذیذتر ہوجاتی ہیں اور اگر وہ صاحبِ قلم اور ماہر زبان وبیان بھی ہو تو سونے پر سہاگا۔

Scanned by CamScanner

اس طولانی تمہید کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مجھے ایک دو نہیں پورے پانچ سفرناموں پر خامہ فرسائی کرنی ہے۔ اور پھر سفرنامے بھی کس کے ایسے ویسے کے نہیں الحاج غلام حسین رازؔ بالاپوری کے۔رازؔ بالاپوری جن کی ذاتِ عالی صفات اب باقیات الصالحات میں تن تنہا رہ گئی ہے۔موصوف کے علاوہ علاقے بھر میں ہر طرف دھول اُڑ رہی ہے دور دور تک سناٹا ہے ایک ہُو کا عالم ہے۔ مجھ بے بساط کو محض تعمیل ارشاد کے تحت اس بیش بہا سرمایۂ علم و ادب پر اظہارِ خیال کرنا ہے جو حضرت رازؔ نے اپنے مختلف اسفار کی روئدادوں (سفرناموں) کی شکل میں قلمبند فرمایا ہے اور اب ''عمر رفتہ'' کے عنوان کے تحت اسے کتابی شکل میں منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ میرے لئے صورتِ حال گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کے مصداق ہوگئی ہے۔ درجنوں پیش لفظ، بیسیوں مقدمے اور سینکڑوں تبصرے لکھ چکا ہوں اور اب پیش لفظ نگاری میرے لئے روزمرّہ میں شامل ہو چکی ہے لیکن یہاں معاملہ حضرت رازؔ کی گراں بہا کتاب پر لکھنے کا ہے۔ حضرت رازؔ جن کے رشحات فکر کی روشنی اور افکار و نظریات کی رہبری میں مجھ سے ایسے نہ جانے کتنے تازہ واردان بساط نو نے اپنے تخلیقی اسفار کی راہیں متعین کی ہیں برسوں سے جن کا شمار نظم و نثر دونوں میدانوں کے شہسواروں، کاملین فن اور اساتذۂ شعرائے سخن میں ہوتا ہے۔ جو بڑے بڑے مشاعروں میں اپنے کیف زا اثر سے معمور اشعار اپنی پاٹ دار آواز سے یا ایک مخصوص ترنّم میں سناتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا جم غفیر موضوع چاہے علمی، ادبی، تہذیبی، ثقافتی ہو سیاسی ہو یا سماجی جب تقریر کرتے تو گھنٹوں وہ کہیں اور سنا کرے کوئی کا عالم ہوتا۔ زورِ خطابت اس غضب کا کہ سامعین پر وجد و کیف کی مسحور کُن کیفیت طاری رہتی۔ سُنی سنائی نہیں بلکہ میں خود ان حقائق کا چشم دید اور گوش شنید گواہ ہوں کہ معلّمی کی تربیت کے دو سال بالاپور کے انجمن بازار میں کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں، شاعرانہ برتری کے علاوہ جو اعلیٰ و ارفع سیاسی اور سماجی مراتب بھی رازؔ صاحب کو حاصل رہے ہیں۔ اس پر مستزاد موصوف کے مقتدر سیاسی، سماجی، علمی، ادبی شخصیتوں سے قریبی مراسم۔ آپ کی شاعرانہ عظمتوں میں برصغیر کے اکابرین شعر و ادب اور اربابِ نقد و بصیرت رازؔ صاحب کی تخلیقی جولانیوں اور فنّی انفرادیتوں کے اعتراف گزار ہیں۔ مثلاً پروفیسر شورؔ

Scanned by CamScanner

علیگ ''بصیرت مند جذبہ اور جذباتی بصیرت کو راز کے کلام کی نمایاں خصوصیت قرار دیتے ہیں اس سلجھی بصیرت اور کامیاب فنکاری پر تہنیت پیش کرتے ہیں تو شاعر لکھنوی کو اس میں عصرِ حاضر کی سیاسی سماجی معاشرتی اور فکری اظہار کے ساتھ غمِ جاناں کے اتحاد کی اکائی سے ان کے مستقبل کی تابناکی کا پتہ ملتا ہے۔ خمار ذاتی احساسات اور عمدہ خیالات کو سادگی کے ساتھ شعر کے سانچے ڈھال لینے کی گواہی دیتے ہیں۔ شارق نیازی اسے فکر و احساس کے شائستہ خراج سے موسوم کرتے ہیں تو انجم رومانی ایسے اشعار کی نشاندہی کرتے ہیں جو قاری کو کچھ دیر ٹھہرنے، سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مظفر حنفی اس میں اچھی اور سچی شاعری کے بنیادی خصائص وافر طور پر ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ قیصر الجعفری کو ان کے یہاں جذبۂ دل اور فکر سلیم کی آمیزش کے نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ تو قاضی سلیم ان کی حقائق کے تلخ اظہار میں بھی جذباتیت اور جھلاہٹ سے گریز کر کے غزل کے آداب نبھانے اور شعری منطق کی طلسم بندی سے اپنا مدّ عا دلوں میں اتار دینے کی خوبی نیز نغمگی اور موسیقیت کے جھرنوں کا بہاؤ محسوس کرتے ہیں۔ ذکا صدیقی اسے ارضیت کا جوہر قرار دیتے ہوئے شعری اظہار کی برجستگی اور ادائے مضمون کی راست بیانی کو اس ارضیت کی دین قرار دیتے ہیں۔ اختر نظمی اس میں قدیم روایتی انداز کو نئی شعری روایت سے ہم آہنگ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ اور عتیق احمد عتیق نے ان کے چند اشعار کو بڑی شاعری اور بیشتر کو دوامی قدروں کا حامل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خان منشاء نے تو ان کی ادبی لطافتوں اور دلکش رعنائیوں سے متاثر ہو کر ایک خصوصی تہنیتی نظم ہی تخلیق کر ڈالی ہے۔ گنیش بہاری طرز نے ان کے یہاں اسلوب شاعری کی خصوصیات کے حامل فکر و احساس کا حسین امتزاج پایا ہے اور شمس اعجاز نے اسے زندگی کے تجربات کا نچوڑ نیز معاصرین و اہل نظر کے لیے سر چشمۂ رشد و ہدایت قرار دیا ہے۔ وقار و اعتبار کی حامل ایسی مقتدر ہستیوں کے اس درجہ مثبت، معتبر اور موقر ارشادات عالیہ کے ہوتے ہیچ مداں کی ذات کیا اور اس کی بات کی بساط کیا۔ لاکھ عذر خواہی کی کہ جناب والا کہاں آپ کی تصنیف پُر توقیر، اور کہاں یہ حقیر پُر تقصیر، کوئی شنوائی نہیں ہوئی بالآخر محترم کے مشفقانہ ارشاد اور آپ کے فرزند سعادت مند اپنے مخلص دوست سیشن جج اور نامور شاعر منظور ندیم کے اصرار پر سپر انداز ہونا پڑا جن کا

Scanned by CamScanner

محض ایک شعر۔

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقے سے تراشا جائے

تمام ادبی دنیا میں ان کی معتبر شناخت بن گیا ہے اور انہیں صدیوں زندہ رکھنے کے لئے یہی ایک شعر کافی وشافی ہے نتیجہ یہ کج مج تحریر ہے جس سے آپ کو گزرنا پڑ رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب زندگی کے مختلف ادوار میں کئے گئے راز صاحب کے پانچ مختلف اسفار کی خوشگوار اور دلچسپ یادداشتوں پر مشتمل ہے جن میں ۱۹۶۵ء میں ہند پاک جنگ کے دوران احتیاطی نظر بندی ایکٹ D.I.R اکولہ سنٹرل جیل میں گزارے گئے۔ سولہ دنوں کی روئداد بھی سفر نامہ جیل کے تحت درج ہے اس طرح کی قید و بند سے موصوف کو سقوط حیدر آباد کے موقعہ ۱۹۴۹ء میں بھی پانچ روز گزارنے پڑے تھے بشمول سابق منسٹر قاضی سیّد غیاث الدین، منشاء الرحمٰن خاں منشاء، ان پانچ یادگار، ایام کی روداد، عالم تحریر میں نہ آنے کی وجہ راز صاحب کی اس تحریر سے ملتی ہے۔ عمر کے اسی دور کا ذکر کرتے ہوئے خود راز صاحب نے ایک جگہ تحریر کیا ہے۔

''عمر بڑھتی رہی شعور عقل کے اور شبابِ دل کے ہاتھوں کھیلتے رہے۔ فکر شعر میں آدھی آدھی رات تک آوارہ گردی کرنا۔ اسی دوران جذبات کے غلبہ سے کبھی کبھی جسم کا بخار کی طرح تپنا آج تک یاد ہے کیا دن ہوتے تھے۔ کیا راتیں ہوتی تھیں۔ ہر بات نوکِ قلم پر لائی نہیں جاسکتی''

اس کتاب میں شامل ایک سفر نامہ جنوبی ہند کے شہروں مدراس، بنگلور، میسور، حیدر آباد، کے ۱۹۶۱ء میں کئے گئے ۱۰؍روزہ سفر کی روداد پر مبنی ہے۔ سب سے طویل اور دلچسپ اور بوجوہ سب سے اہم سفر نامہ ۲۹؍نومبر ۱۹۷۳ء تا ۹؍مارچ ۱۹۷۴ء پورے ۱۰۰؍دنوں پر پھیلا ہوا ہے۔ جو راز صاحب کے بحری سفر سے کئے گئے حج بیت اللہ اور زیارت رسول علیہ ﷺ کی مفصل اور مسبوط روداد ہے۔ چوتھا سفر نامہ ۱۹۸۸ء میں کشمیر جنّت نظیر پُر بہار سفر کی رنگ و بو سے معمور روئداد پر مبنی ہے۔ جو موصوف نے اپنے فرزند منظور ندیم اور چھوٹے فرزند ذاکر حسین اور بہو اور پوتے پوتیوں کے ساتھ کیا تھا۔ زندگی کی چند خوشگوار اور عطر بیز یادوں پر مشتمل ہے اور کتاب میں شامل پانچواں اور پاکستان کا پہلا سفر راز

صاحب کو ۱۹۸۰ء میں پیش آیا جہاں موصوف کے چھوٹے بھائی معروف شاعر کراچی کے ایک انٹرنیشنل بینک میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔علاوہ ازیں ہندوستان سے ہجرت کر کے مستقلاً پاکستان میں بس جانے والے کئی رشتہ دار اور احباب ہیں۔جن کے درمیان کم و بیش دو ماہ رازؔ صاحب نے گزارے اور ہر شب و روز کی لمحہ لمحہ یادداشت رقم کر کے مدّتوں کے لئے صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لی۔اس دوران چند مواقع بے حد جذباتی اور رقّت انگیز بھی پیش آئے۔اس سفر کے وسیلے سے رازؔ صاحب نے کئی تفصیلات پیش کی جو تاریخ عالم میں سفر نامے کی روایت اور آغاز تاریخ نویسی دونوں کا آغاز ساتھ ساتھ ہونا بتایا جاتا ہے۔اس اعتبار سے اوّلین تاریخ نویس ہیروڈوٹس کو دُنیا کا پہلا سفر نامہ نویس تسلیم کیا گیا ہے۔اُردو میں سفر نامہ نویسی کی روایت یوسف کمبل پوش کے ۱۸۳۷ء میں انگلستان کے سفر کی روئداد ''عجائباتِ فرنگ'' سے شروع ہوئی۔جو ۱۸۴۷ء میں مطبع العلوم، دہلی سے اشاعت پذیر ہوا۔ہوتے ہوتے یہ روایت عام ہو کر ایک چلن کی شکل اختیار کر گئی اور کم و بیش ہر قابلِ ذکر صاحب قلم نے ملک اور بیرون ملک کے اپنے سفر کی تفصیلی روئداد لکھی اور اسے کتابی شکل میں شائع بھی کیا۔ڈاکٹر خالد محمود نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو سفر ناموں کا تحقیقی مطالعہ'' میں اردو کے ۱۴۵ سفر ناموں کی فہرست پیش کی ہے۔جن میں بیشتر سفر نامے سعودی عرب اور انگلینڈ کے ہیں۔سعودی عرب کے بہ استثنائے چند سفر نامہ عمرہ، حج بیت اللہ اور زیارت بارگاہِ رسول ﷺ کی روئدادوں پر مبنی ہونے کی بنا پر زبان و بیان اور طرزِ اظہار و انداز تحریر موضوع روداد اور جذبات اور احساسات کی ترجمانی نیز احوال و کوائف کے اعتبار سے بھی کم و بیش یکساں ہیں۔بلحاظ تعداد انگلینڈ کے سفر نامے دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔یوسف کمبل پوش کے پہلے سفر نامے عجائبات فرنگ کے علاوہ چند مشہور سفر ناموں میں محمد حسین آزادؔ، سرسیّد احمد خاں، قاضی عبدالغفار، خواجہ احمد عبّاس، آغا محمد اشرف، جمیل الدین عالی، پطرس بخاری، محمد طفیل، رام لعل، گوپی چند نارنگ اور وزیر آغا وغیرہ کے سفر ناموں کا شمار ہوتا ہے۔مظفر حنفی کا سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' اپنے منفرد انداز بیان نیز دلچسپ انداز تحریر کی بنا پر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔دلکشی اور دلچسپی کے اعتبار سے ابنِ انشا اور مجتبیٰ حسین کے چین اور جاپان کے سفر نامے بھی غیر معمولی مقبولیت رکھتے ہیں۔دلچسپیوں کا حامل رازؔ صاحب کا

Scanned by CamScanner

سفرنامہ حج بھی ہے۔۱۰۰ ردنوں کی طویل مسافت پر محیط یہ سفرنامہ اپنے اندر دلچسپیوں کے کئی جواز اور اسباب وعوامل رکھتا ہے۔اس کی دلچسپی اور انفرادیت کا سب سے بڑا جواز تو بحری جہاز کا مشکلات، مہمات اور عجیب وغریب واقعات وحادثات سے پُر ۱۰۰ رروزہ سفر ہے۔ بقول سفرنامہ نگار ''گھر سے نکل کر گھر آنے تک ۱۰۰ ردنوں تک واقعات مشاہدات اور تاثرات نوٹ کرتا رہا۔ مجھے پہلی بار بحری سفر ۱۹۷۳ء میں پیش آیا تھا اس کے غالباً ۶ رسال بعد ہوا یہ کہ حکومت نے زائرین حج کیلئے بحری سفر کی روایت ہی توڑ دی۔ چنانچہ موجودہ نئی اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کے طور پر اس داستانِ پارینہ کو باذوق قارئین کے حوالے کر دینے کا خیال آتا رہا'' یہ سفرنامہ راز صاحب کے گھر سے اکولہ بذریعہ بس وہاں سے بذریعہ ٹرین ممبئی۔ ممبئی میں پانچ روز واڈی بندر پر جعفر سلیمان سرائے میں قیام (اُن دنوں حج ہاؤس تعمیر نہیں ہوا تھا) ممبئی سے بذریعہ جہاز M-V اکبر سات دن، سات رات سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے جدّہ پہنچنے کی داستانِ سحر بیان جس میں معمولات شب و روز کے علاوہ سمندری موجوں کی ہولناک موجوں کے مدّ وجزر غروب وطلوع آفتاب و ماہتاب کے اوقات میں سمندری پانی کی لحظہ لحظہ تغیر پذیر رنگوں کا استعجاب انگیز بیان اور پھر حضرت راز کی کوثر و تسنیم میں دُھلی شگفتہ اور شُستہ زبان اقتباسات ملاحظہ کیجئے ''عرشے کی بالائی منزل پر چلا گیا اللہ اللہ کس قدر ہوش رُبا منظر ہے میں عرشہ کے آخری سرے پر کٹھرے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوں چاند سر پر آچکا ہے چاروں سمت حدِ نظر تک پانی چاندی کی طرح چمک رہا ہے۔ عظیم M-V اکبر سفید انڈے کے رنگ میں آنکھوں کے سامنے ہے۔ اُس کے مستول سر بلند ہیں بڑی سخت زمین میں اشعار ہوتے گئے چاندنی میں مناجات لکھتا رہا۔'' صبح کاذب سے صادق ہو جانا پھر طلوع آفتاب کا منظر سبحان اللہ سمندر کی اوٹ سے صبح کی پہلی کو نظر آئی۔ خورشید کا سُرخ چہرہ ڈیڑھ یا دو منٹ میں اوپر آ گیا آہستہ آہستہ مجلّی ہونے لگا۔ لحظہ بہ لحظہ اُس کی تجلّی بڑھتی جاتی تھی۔ سمندر کی ہر ہر لہر میں سورج کا ایک ایک عکس اور یہ سلسلہ اُفق سے قربِ جہاز تک پھر اُس منظر کا روشن سے روشن تر ہوتا جانا آنکھیں چمکنے لگی۔''

دلچسپ تشبیہات معنیٰ خیز استعارات برجستہ محاورات سے آراستہ و پیراستہ، برجستہ زبان

Scanned by CamScanner

و بیان کی شگفتگی وشائستگی سے مزین حکایت دل پذیر کورقم کرتا ہوا حضرت رازؔ کا مشاق قلم صفحۂ قرطاس پر اپنی سبک خرامی کے نقوش مرتسم کرتا ہوا مکّہ معظّمہ میں حرم شریف، مقام ابراہیم، زم زم، صفا مروہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، حرا، ثور سے ہوتا ہوا ارکان حج کی ادائیگی کے بعد دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری، مسجد نبوی اور مدینہ منورہ کی تمام تر تجلّیات سمیٹتا بکھیرتا مشرّف بہ حج وزیارت ہونے پر اُسی طرح اُنہی راستوں سے بحری ریل اور بس کے ذریعے منزل بہ منزل گام بہ گام واپسی اور گھر پہنچنے تک کہیں رُکتا نہ تھمتا خیر و برکت تمت بالخیر کی منزل سے ہمکنار ہوتا ہے۔ قابل ذکر امر یہ کہ اس تمام سفر میں رازؔ صاحب کے اندر کا شاعر کہیں اُن کا ساتھ نہیں چھوڑتا لہٰذا بحری سفر پر جاتے ہوئے اور لوٹتے ہوئے جہاز کے عرشے پر منعقدہ مشاعرہ میں شرکت کرتے ہیں اور حرم شریف میں عین کعبۃ اللہ کے سامنے ایک روح پرور غزل تخلیق کرتے ہیں۔ پاکستان کے سفر کا مقصد رازؔ صاحب کا اپنے برادرِ خورد غلام مصطفیٰ نازؔ اُن کے اہل وعیال اور دیگر اعزاء اقرباء اور احباب کے درمیان چند روز گزارنا تھا۔ بالخصوص دوسری بار اپنی بھتیجی دُختر نازؔ کی شادی میں شرکت کی تقریبات میں شرکت بھی رہی اپنے جگر گوشوں سے ملاقاتوں کے منظر نہایت جذباتیت انگیز ہیں اکثر مقامات پر قارئین اپنے آنسو روک نہ پائیں گے۔

جنوبی ہند کا سفر نامہ آل انڈیا ہینڈلوم بورڈ کانفرنس میں مدراس بحیثیت صدر مومن ویورس کوآپریٹیو سوسائٹی بالاپور اور ڈائریکٹر ہینڈلوم ودربھ بورڈ ناگپور کی نمائندگی کے طور پر جاتے ہوئے رازؔ صاحب نے مدراس سے آگے جاکر بنگلور، میسور اور واپسی میں حیدرآباد ہوتے ہوئے سیاحت کا تفصیلی منظر نامہ ہے۔ اُن دنوں رازؔ صاحب آتش جواں تھا کے آتشیں دور سے گزر رہے تھے موصوف کی تحریر کا چٹخارے دار ذائقہ اس امر کا غماز ہے وہ رازؔ صاحب کے امنگوں کی راتیں اور جوانی کے دن تھے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔ مدراس کا میرین بیچ ہے "لڑکیاں آگے جاکر بھیگی بالو پر کھڑی ہوجاتی ہیں پھر موجیں پلٹتی ہے اور پانی بڑھ کر پنڈلیوں سے رانوں تک چلا جاتا ہے کوئی کپڑے بھیگنے دیتی ہے، کوئی اٹھالیتی ہے (لہنگے اور ساڑی کا گڑبڑ سے اٹھالیا جانا) کبھی کبھی اعتدال و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ لفظ رومان کا مطلب یہاں آکر واضح ہوجاتا ہے گویا دل

Scanned by CamScanner

میں خاص اُمنگوں کا پیدا ہونا''

۱۹۶۵ء میں دوسری ہند پاک جنگ کے مواقعہ پر احتیاطی نظر بندی طور پر ہندوستان بھر میں مسلم نمائندہ شخصیتوں کو جیلوں میں رکھا گیا رازؔ صاحب بھی سینٹرل جیل اکولہ میں ۱۶/دن رہے جن کی یادداشتوں کو موصوف نے قرطاس وقلم کے وسیلے سے محفوظ کرلیا جو اس کتاب میں بطور سفرنامہ جیل شامل ہے۔

کشمیر جنّت نظیر کا سفر دل پذیر رازؔ صاحب نے اپنے فرزند معروف شاعر اور سیشن جج منظور ندیمؔ اُن کی اہلیہ اور بچّوں کے ساتھ کیا تھا جب کہ رازؔ صاحب کے چھوٹے فرزند ذاکر حسین بھی ہمراہ تھے۔ کشمیر کے بے نظیر اور یکتائے روزگار اور دلکش مناظر اور پھر بیان رازؔ صاحب کا۔ دخل در معقولات سے گریز کرتے ہوئے چاہوں گا کہ قارئین بالراست اکتساب لطف کریں اور سیر کشمیر کے مزے لوٹیں۔ سفر کا دلچسپ اور حقیقت پسندانہ بیان دلکش اور شگفتہ اندازِ تحریر قابلِ دید مقامات کی جزئیات سمیت تفصیلات تخلیقی شان کے ساتھ عکس بندی مختلف علوم وفنون پر دسترس تجربہ کی وسعت انداز فکر کی قدرت تخلیقی اور فنی تقاضوں سے کماحقہ آگہی ناقابلِ فراموش واقعات اور نو بہ نو واقعات کو ترتیب وتہذیب کے ساتھ دلفریب اُسلوب میں پیش کرنے کی صلاحیت شگفتہ اور سُبک ادبیت افسانویت اور لطافت کی چاشنی، مقصدیت کی شمولیت، خارجیت کا اظہار تاریخی شواہد اور جغرافیائی کوائف کی متاثر کُن ترجمانی مناظر کی روح میں اُتر کر منظر کشی کا سلیقہ یہ سفرنامہ کی چند بنیادی خصوصیات ہیں ان میں بیشتر ''عمر رفتہ'' کے سفرناموں کی رگ وپے میں لہو کی طرح رواں دواں ہیں کہ سفرنامہ نگار بحمداللہ خود ایک صاحب احساس وادراک شاعر وادیب ہے۔ صاحب فکر ونظر ارفع درجہ کی قوّت مشاہدہ اور اعلیٰ درجہ کی ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کا حامل فنّی تقاضوں دلفریب اسلوبِ اظہار کا مالک ایک صاحبِ کمال مستند اور معتبر قلم کار ہے۔ لہٰذا جو کچھ پیش آیا اس کی حقیقت پسندانہ ترجمانی فنکارانہ انداز میں کر کے سفرناموں کو دلکش اور قابلِ مطالعہ بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی گئی ہے۔ اپنی منفرد خصوصیات کی بنا پر حضرت رازؔ بالا پوری کا خودنشت سفرناموں کا یہ مجموعہ ادب میں قابلِ قدر اضافہ ثابت ہوگا۔

Scanned by CamScanner

نقشبند قمر نقوی کے ساتھ حج کو چلیے

اللہ کی مصلحت اللہ جانے۔ مجھ جیسا لکھاری کہ معمولی سے معمولی واقعہ کو اپنی جنبش قلم سے صفحۂ قرطاس پر مرتسم کر دینے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ اہلیہ کے ساتھ پورے پینتالیس دن سرزمین حرم مقدس اور دیارِ رسالت مآب ﷺ کی رحمتوں، برکتوں اور نصیحتوں سے فیضیاب ہوا لیکن دنیوی واخروی زندگی کی ان رفیع الشان اور عظیم القدر ساعتوں کے فیوض و برکات کی تفصیلات کو حیطۂ تحریر میں لا کر بقائے دوام عطا کرنے سے محروم رہا جبکہ ہر صاحب قلم جسے سفر حج کی سعادت نصیب ہوتی ہے اپنی بساط کے مطابق اس کی تفصیلات کو مزے لے لے کر قلمبند کرتا اور سفرنامہ کی شکل میں شائع بھی کرتا ہے۔ حج و زیارت کی سعادتوں سے بہرور ہونے سے قبل اور بعد میں بھی ایسے کئی سفرناموں کا مطالعہ میرے قلب و روح کی تازگی کا سبب ضرور ہوا لیکن کوئی سفرنامہ حج اپنے ۲۰۰۲ء میں ادا کیے گئے فریضہ حج کی یادوں کو تحریری شکل میں تازہ کرنے کا محرک نہیں ہوا۔ اللہ کی مصلحت اللہ جانے، ابھی چند روز قبل پاکستان نژاد، امریکہ میں مقیم، معروف صاحب قلم، کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلف نقشبند قمر نقوی کے تین اسفار حج کی دلچسپ، ایمان افروز اور سبق آموز تفصیلات پر مشتمل تین سو صفحات کی ضخامت پر مبنی سفرنامہ "چلتے ہو تو حج کو چلیے" موصول ہوکر ذوق مطالعہ کی سیرابی، ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی و پاکیزگی کا موجب ہوا تو سوچا کہ چلو! محترم نقشبند قمر نقوی کے ان مبارک اسفار کی یادوں کے ساتھ چلتے ہوئے کہیں کہیں اپنے ۲۰۰۲ء کی ادائیگی فریضہ کی یادیں تازہ کرتے چلتے ہیں۔ یہاں اس امر واقعی کی صراحت ضروری ہے کہ محترم نقشبند قمر نقوی سے کسی بھی معاملہ میں کسی بھی زاویے یا کسی بھی پہلو سے موازنہ یا تقابل قطعی قطعی مقصود نہیں۔ بھلا آفتاب اور ذرے میں ہاتھی اور چیونٹی میں سمندر اور قطرے میں کوئی مقابلہ یا موازنہ ممکن بھی ہے۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی،

نقشبند قمر نقوی واجب الاحترام سلسلہ نقشبندیہ کی کہکشاں کے ایک تابناک ستارے، بحر العلوم مولانا حکیم سید عبدالعلی نقوی بخاری نقشبندی مجددیؒ کے جانشین حضرت میراں سید جلال

الدین جہانیاں جہاں گشت جن کے جد امجد، سیدہ حفصہ علی نقوی بخاری، جن کی والدہ ماجدہ اور سیدہ عابدہ سلطانہ نقوی بخاری نقشبندی جن کی نانی محترمہ، جن کے جدّ بزرگوار مولانا حافظ الحاج سید ضیاع الدین حسن نقوی بخاری نقشبندی مجددی اپنی تین بیٹیوں اور دس مریدین کے سفرحج کی کفالت کرتے ہوئے ادائیگی فریضہ حج سے فارغ ہوئے ہوں اور میں کہ بے ننگ و نام سا مفلوک الحال خط افلاس سے نیچے بہت نیچے زندگی کے شب و روز کاٹنے والے خاندان کا ایک مزدور زادہ۔ وہ کہ کشف و کرامات سلسلہ در سلسلہ جن کے ہر قول و عمل سے ہویدا میں کہ سرتاپا عصیاں پیکر، ہمہ وقت اپنے ظاہر و باطن کے گناہوں کی آلودگیوں کو دھوتے دھوتے ہلکان، وہ کہ علم و دینی و دنیوی کا ایک بحر بیکراں، میں کہ طوطے کی طرح چند آیات رٹ رٹا کر اور الٹے سیدھے مصرعے گڑھ کر اپنی مسلمانی اور شعری و ادبی شناخت کا بھرم قائم رکھنے والا اور چند ظاہری عبادات کے بل بوتے پر سوت کی لٹی کے عوض یوسف کی خریدار بڑھیا کی طرح جنت کے حقداروں میں خود کو شمار کرنے والا، مقابلے یا موازنے کے تعلق سے سوچنا بھی حماقت، قمر نقوی صاحب حج بیت اللہ اور زیارت بارگاہ رسالت کی سعادتوں سے دومرتبہ مکمل طور پر فیضیاب۔ علاوہ ازیں عمرہ اور دربار رسالت میں حاضری سے کئی بار شرف یاب ہو چکے ہیں جبکہ کمترین ادھر ادھر سے جوڑ توڑ کر، ادھار سدھار کر کے جیسے تیسے بمشکل دونوں میاں بیوی کے اخراجات سفر حج جٹا پایا۔ لہٰذا کسی بھی پہلو مقابلے یا موازنے کا تصور بھی محال ہے کہ ''خاک کو آسمان سے کیا نسبت'' بس یہ کہ محترم قمر نقوی کے سرزمین حرم پاک اور روضہ رسول اقدس کے سفر کی معطر اور مطہر سرگزشت پڑھ کر وہ سارے مناظر یکے بعد دیگرے ذہن میں متحرک اور روشن ہو گئے جن کی دید کی سعادت ان گناہگار آنکھوں کو اور جن کے لمس کا شرف اس پیکر خطا و عصیاں کے دست و پا کو نصیب ہوا تھا۔ زیر تبصرہ مفصل اور موخر سفرنامے کی رو سے نقوی صاحب کو ۷۱ء تا ۷۸ء کئی بار مدینہ منورہ پہنچ کر دربار نبویؐ میں باریابی کی سعادت حاصل ہو چکی تھی۔ ۷۸ء میں موصوف نے اپنی والدہ، شریک حیات، بیٹوں اور بیٹیوں کے ہمراہ بذریعہ کار ایران کے دارالخلافہ تہران سے قم، ڈیزفل، رہوز، شلمچہ، سے عراق کے شہر بصرہ اور کویت ہوتے ہوئے سعودی عرب کے دمام، ریاض طائف، تا مکۃ المکرمہ پہنچنے کی تفصیلات بیحد دلچسپ اور رومانوی

Scanned by CamScanner

انداز میں بیان کی ہیں۔جس میں دجلہ کے کنارے کنارے چلتے ہوئے فیری کے ذریعہ بمع کار دجلہ پار کرنے۔حاجی اب قیق کے ساتھ تلخ تجربہ،راستے میں شدید بادوباراں،میقات کے قریب ایک نورانی بزرگ کا نازل ہوکر غسل کے لئے پانی مہیا کرادینا اور غائب ہو جانا۔عصر کے بعد مکہ معظمہ پہنچنا،باب السلام کے راستے حرم شریف میں داخل ہونا جہاں محض چار چھ سولوگوں کی موجودگی۔دالان سے کعبہ تک پتھر کے پختہ فٹپاتھ درمیان میں کنکریاں جودھوپ سے تپنے لگتی تھیں۔(بعد میں زیرز میں پائپ لائن بچھا کر قیمتی ٹائلس بچھا دیئے گئے اور سارا فرش بیحد ٹھنڈا رہتا ہے،عمرہ کے جملہ اراکین کی مکمل تفصیلات مکہ سے جدہ واپسی جہاں تین دن قیام کے دوران ہرروز مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کرنا۔چوتھے روز تین سوکلومیٹر مسافت طے کر کے مدینہ منورہ پہنچنا،سبز گبند کا روح پرور منظر دیکھتے والہانہ پن،وارفتگی،شیفتگی اور عقیدت واحترام کیساتھ سرکار دوعالم ﷺ کے آستانے پر حاضری۔سلام پیش کرنا۔

اے وجود مکرم درود وسلام
اے رسول معظمؑ درود وسلام
ہے قمر کو فقط آرزو آپ کی
دل یہ کہتا ہے پیہم درود وسلام

ہم لوگ حج ٹوروالوں کے ساتھ ۱۶ رجنوری ۲۰۰۲ء کو اکولہ سے بذریعہ ٹرین ممبئی پہنچ کر وہاں سے کم کرایہ پر دستیاب قاہرہ ائیرلائن سے شارجہ قاہرہ ہوتے ہوئے جدہ ائیر پورٹ پہنچے۔ روحانی اور اورنورانی سفر کی کیف آگینی اور سرور انگیزی کے خوش گوار تصور نے راستے کی دشواریوں کو فراموش کرادیا۔قاہرہ ائیرپورٹ کی بدانتظامی اور جدہ ائیر پورٹ پر چیکنگ کے صبر آزما مراحل سے گزرنے کی صعوبتیں پرکیف راحتوں میں تبدیل ہوگئیں،جدہ سے روانہ ہوکر مکہ معظمہ یعنی حدود حرم میں داخلے کی کیفیت اللہ اللہ کس قدر عجیب سرور انگیزی کس درجہ نشاط،آ گیں تھی،الفاظ کہاں سے لاؤں اس کیفیت کے اظہار کے لئے آج بھی وہ کیفیت پوری پوری زندہ،توانا اور متحرک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اس کے مکمل اظہار سے بے بس پا رہا ہوں۔غالباً یہی وجہ رہی ہوگی اپنے اس

Scanned by CamScanner

قطعی غیر متوقع سفر رحمت کی روئداد لکھنے سے معذوری کی۔ایک عالم خواب تھا گویا۔نہایت متحیر کن نا قابل یقین، نا قابل بیان، کہاں میں سرتا پا آلودہ معصیت اور کہاں مکہ المکرمہ کی پاکیزہ اور مقدس گلیاں۔جذب وسرور کی ایک والہانہ کیفیت میں کعبۃ اللہ کی طرف بڑھنے لگا۔جیسے ہی حرم شریف کے پرنور میناروں پر نظر پڑی میرے منہ سے تو فرط مسرت سے چیخ نکل گئی،وہ رہ رہ کر لبیک اللھم لبیک کا والہانہ انداز میں ورد کرتے ہوئے باب السلام سے ہوکر حرم مقدس کے سامنے پہنچ گئے۔ یکبارگی نگاہ جو غلاف کعبہ پر ڈالی، آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کے جھرنے بہہ نکلے، ہچکیاں لیتے ہوئے عالم وارفتگی میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا، ارے دیکھتی ہو ہم کہاں پہنچ گئے، ارے یہ کعبہ ہے کعبہ شریف، زندگی بھر ہزارہا میل دور سے صرف زبانی طور پر عالم تصور میں جس کی طرف منہ کر کے ہم نمازوں کی نیتیں باندھتے رہے، وہ کعبہ ہمارے سامنے بالکل سامنے ہے، ہم اپنی گنا ہگار آنکھوں سے اسے دیکھ سکتے ہیں۔اپنے معصیت آلود ہاتھوں سے اسے چھو سکتے ہیں، ارے! کہاں ہم اور کہاں یہ خانہ کعبہ، یہاں تو صرف اللہ کے مقبول بندوں ہی کو حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ تو کیا اللہ رب العزت نے ہمیں قبول فرمالیا ہے۔یہ نصیب اللہ اکبر۔

محترم نقشبند قمر نقوی کا ''چلتے ہو تو حج کو چلئے'' پڑھ کر سارے مناظر بیک وقت روشن ہو گئے۔ پڑھ رہا ہوں اور موصوف کے ۲۰۰۶ء میں ادا کئے گئے ارا کین حج کے شانہ بشانہ خود کو بھی ان ارا کین کی ادائیگی کرتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔طواف کرتے ہوئے رکن عراقی۔ ملتزم، حطیم میزاب رحمت، مقام ابراہیم۔رکن شامی، رکن یمانی، زمزم، صفا ومروہ پر نورانی مقام پر متعینہ احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے مختلف آیات قرآنی اور دعاؤں کی قرأت کے ساتھ آمین کہہ رہا ہوں امریکہ کے شہر ٹکساس میں فلسطینی عیسیٰ اور ممبئی کے ابراہیم نقوی صاحب کے شریک سفر حج ہیں۔عالم تصور میں ان کے پہلو بہ پہلو میں بھی موجود ہوں، پھر تیسری بار ۲۰۰۷ء میں شہزاد شان، ڈاکٹر جہانگیر اور منظور میاں کو قمر نقوی صاحب کی ہم سفری کی سعادت حاصل ہے۔عالم تخیل میں میں بھی ان کے قدم بہ قدم ان کا شریک سفر ہوں۔لیکن یہ ساتھ تو صرف ارا کین حج وزیارت کی ادائیگی تک ہے، چاہے منیٰ میں رمی جمرات، مسجد خیف، وقوف عرفات، جبل رحمت، مسجد نمرہ، مزدلفہ، مسجد مشعر الحرام سے

Scanned by CamScanner

وابستہ عبادات اور دیگر سنن وواجبات کی ادائیگی ہو یا مدینہ منورہ میں مسجد قباء، مسجد ذوالقبلتین یا دربار نبوی ﷺ میں جھروکوں سے حضور اکرم ﷺ، سیدنا حضرت ابوبکرؓ، سیدنا حضرت عمرؓ، درود وسلام کی پیشی ہو، مسجد نبویؐ میں چالیس پرکیف نمازوں کی ہو یا ریاض الجنۃ میں بمشکل نوافل کی ادائیگی کا مرحلہ میں گام بہ گام اس روحانی قافلے کے ساتھ چل رہا ہوں، البتہ ان کے ذاتی مشاغل کے دوران اپنے آپ کی علیحدہ کرلیتا ہوں۔ کہ ان حضرات کا قیام ائیر کنڈیشن خیموں اور کئی اسٹار کی عالی شان ہوٹلوں میں ہے جبکہ مجھے ٹور والوں کے مہیا کردہ خیموں اور سستے ہوٹلوں کے کمروں میں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھسے ہوئے تمام ضروریات کی فراہمی کے سلسلے میں ان کے رحم وکرم پر رہنا ہے۔ علاوہ ازیں قمر نقوی صاحب کے مراقبے، مکاشفے،، مجادلے، مجاہدے، درود ذکر، تسبیح اور اوراد و وظائف کے مشاغل کی ان روحانی اور نورانی کیفیات سے بھی میں قطعی بے بہرہ تھا جو سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات کا اہم حصہ ہے، جس کے تعلق سے نقوی صاحب رقمطراز ہیں۔ ''مراقبہ، تذکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تمرکز خیال کیساتھ االلہ تعالیٰ سبحانہٗ کی یاد میں محو ہو جانے کا ایک طریقہ ہے۔'' مراقبے کی حالت میں نقوی صاحب پر اکثر جو کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں۔ ''میری ظاہری آنکھیں بند ہو گئیں اور روح کی آنکھیں وا ہو گئیں، جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو دل اکثر بیدار ہو جاتا ہے۔'' دل کی اس عالم بیداری کی خواب آلود کیفیت میں ان کے گرد و پیش ہلکی سی نیلگوں فرحت نیز تسکین بخش روشنی ہوتی ہے، خواب جیسی نہ واضح نہ مبہم، ان کیفیتوں سے موصوف اکثر گزرتے ہیں، جس میں اکثر اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے علاوہ اولیاء کرام سے ملنے کی سعادتیں بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں، جو گام بہ گام درپیش مشکلات میں ان کی معاونت بھی فرماتے رہتے ہیں، ایسی ہی ایک خواب آگیں کیفیت سے گزر جانے کے بعد موصوف لکھتے ہیں، ''اس محفل میں باریابی ہی بہت بڑا اشرف تھا۔ خواب وخیال ہی سہی۔ کیسا معتبر، منور، دلکش خواب'' وہم وگمان سے حسین تر'' اس سفرنامے کی ایک قابل ذکر اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ سفر نامہ نگار نے اپنے وجود ان نورانی اور روحانی کیفیتوں میں یکسر گم کر دیا ہے، خود کو نمایاں کرنے کی شعوری کوشش سے یکسر گریز کیا گیا ہے۔ سرزمین حجاز کے تمام متعلقہ مقامات مقدسہ کی تفصیلات بے کم وکاست بیان کرتے ہوئے

Scanned by CamScanner

متعلقہ فرائض اور سنن وواجبات کی تفصیلات۔ متعینہ مسنون دعائیں، تسبیحات اور اوراد و وظائف، احکامات خداوندی، قرآنی آیات واحادیث مقدسہ کی شکل میں۔ آنحضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اہم پہلو، آپ ﷺ کی تعلیمات حسب ضرورت بنیادی مسائل واذکار پر عالمانہ مباحث تفصیلی یا اجمالی طور پر دلپذیر انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ اندھی تقلید، روایت پرستی سے ہٹ کر روشن خیالی ،عقائد کی تصحیح و تطہیر کے سلسلے میں بیباکی اظہار کی مثالیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔ بالخصوص عربوں کے عادات وخصائل کے بارے میں چند دلچسپ انکشافات نقوی صاحب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے

''عرب کام کم کرتے ہیں، عیش زیادہ، مجھے جہاں بھی کسی عرب سے سابقہ ہوا اُسے متکبر اور بد دماغ پایا۔'' ہم پاکستانی عربوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے وہ چلتے پھرتے قرآن ہیں، جبکہ وہ ہمیں کمتر جانتے ہیں عرب پھر عرب ہے، وہ اپنا بدویانہ کردار، درشت اخلاق، بداطواریاں کیسے ترک کرسکتا ہے، علاوہ ازیں موصوف کا یہ ایمان افروز انکشاف کہ...... صرف فرائض کی انجام دہی کا نام عبادت نہیں، وہ تو حکم کی تعمیل ہے، عبادت اُس کے بعد شروع ہوتی ہے۔''

حرم مقدس اور روضہ رسول ﷺ کے علاوہ وہ تمام مقامات مقدسہ ومطہرہ جو ہر مسلمان کے لئے مرکز ایمان وعقیدت کا درجہ رکھتے ہیں وہاں پہنچ کر وارفتگی اور شیفتگی کا جو والہانہ اور عقیدت مندانہ اظہار نقوی صاحب نے کیا ہے، بیحد اثر انگیز ہے مثلاً مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہوئے ان کی وجد آفریں کیفیت ملاحظہ کیجئے۔

''مدینہ منورہ میں داخلہ ایک عجیب جذباتی کیفیت کے عالم میں ہوا، ہم سبھی کی زبانوں پر درود وسلام جاری تھے، والدہ محترمہ تو آبدیدہ تھیں، ابھی سرکار دوعالم ﷺ کا شہر تھوڑی دور پر تھا کہ روش، صدیقہ اور شیبا نے سلام پڑھنا شروع کردیا۔

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰت اللہ علیک

Scanned by CamScanner

اور ہم سب ان کی آوازوں میں آوازیں ملانے لگے، کیسا عجب لمحہ تھا، کیسا عجیب حال تھا طبیعت میں کیسا والہانہ پن تھا، کیسی وارفتگی تھی، دل محبت واحترام سے لبریز تھا، ایسی کئی شدید جذباتی کیفیتوں سے دوران حج وزیارت میں بھی گزر چکا ہوں، حرم شریف پر پہلی نظر پڑنے کی کیفیت بیان کر چکا ہوں۔ روضہ رسول اکرم ﷺ پر حاضری کے موقع پر ایک بار میں اچانک پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، بیوی کے استفسار پر ہوٹل پہنچ کر بتایا کہ آج اچانک روضہ رسول ﷺ کو بقعۂ نور دیکھ کر وہ واقعہ یاد آ گیا کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے، جسم اطہر رکھا ہوا ہے، تدفین ہونی باقی ہے، رات کی تاریکی بڑھ رہی ہے سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ سے فرما رہے ہیں۔ نور عین ذرا چراغ تو روشن کر دو۔ جواب ملتا ہے۔ ابا جان گھر میں تیل موجود نہیں ہے، اس واقعے کی یاد نے مجھ پر رقت طاری کر دی، مجھے ایسے واجبی واجبی دینی علم رکھنے والوں کے لئے اس سفرنامے میں کئی انکشافات بھی ہیں مثلاً حجر اسود کو بجھے ہوئے شہاب ثاقب کا بڑا سا ٹکڑا قرار دینا جبکہ ترمذی کی ایک حدیث کے حوالے سے فراہم میری معلومات کے مطابق حجر اسود جنت سے لایا گیا ایک سفید روشن پتھر تھا جو انسانوں کے گناہوں کی سیاہی کا لمس پا کر سیاہ ہو گیا، دوسرے زمزم کے بارے میں نقشبند قمر نقوی صاحب کی قیاس آرائی (جسے خود موصوف نے ناجائز کہا ہے کہ اس سے ایمان خطرے میں پڑنے کا خدشہ ہے) کہ بیگمات حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور سارہ میں تکرار ہوتی رہتی تھی لہٰذا اس تو تو میں میں سے تنگ آ کر حضرت خلیل اللہ نے بی بی ہاجرہ کو دوری ریگزار بے آب وگیاہ میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ حقیقت واضح نہیں ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے میرے ناقص خیال میں نقوی صاحب سے کچھ نہ کچھ سہو ہو رہا ہے۔ قرآن وحدیث کے نیز بزرگان دین کے اقوال سے اس ضمن میں جو حقائق مجھ تک پہنچے ہیں یاں کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں یہ سب کیا۔ جب وہ اپنی بیوی ہاجرہ اور ننھے اسماعیل کو چھوڑ کر جانے لگے تو ہاجرہ بی بی نے پوچھا تو دو مرتبہ حضرت خلیلؑ نے کوئی جواب نہیں دیا کہ حکم خداوندی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی، جب جناب ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر اثبات میں جواب دیا جس پر بی بی ہاجرہ نے اطمینان کا اظہار کیا کہ ''جب ایسا ہے تو مجھے یقین ہے کہ اللہ ہمیں

ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر حضرت اسماعیل کا پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑنا، ہاجرہ کا صفا ومروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑنا اور شیر خوار اسماعیل کی ایڑیوں کی رگڑ نے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلنا، یہ ساری وضاحتیں جناب نقوی نے بیان کی ہیں، بہر حال میں کیا اور میرا علم کیا، چہ پدی چہ پدی کا شوربہ، اس سلسلے میں نقوی صاحب کی یا اور کسی صاحب علم کی وضاحت میرے لئے رہنمائی کا باعث ہوگی، جیسا کہ ابتدائی سطور میں عرض کر چکا ہوں، کہ ہر صاحب ایمان وقلم جسے سفر حج وعمرہ اور زیارت کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ اپنے مبارک سفر کی روئداد ضرور رقم کرتا ہے، لہذا تا حال تحریر کردہ سینکڑوں سفر ناموں کے درمیان نقشبندی قمر نقوی کے زیر تبصرہ مقدس اور متبرک سفر نامہ اپنی انفرادیت پسندی کے جو چند جواز رکھتا ہے، ان میں موصوف کے کئی بار مدینہ منورہ جانے کئی عمرے اور دو مکمل حج کے کثیر اور گونا گوں تجربات روحانی اور نورانی فیوض و برکات کے حامل سلسلہ نقشبندیہ کے ایک صاحب کشف وکرامت بزرگ ہونے کی فضیلت کے علاوہ خود ایک کہنہ مشق منفرد لہجہ اور اسلوب کے شاعر اور مختلف اصناف شعر وادب میں کئی شعری ونثری تصانیف کے مصنف اور مؤلف ایک صاحب طرز ادیب، فکشن نگار اور حامل نقد وبصیرت قلمکار ہونا ہے، فطرت کے ودیعت کردہ یہ تمام اوصاف حسب موقع موصوف کی تحریر میں جھلکتے رہتے ہیں جو زیر تذکرہ سفر نامے کی دلکشی، جاذب نظری، تبحر علمی رنگارنگی، بوقلمونی، زبان کی نفاست وطہارت، بیان کی شائستگی، طرز اظہار کی شگفتگی کی جلوہ فرمائیوں میں قابل قدر اضافوں کا موجب ہیں اور صاحب کتاب کی مشاقی اور وسعت مطالعہ نے بظاہر دینی موضوع پر مبنی اس کتاب کو کچھ اس درجہ دلچسپ اور دلکش بنا دیا ہے کہ آغاز مطالعہ سے اختتام تک اسے چھوڑنے کو جی نہیں کرتا۔ تین سو صفحات کی ضخامت پر مشتمل دستاویزی نوعیت کی اس کتابی کے ابتدائی صفحات پر ۲۲ رنگین اور درمیانی صفحات پر جا بجا حسب موقع ومحل ساٹھ بلیک اینڈ وہائٹ تصاویر اس کتاب کی قدر و قیمت اور اہمیت وافادیت میں بیش بہا اضافوں کا موجب ہیں۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اطراف واکناف کے وہ تمام مقامات مقدسہ جن سے ہر حاجی کو دوران حج سابقہ پڑتا ہے۔ ان کے علاوہ صاحب کتاب نیز چند متعلقہ حضرات کی تصویریں دیکھ کر ایمان تازہ اور روح شاداب ہو جاتی ہے، بالخصوص حرم شریف، مسجد نبویؐ، اور روضہ

Scanned by CamScanner

رسول ﷺ کے اندرونی و بیرونی مناظر کو نہایت دلکش انداز میں نمایاں کرنے والی چند تصاویر سے تو دیر تک نظر ہی نہیں ہٹتی، ایسی ہمہ جہت اور کثیر الاوصاف خوبیوں کی حامل اس کتاب کی قیمت کہیں درج نہیں ہے، اب اسے کس طرح حاصل کیا جائے، انتساب پبلی کیشنز بسیفی لائبریری سرونج مدھیہ پردیش سے رابطہ قائم کر کے دریافت کیجئے کہ کتاب کے پبلشر یہی ہیں۔

☆☆☆

rekhta
Donated by Mohsin Khan
Scanned by CamScanner

کچھ باتیں سمندر پار کی، یادیں اُن لیل و نہار کی (سفرنامہ دوحہ قطر)

محمد رفیق ندوی المعروف بہ شاداؔ کولوی کے ذریعہ مہینوں قبل نوید مل چکی تھی کہ میرا رزق چندروز کے لئے قطر میں اُتارا جاچکا ہے۔ چند شب و روز اس دیار شان و شکوہ کی حسن و دلکشی اور خیر وپاکیزگی سے معمور فضاؤں میں گزارنے کی سعادتیں حاصل ہونے والی ہیں۔ اس سرزمین حسین و دلنشین میں بسنے والے ہندوپاک کے ان ادب دوستوں، سخن پروروں اور سخنوروں کی محفلوں میں شرکت کے مواقع مجھے میسر ہونے والے ہیں جنہوں نے عرب کے ریگزاروں کو اردو شعروادب کی شادابیوں سے گل وگلزار بنا رکھا ہے۔ لیکن یوں آناً فاناً یہ سب ہوجائے گا اس کا مجھے قطعی سان وگمان تک نہیں تھا۔

پہلے ۵۔۶ رنومبر پروگرام کی تاریخیں طے ہوئیں، لیکن میرے اور جناب کلیم عاجزؔ (پٹنہ) کے ویزے بروقت نہ مل پانے کیوجہ سے پروگرام چندروز آگے بڑھادیا گیا۔ ۱۰ رنومبر کوظہر کی تیاری کرر ہا تھا کہ شاداؔ کولوی کا فون آیا۔ ۱۱ رنومبر کے پانچ بجے کے فلائٹ میں ممبئی سے دوحہ قطر کے لیے میری بکنگ ہوچکی ہے۔ لہٰذا شام ہی میں عزیزی شفیع الرحمٰن کے ساتھ مجھے ممبئی کے لئے نکلنا ہے اب میں ٹھہرا اختلاج قلب کا مریض۔ شفیع الرحمٰن اپنی ڈیوٹی کے سلسلے میں قریبی قصبے مہان میں بار بار فون کررہا ہوں۔ اب آتے ہیں تب آتے ہیں کرتے کرتے شام کے آٹھ بجے وہ گھر پہنچے، ٹرینوں بسوں وغیرہ کے لیے فون پر رابطے قائم کئے گئے۔ ٹرینوں پر تو ظاہر ہے بروقت ریزرویشن ملنے سے رہا۔ لگژری بس سے براہ پونہ یاناسک ممبئی جایا جاسکتا ہے لیکن ساری بسیں بھی نکل چکی ہیں، سب کا اصرار جس طرح بھی ممکن ہو میں جاؤں کہ ایسے موقع بار بار نصیب نہیں ہوتے میں سربسر انکار کہ ٹرین میں دھکے کھاتا ہوا نہیں جاؤں گا کہ قطر بہر صورت مکہ مدینہ تو نہیں جہاں کی زیارت سے اللہ رب العزت مجھے برسوں پہلے نواز چکا ہے، بالآخر شفیع الرحمٰن کی یقین دہانی پر کہ میں ہرصورت میں آپ کو ریزرویشن دلاؤں گا یہ کہتے ہوئے کہ کنڈکٹر نے حامی بھری تب ہی کمپارٹمنٹ میں داخل ہوؤنگا ہم لوگ رات ۱۲ ربجے بذریعہ آٹو اکولہ کے لئے چلے، شفیع الرحمٰن (داماد) شفیع اور

Donated by Mohsin Khan

ساجد (بیٹے) کاشف (نواسہ) شاکر کے آٹو سے اسٹیشن پہنچے، ٹرین آئی، بھاگم بھاگ فرسٹ کلاس کے ڈبے کے سامنے پہنچ کر شفیع الرحمٰن نے نہ جانے کنڈکٹر کے کان میں کیا کہا مجھے برتھ نمبر ۱۰ عطا کر دی گئی، کاشف ساتھ والے جنرل کمپارٹمنٹ میں مجھے جہاز میں سوار کروانے تک کے لئے ہمراہ ہولیا۔ ٹرین روانہ ہوئی اور میرا سارا ذہنی تناؤ دور ہو گیا کہ ممبئی رات دن جانا آنا ہے۔ اور جہاز کا بھی یہ کوئی پہلا نہیں دوسرا سفر ہے، اس سے قبل سفر حج بیت اللہ کی سعادت مجھے حاصل ہو چکی ہے، ۱۱ر نومبر دوپہر ۲ر بجے دادر اسٹیشن پر اُترے، باہر نکل کر کھانا کھایا، ساڑھے بارہ بجے اندھیری کے لیے لوکل پکڑی، ۱ر بجے اندھیری اسٹیشن، وہاں سے آٹو کیا اور ٹھیک دو بجے سہارا انٹرنیشنل ایرپورٹ پہنچ گئے۔ پہلا مرحلہ کامیابی سے طے ہو جانے پر گھر فون کیا جہاں پونہ سے بیٹی ناظمہ، داماد یونس اور ان کی بیٹی اور داماد گھر پہنچ چکے ہیں۔ ایئرپورٹ کے بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ کاشف کو زبردستی لوٹایا کہ اب اندر کا معاملہ میں بھگت لوں گا۔ امیگریشن وغیرہ کی تمام کارروائیاں مکمل ہونے پر اعلان ہوا کہ طوفانی موسم کی وجہ سے فلائٹ چار گھنٹے لیٹ یعنی ۹ر بجے جائے گی۔ ناشتے کے لئے فلاں ہوٹل پہنچ جائیں، گھر پر اور شاداً کولوی کو تازہ صورت حال سے آگاہ کیا اور حد نظر تک وسیع و عریض دنیا کے چند بڑے اور خوبصورت ہوائی اڈّوں میں سر فہرست شمار کیے جانے والے سہارا انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی شان و شکوہ کا خوب خوب نظارہ کیا۔ جابجا اسلامی طرز کے طہارت خانے، بیت الخلاء وضوخانے، جابجا حجاج کرام احرام میں ملبوس، نمازوں، تسبیحات و تلاوت میں مصروف، دل کو طمانیت اور روح کو تازگی اور فرحت کا احساس ہوا کہ ہمارے ملک میں فرقہ پرستوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود اسلام کو بفضل باری تعالیٰ کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اللہ اللہ کر کے گلف ایئرلائنز کی فلائٹ کی رن وے پر لینڈنگ کا اعلان ہوا اور ہم اس مرحلے کی اختتامی کارروائیوں کے بعد جہاز پر سوار ہوئے۔ دو گھنٹے بعد یعنی ۱۱ر بجے جہاز نے اُڑان بھری۔ اسٹاف کے سرغنہ نے اُڑان سے قبل جب سفر کی دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ مائک پر پڑھی تو سفر کے تعلق سے رہے سہے خدشات بھی یکلخت کافور ہو گئے۔ جہاز جیسے جیسے بلند ہوتا گیا ممبئی کی فلک بوس عالیشان عمارتیں

Scanned by CamScanner

اور جگمگاتی روشنیاں چونٹیوں اور جگنوؤں کی طرح نظر آئیں اور چند ساعتوں کے بعد وہ سارا کچھ بھی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔سمندر پر سے پرواز کرتے ہوئے یک بارگی احساس ہوا کہ اگر خدانخواستہ جہاز سمندر میں جا گرا تو اپنی شہرت و ناموری پر اکڑنے والا یہ محبوب راہی گوشت اور ہڈیوں کے نہ جانے کتنے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر کن کن مچھلیوں کی خوراک بن جائے گا کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔

بقول غالب "نہ کوئی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا" کی مصداق خوبصورت ائیر ہوسٹس نے اپنی خوش گفتاری سے اس کربناک احساس کو زائل کر دیا اور انواع واقسام کے خوش ذائقہ کھانے اور مشروبات سامنے رکھ دیئے، ہندوستانی وقت کے اعتبار سے ۳۰۔۲ بجے اور گلف کے اعتبار سے ۱۲ بجے جہاز نے بحرین ائیر پورٹ پر لینڈنگ کی، مجھے کسی نے بتایا تھا کہ جہاز شارجہ ہوتا ہوا قطر جائے گا مجھے کہیں اترنا نہیں پڑے گا۔اس لئے میں نے دونوں بیگ جن میں گرم کپڑے اور کچھ اور ضروری چیزیں بھی تھیں لگیج میں ڈال دیئے تھے۔لہٰذا بحرین میں ڈیڑھ گھنٹے ایر پورٹ پر ٹھنڈی میں ٹھٹھرتا رہا اور وہاں کے دلکش مناظر سے احساس کو گرمانے کی سعیِ ناتمام کرتا رہا، ایر پورٹ پر جاری اناؤنسمنٹ میں انگریزی اور عربی کے ساتھ ہندی میں "سبھی یاتریوں سے نویدن ہے کی" سن کر اپنی راشٹریہ بھاشا کی لوک پریتا پر گرو اور اردو کی بدبختی پر افسوس ہوا، کہ اس خانماں برباد کو اپنوں نے بھی لائق اعتنا نہیں سمجھا، خیر رات ۳۰۔۱ بجے (گلف کے اور اب وہیں کا وقت لکھوں گا) جہاز رنوے پر آن لگا اور محض ۲۵ منٹ کی پرواز کے بعد قطر ایر پورٹ پہنچ گیا، چونکہ پرواز زیادہ بلندی پر نہیں تھی اس لئے کھڑکی سے جابجا روشنیوں کی جگمگاہٹ سے راستہ بھر آنکھیں چوندھیاتی رہیں۔ میں اپنے سامان کے لئے فکرمند تھا کہ ممبئی سے بحرین اور وہاں سے قطر جہازوں کی تبدیلی سامان کی افراتفری کا سبب نہ بنے بالخصوص اس لئے کہ نہ تو دونوں بیگ مقفل ہیں اور نہ ہی ان پر کوئی پرچی لگائی گئی ہے۔لیکن خدا کا شکر کہ میرا اندیشہ باطل ثابت ہوا۔قطر ایر پورٹ پر امیگریشن کے لئے لمبی قطار کے آخر میں کھڑا تھا کہ دو خوبصورت ایر ہوسٹس نے میرے نام کا اعلان کیا اور مجھے قطار سے باہر بلا کر وی، آئی، پی ویٹنگ روم میں لے جا کر بٹھاتے ہوئے کہا کہ شاداکولوی نے ہمیں آپ کو ریسیو کرنے کے لئے متعین کیا ہے، وہیں کراچی پاکستان سے تشریف فرما لیاقت علی عاصم بھی

Scanned by CamScanner

موجود تھے۔ دونوں ایر ہوسٹس کو آپس میں مراٹھی میں گفتگو کرتے دیکھ کر میں نے بھی اُن سے مراٹھی میں ''کہاں رہتی ہو'' سوال کیا۔ دونوں کے چہرے مسرت سے کھل گئے، بتایا کو کن علاقے کی ہیں، ان کے علاوہ مہاراشٹر کی اور بھی لڑکیاں گلف ایر لائنز میں ملازم ہیں یہ بھی بتایا۔ گھنٹوں کی کاروائی منٹوں میں نمٹا کر باہر نکلے تو شادا کولوی ان کے بھانجے تنویر احمد (اکوٹ) عبید الرحمٰن اور زید الرحمٰن (مرتضی پور) اور سہیل احمد (پاتور) میرے منتظر تھے، مصافحے اور معانقے ہوئے اور شادا کی خوبصورت چمچماتی کار میں (قطر میں ساری کاریں خوبصورت اور چمچماتی ہیں) بیٹھ کر سلوا روڈ (جو سعودی عرب کی طرف جاتا ہے) پر واقع عظیم الشان دوحہ گرینڈ ہوٹل کے پانچویں منزل کے کمرہ 5B میں پہنچا دیا جس کے دروازے پر میرے ساتھ محترم کلیم عاجزؔ (پٹنہ) کے نام کی پرچی چسپاں تھی، ایر پورٹ پر صدر بزم اردو قطر امجد علی سرور اور خازن مولانا عبد الرحمٰن فرید ندوی بھی موجود تھے جو دوسری کار پہنچے۔ جدید تر اسباب آرائش سے آراستہ و پیراستہ کمرہ، آرام دہ پلنگ دن رات کی تھکن ۳۰۔۳ بجے شادا کولوی کے فون پر گھر منزل مقصود پر بعافیت پہنچ جانے کی اطلاع دی اور میزبانوں سے اجازت چاہ کر سو رہا۔ ۷ بجے بیل کی آواز پر جاگا۔ امجد علی سرور، شادا کولوی، فرید ندوی، زوار حسین زائر کے ساتھ محترم کلیم عاجزؔ تشریف لا چکے ہیں، تعارفی گفتگو کے بعد ناشتہ کے لئے مولانا فرید ندوی کی کار میں کئی ہوٹلوں پر دستک دینے کے بعد ایک ہوٹل میں ناشتہ کے لوازمات نظر آئے، ناشتہ کیا اور ہوٹل سے لوٹ کر ظہر تک پھر سو رہے، سرور صاحب نے کھانے کے لئے جگایا جو وہ اپنے گھر سے لائے تھے۔ بھوک کم کم تھی، بس کھانے کی رسم ادا کی، قدرے فراغت نصیب ہوئی تھی کہ عہدے داران و اراکین بزم اردو قطر یکے بعد دیگرے آنے شروع ہوئے۔ صدر بزم امجد علی سرور سرپرست شادا کولوی اور فرید ندوی نیز سید زوار حسین تو موجود تھے ہی سید عبد الحیٔ اور انور جمال سرپرستان، محمد ممتاز راشد (چیرمین) افتخار راغب (سیکریٹری) اور سعادت علی سعادت، (پروگرام سیکریٹری) کے علاوہ اراکین اشفاق قلق، اعجاز حیدر، منصور اعظمی، عبد العلام رویئس، اصغر نبی اور افسر اعظمی کی یکے بعد دیگرے آمد کا سلسلہ جاری رہا، مہمان معظم محترم کلیم عاجزؔ کے ضعف کے پیش نظر کھانا کسی ہوٹل سے یہیں منگوا لیا گیا۔ تین کشادہ کمروں کا یہ خصوصی بلاک ہم

Scanned by CamScanner

چاروں مہمانوں کے لئے بک کرلیا گیا تھا، ایک میں کلیم عاجز صاحب اور میں دوسرے میں لیاقت علی عاصم (کراچی) اور انجم سلیمی (فیصل آباد) اور تیسرا کمرہ بمع کچن کھانے کے لئے مختص تھا۔ کھانے سے فارغ ہوکر ہم چاروں کے علاوہ منور عالم راہی (بہار) اور سہیل ثاقب (ریاض) تمام اراکین بزم اردو قطر مختلف کاروں میں مشاعرہ گاہ کی طرف چلے۔ ہمارے حصے میں اشفاق قلق کی کارآئی، معلوم ہوا کہ قطر میں ہر شخص کے پاس کار لازماً ہے، قیاس ہے کہ مردم شاری میں جتنی تعداد وہاں بسنے والوں کی ہوگی اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی ہی کاریں وہاں ہونا یقینی ہے کہ سڑکوں پر اور گلیوں میں سوائے خوبصورت چمچماتی کاروں کے ایک سیل رواں کے شاذ ہی کوئی پیدل یا کسی اور سواری پر نظر آتا ہے۔ ہر سڑک پر دوطرفہ کم از کم چھ اور بعض پر دس دس کاریں ۱۰۰ میٹر کی رفتار سے ناک کی سیدھ میں بس بہتی چلی جاتی ہیں کسی کو سائیڈ مانگنے یا اوورٹیک کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، ہماری کار دوطرفہ دس رویہ چکنی شفاف سڑک پر بہتی ہوئی جمعیۃ قطر الخیر یہ ہال (قطر چیریٹی ہال) پہنچی جہاں بزم اردو قطر کے پچاس سالہ گولڈن جوبلی مشاعرے کا انعقاد ہونا ہے۔ ہم لوگ متعینہ وقت سے قدرے پہلے پہنچ گئے۔ ہال میں سامعین کی قلیل تعداد دیکھ کر طبیعت بجھ سی گئی، کہ یہاں بھی حالت وطن عزیز جیسی ہی ہے لیکن آہستہ آہستہ جیسے جیسے لوگ (مرد وخواتین) آتے چلے گئے اضمحلال دور ہوتا گیا حتی کہ مشاعرہ شروع ہونے تک وسیع وعریض ہال کی تقریباً پانچ سو کرسیاں پر ہوگئیں۔ شاداً کولوی نے شعرائے کرام کا تعارف کراتے ہوئے یک بعد دیگرے رنگا رنگ پھولوں سے سجے سجائے اسٹیج پر آنے کی درخواست کی۔ بزم کا تعارف اور پچاس سالہ کارگزاری صدر بزم امجد علی سرور نے پیش کی شمس الرحمٰن سعید ندوی کی تلاوت کلام پاک کے بعد بزم اردو قطر کے سرپرستوں کے ہاتھوں صدر مشاعرہ کلیم عاجز مہمان شعراء محبوب راہی، لیاقت عاصم اور انجم سلیمی کو قیمتی تحائف کے پیکٹ پیش کئے گئے۔ چیرمین بزم ایک درجن تصانیف کے مصنف، لاہور اور دوحہ قطر سے بیک وقت شائع ہونے والے ماہنامہ خیال وفن کے مدیر معروف پاکستانی شاعر محمد ممتاز راشد (ہمارے بمبئی والے ممتاز راشد نہیں) کی برجستہ شگفتہ اور عالمانہ نظامت کے ساتھ مشاعرہ شروع ہوا۔

Scanned by CamScanner

قطر میں مقیم زوار حسین زائر (سیالکوٹ) اعجاز حیدر (راولپنڈی) اصغر نبی (کراچی) محمد ممتاز راشد (لاہور) ان پاکستانی شعراء نیز شاد اکولوی (اکولہ) افتخار راغب (گوپال گنج) ندیم ماہر (گلاوٹھی) سعادت علی سعادت اور عبدالعلام رولیس (حیدرآباد) امجد علی سرور (دربھنگہ) عزیز نبیل (بھیونڈی) فرید ندوی (مدھوبنی) اشفاق قلق (سمستی پور) منصور اعظمی (اعظم گڑھ) اور جمشید انصاری (بیر گنج نیپال) کے علاوہ پدم شری جناب کلیم عاجزؔ (پٹنہ) محبوب راہی (اکولہ) لیاقت علی عاصمؔ (کراچی) انجم سلیمی (فیصل آباد) سہیل ثاقب (سعودیہ) اور منور عالم راہی (بہار) یکے بعد دیگرے تمام شعراء کو نہایت ذوق وشوق، توجہ اور انہماک کے ساتھ سنا گیا اور خوب خوب داد وستائش سے نواز کر اپنے اعلیٰ وارفع اور ستھرے ذوق شعری کا ثبوت سامعین نے پیش کیا۔ رات ۳ر بجے تک یہ عالمی مشاعرہ دوحہ قطر کے سامعین کے ذوق کی تسکین کرتا رہا۔ اور ہم اپنی کامیابی پر شاداں وفرحاں اپنی قیام گاہ قطر سے سعودی عرب جانے والی سلوا شاہراہ پر واقع عظیم الشان دوحہ گرینڈ ہوٹل پہنچے جس کے مالک مہاراشٹر کے علاقہ کوکن کے حسن عبدالکریم چوگلے ہیں۔ یک گونہ طمانیت اور شادمانی کا احساس ہوا کہ اپنے غریب ملک ہندوستان سے تلاش معاش میں غریب الوطنی کا کرب جھیل جھیل کر چند ارباب وطن معاشی اعتبار سے اس قدر خوشحال اور مالا مال ہو چکے ہیں کہ آج وہ خود بے شمار بے روزگاروں کے روزگار کا ایک وسیلہ بن گئے ہیں۔ قطر کی بڑی بڑی کمپنیوں حتیٰ کہ ذمہ دار سرکاری عہدوں پر بھی برصغیر کے بیشتر لوگ فائز ہیں جن میں ہمارے شاؔد اکولوی اور محمد سالک اکولوی کے نام سرفہرست آتے ہیں۔

یہاں میرے لئے سب سے بڑی سعادت دنیائے شعروادب کی محترم، معتبر اور مؤقر عالمی شہرت یافتہ شخصیت پدم شری کلیم عاجزؔ صاحب کے ساتھ ہمہ وقتی صحبت کا حاصل ہونا ہے، دنیوی شہرت مقبولیت اور محبوبیت تو خیر موصوف کے قدموں میں پڑی ہی ہے آپ کو قرب الٰہی کی ابدی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے نواز رکھا ہے، غالباً حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ کسی کے اخلاق وکردار کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے ساتھ سفر کرو۔ میری نظر میں جناب کلیم عاجزؔ جیسا ہمہ وقت یاد الٰہی کی ایک عالم محویت میں غرق رہنے والا کوئی عابد وزاہد عارف باللہ آج تک نہیں آیا۔ ہمہ وقت رکوع وسجود،

Scanned by CamScanner

تسبیح وتلاوت میں مشغول، ساری دنیا سے بے نیاز، کوئی آیا اس سے مختصر گفتگو کرلی اور پھر شغل یادالہٰی میں لگ گئے، کمرے سے ملحق ڈائننگ ہال کے فریج میں بریڈ، جلیبی، مکھن، بسکٹ، سیب، ٹوسٹ، اور مشروبات رکھے ہوئے تھے۔ سیر ہوکر ناشتہ کیا۔ اتنے میں محمد ممتاز راشدؔ آگئے حلوہ پوری کے لئے ہوٹل چلنے کا اصرار کیا، کھانے کی حاجت تو نہیں تھی محض تفریح کے خیال سے پاکستانی احباب کراچی کے لیاقت علی عاصمؔ جو لغت اکادمی میں مامور ہیں اور خیر سے مہاراشٹر کا علاقہ کوکن جن کا آبائی وطن رہا ہے اور فیصل آباد کے انجم سلیمی جو خیال پبلی کیشنز کے تحت مختلف الموضوعات کتابیں شائع کرتے ہیں ان حضرات کے ہمراہ دوحہ کی سڑکوں کی کشادگی، شفافیت، دونوں اطراف جدید طرز کی چماچم کرتی نہایت خوبصورت اور بلند وبالا عمارتوں سے ایک عالم حیرت زدگی میں عرب دوّار چوراہے پر شارع اسمٰعیل کے کنارے واقع ایک پاکستانی ہوٹل میں پہنچے بالکل ہندوستانی ہوٹلوں کی طرح مٹھائیاں، جلیبی، سموسے کے تھال، مختلف میزوں پر زور زور سے بات چیت کرتے ہوئے اپنے لوگوں کو دیکھ کر اپنائیت کا احساس ہوا۔ ناشتہ میں رسماً شرکت کی اور محمد ممتاز راشدؔ کی فراہم کردہ معلومات سے فیض یاب ہوتا رہا۔ سامنے واٹر سپلائی، الکٹرک سٹی بورڈ اور دوحہ کی قدیم ترین قلو پطرہ بلڈنگ، اس کے سامنے قطر کے حکمراں کی مرحومہ بہن کی ذاتی لاگت سے تعمیر کردہ عالیشان مسجد شیخ رموزہ کی دید تازگیٔ ایمان کا سبب ہوئی۔ ہوٹل لوٹے تو امجد علی سرور، افتخار راغب، فرید ندوی وغیرہ کو منتظر پایا کچھ دیر بعد شاد اکولوی بھی آگئے اور اکولہ کے عزیزی محمد سالک، میونسپل کونسلر اکولہ عبد الجبار، محمد کلیم اور عبدالوہاب برادران کے بھائی بھی آگئے، جو قطر کے وزارت داخلہ میں ایک اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ شاد اکولوی نے بتایا کہ میرا ویزا انہیں کی کوششوں سے نکل پایا ہے۔ دیر تک ان حضرات سے کچھ وطن کے کچھ قطر کے احوال وکوائف پر گفتگو چلتی رہی بیچ بیچ میں پاکستان کے حالات سے موازنہ بھی چلتا رہا، یہ سارے لوگ بچپن سے میرے نہایت مداح ہیں۔

دوپہر کا کھانا حسب معمول کسی اچھی ہوٹل سے آیا۔ شاد اکولوی نے اپنے گھر چلنے کا اصرار کیا۔ بن عمران علاقے میں واقع ایک کشادہ مکان کے ایک حصے میں شادؔ مع اہل وعیال رہتے ہیں، بیوی بچے ان دنوں اکولہ میں ہیں۔ بھانجے بھتیجے سہیل خان، تنویر احمد، محمد عتیق الرحمٰن، زید الرحمٰن،

Scanned by CamScanner

آفتاب احمد، اعجاز خان وغیرہ ان کے ساتھ ہیں اپنے اور بھی کئی عزیزوں کو قطر بلا کر انہیں اچھے روزگار سے لگانے کا بیحد اہم فریضہ انجام دیتے ہوئے حقوق العباد کی ادائیگی کے بے مثال کارنامے شاد آئے دن کرتے رہتے ہیں، بچوں نے کھانا تیار کرلیا ہے، مسلسل پر تکلف کھانوں اور ناشتوں سے ہمہ وقت سیری کا عالم ہے۔ بیحد اصرار پر چند لقمے کھالیتے ہیں۔ امجد علی سرور اور دیگر اراکین کے ہوٹل طلبی کے مسلسل پر فون آرہے ہیں۔ یہاں ندیم ماہر منتظر ہیں۔ مشاعرے میں تھے بالمشافہ گفتگو نہیں ہو پائی تھی۔ پچھلے دنوں ہندوستان میں تھے مختلف شہروں سے مسلسل فون پر رابطہ قائم تھا۔ دوران گفتگو پتہ چلا کہ موصوف یوپی کے مردم خیز شہر گلاوٹھی کے متوطن ہیں اور جانشین داغؔ علامہ ناطق گلاوٹھی کے پوتے ہیں۔ ابھی ابھی ماہنامہ قرطاس ناگپور نے ناطقؔ گلاوٹھی نمبر نکالا ہے جس میں خاکسار کا مضمون اور ناطقؔ مرحوم کی ایک پیچیدہ اور مشکل زمین میں غزل پر تضمین بھی شامل ہے، ندیم ماہر اس سے لاعلم ہیں۔ اس وقت مدیر قرطاس امین الدین امین ناگپور سے رابطہ قائم کیا گیا اور متذکرہ ناطقؔ نمبر کے چند شمارے بھیجنے کا وعدہ لیا۔

نظیر اکبر آبادی پر سیمینار کے لیے اس ہوٹل کے فرسٹ فلور پر کانفرنس ہال آراستہ ہو چکا ہے جس کی صدارت میرے حصے میں آئی ہے۔ تالیوں کی گڑگڑاہٹ میں مسند صدارت پر پہنچ رہا ہوں۔ میرے ساتھ حضرت کلیم عاجز، لیاقت علی عاصم، انجم سلیمی، اور سید عبدالحئی مہمانان خصوصی کی حیثیت سے رونق اسٹیج ہیں۔ افتخار راغبؔ کے تعارفی کلمات، مولانا عبید ندوی کی تلاوت کلام مجید اور عبدالرحمٰن فرید ندوی کی نظامت سے پروگرام کا آغاز ہو رہا ہے۔ سامنے تمام کرسیاں سامعین سے پر ہیں۔ سب سے پہلے مولانا سلیمان نے نظیرؔ کی شاہکار نظم ''روٹیاں'' نہایت دلکش اور اثر انگیز ترنم کے ساتھ پیش کی۔ زوار حسین زائر کے تعارف کے ساتھ پہلے مقالہ خواں فیصل آباد پاکستان کے انجم سلیمی کو دعوت مقالہ خوانی دی جارہی ہے مقالہ گھر بھول آئے ہیں زبانی طور پر نظیرؔ کی شاعری کا اجمالی خاکہ کامیابی کے ساتھ پیش کرنے کے بعد لیاقت عالی عاصم کا تعارف اشفاق قلقؔ پیش کررہے ہیں اور مقالہ خوانی کے لئے مدعو کئے جارہے ہیں عاصم صاحب نے نظیرؔ کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر ناقدانہ اور عالمانہ انداز میں روشنی ڈال کر سامعین سے داد وصول کی۔ قاضی عبدالمالک نے خوش

Scanned by CamScanner

الحانی کے ساتھ نظیر کی نظم ''مفلسی'' پیش کی۔اور اب زحمت دی جا رہی ہے مقبول خاص و عام شاعر میر عصر کلیم عاجزؔ صاحب کو۔آپ فی البدیہہ اور برجستہ تقریر فرما رہے ہیں جس میں نظیر پر کم کم اور میر پر خوش گفتاری اور عالمانہ انداز میں واقعاتی تسلسل کے ساتھ ۳۵؍منٹ تک تقریر فرما رہے ہیں۔سامعین پر عالم محویت طاری ہے۔میں عہدۂ صدارت پر فائز ہوں لیکن حد ادب موضوع سے ہٹنے کے باوجود روکنے ٹوکنے کی اجازت نہیں دے رہا ہے موصوف کی طویل تقریر سے قبل فرید ندوی صاحب مضمون کی شکل میں ایک تفصیلی تعارف بھی موصوف کے تعلق سے پیش کر چکے ہیں۔ شاداؔ کولوی ہیچمداں کا مختصر تعارف پیش کر کے صدارتی مقالہ پیش کرنے کے لئے دعوت دے رہے ہیں، ''نظیر زمینی صداقتوں کا ایک بے نظیر ہمہ گیر تنقید گزیدہ شاعر'' میرے مقالہ کا عنوان ہے،میرے مقالات بالعموم عنوان کی ڈور سے بندھے اس ارد گرد ہی گھومتے رہتے ہیں،خاطر خواہ پسندیدگی سے نوازا گیا ہے،جس کا اظہار نہایت گرمجوشی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔محمد ممتاز راشدؔ کے اظہار تشکر پر پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا جا رہا ہے۔باہر خوبصورت کشمیری نوجوان عبید طاہر ندوی میرے منتظر ہیں۔کل یعنی ۱۵؍نومبر رات ۹؍بجے قطر ریڈیو سے راست پروگرام پیش کرنے کے لئے دعوت دے رہے ہیں۔ظاہر ہے مجھے بصد شکریہ قبول کرنا ہے۔

سابقہ دو روز اس درجہ عدیم الفرصتی رہی کہ بغیر تاریخ لکھے ساری تفصیلات اجمالی طور پر تحریر کر دیں جو ۱۳؍اور ۱۴؍نومبر سے متعلق ہیں۔اور آج ۱۵؍نومبر ہیں۔صبح ناشتہ کے لئے امجد علی سرور اور فرید ندوی دوّار چوراہے پر واقع اسی پرسوں والی پاکستانی ہوٹل لے گئے،حلوہ پوری کا ناشتہ کیا اور چائے کے لئے پرسوں والی بنگالی ہوٹل کی طرف کار موڑ لی۔ٹریفک میں اس بری طرح پھنسے کہ بالآخر کلیم عاجزؔ صاحب نے چڑ کر ہوٹل چلنے کے لئے کہا اور ٹریفک کے اس اژدہام کو اللہ کے غضب سے تعبیر کیا جو فی الواقع صداقت پر مبنی ہے،دوحہ کی ہر سڑک پر کاروں کی اس قدر بہتات ہے کہ لگتا ہے چیونٹیاں رینگ رہی ہیں،(تیز رفتاری کا لطف دور دراز علاقوں میں آتا ہے) اکثر پیدل چلنے والے کاروں سے آگے نکل جاتے ہیں۔محمد ممتاز راشدؔ نے اس سلسلے میں ایک دلچسپ لطیفہ سنایا۔وہ یوں کہ کار پر سوار ایک دوست نے اپنے پیدل چلنے والے دوست سے کہا'' کہاں

جارہے ہو؟ آؤمیں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں'' دوست نے جواب دیا نہیں یار! مجھے ذرا جلدی پہنچنا ہے۔'' کچھ دیر بعد ممتاز راشدؔ اکولوی اور زوار حسین زائرؔ بھی ہوٹل پہنچ گئے۔ ادبی موضوعات پر گفتگو چلی''شاعری ذریعہ شہرت یا اپنے لئے'' یہ موضوع بہت طول پکڑگیا، زوار حسین نے کہا'' میں شاعری محض اپنے لئے کرتا ہوں'' میں نے عرض کیا''اسٹیج پر سنا کر داد کے طالب کیوں ہوتے ہیں آپ'' شاد اکولوی نے باہر چلنے کا اشارہ کیا،ان کے اوران کے کاروباری شریک سیف اللہ صاحب کے ساتھ بینک سے کچھ رقم نکال کر شادؔ نے اکولہ اپنے بیٹے طارقؔ کے نام بھیجی اور ایک چھوٹی سی ہوٹل میں بے حد لذیذ کھانا کھایا، وہیں سے محترم مظفر حنفی صاحب سے فون پر گفتگو کی جو دبئی میں مقیم اپنے سب سے چھوٹے بیٹے عرفان مظفر عرف عرفی کے پاس چند دنوں سے قیام پذیر ہیں،موصوف نے دبئی آجانے کے لئے کہا۔وقت اور موڈ نہیں ہے کہہ کر معذرت چاہ لی اور ہوٹل لوٹ آئے۔عصراورظہر (قضا) بیک وقت ادا کی اور سو رہا۔ امجد علی سرور نے مغرب کے لئے جگایا کمرے ہی میں باجماعت ادا کی شب ۹ر بجے سر پرست بزم سید عبدالحئی صاحب کی صدارت میں اردو خیمہ میں ایک مخصوص شعری نشست کا انعقاد عمل میں آیا۔جس میں کلیم عاجزؔ،محبوب راہیؔ،لیاقت عاصم، انجم سلیمی، امجد علی سرور، محمد ممتاز راشدؔ، شاد اکولوی،اعجاز حیدر،فرید ندوی، اشفاق قلق، زوار حسین زائر،اور منصور اعظمی نے اپنا منتخب کلام پیش کیا،رات دیر گئے کھانا حیدرآباد دربار(مطعم دی گارڈن) میں مکمل حیدرآبادی ثقافت اور روایت کا اہتمام کرتے ہوئے تناول فرمایای اور ہوٹل لو ٹ آئے۔

۱۵ر نومبر۔آج ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر شاد اکولوی کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر منتقل ہونا ہے لہذا صبح ہی سے سامان سمیٹنے کی تیاریاں چل رہی ہیں، ناشتہ کیا،ساتھ والے کمرے میں پاکستانی احباب لیاقت علی عاصمؔ اور انجم سلیمی، سے الوداعی ملاقات کی۔انجم نے اپنا آزاد نظموں کا مختصر لیکن خوبصورت مجموعہ''ایک قدیم خیال کی نگرانی میں'' تحفتہً پیش کیا،اتنے میں شادؔ اکولوی کے بھیجے ہوئے تنویر احمد اور منصور علی صدیقی کار لے کر مجھے لینے کے لئے آگئے،کلیم عاجزؔ صاحب سے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ اجازت طلب کی اور شادؔ کے گھر منتقل ہوگیا۔شاد نے ہوٹل شیزان میں پاکستانی

Scanned by CamScanner

شعراء کے اعزاز میں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی، دوحہ کے چند خوبصورت اور مہنگے ہوٹلوں میں شمار ہونے والے اس ہوٹل کے لان میں فروغ اردو ادب اور دیگر انجمنوں کے عالمی مشاعرے اور سیمینار منعقد کیے جاتے رہے ہیں۔ متعلقہ مہمان قلمکاروں کا قیام بھی اسی ہوٹل میں رہتا ہے۔ ہوٹل کے خلیق منیجر سے مجلس فروغ اردو ادب دوحہ قطر عالمی ایوارڈ کے چند ضخیم مجلّے حاصل کیے۔ جن کی سرسری ورق گردانی پر اپنے ملک کے اخبارات ورسائل میں اس ایوارڈ سے متعلق تذکروں کی تفصیلات ذہن میں تازہ ہوگئیں، اردو کے اس سب سے بڑے عالمی ایوارڈ کے حصول کے لئے کیا کیا جوڑ توڑ، کیسی کیسی سازشیں رچی نہیں جاتی ہونگی اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ۱۹۹۶ء سے سال بہ سال ایک ہندوستانی اور ایک پاکستانی قلمکار کو دیئے جانے والے ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کے عالمی ایوارڈ کمیٹی کے ہندوستانی چیرمین گوپی چند نارنگ اور پاکستانی مشتاق احمد یوسفی مستقلاً رہے ہیں۔ جیوری کے ممبران ہرسال تبدیل کئے جاتے ہیں۔ مجھے دستیاب ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۹ء کے ضخیم مجلّات، فرتاش سید کے مجلس فروغ اردو ادب (دوحہ۔قطر) کی ادبی خدمات پر ملتان یونیورسٹی پاکستان سے پی۔ایچ۔ڈی کے لئے تحریر کردہ مقالے (کتابی شکل میں) کئی انجمنوں کے بانی اور فعال رکن جلیل نظامی (حیدر آبادی) شادؔ اکولوی، محمد ممتاز راشد، امجد علی سرور، حسن چوگلے وغیرہ حضرات سے مختلف مواقع پر کی گئی گفتگو نیز بعد میں مہیا بزم اردو قطر انڈو قطر اردو مرکز، انجمن محبان اردو، انجمن شعرائے ہند دوحہ اور حلقہ ادب اسلامی دوحہ قطر ک چند مجلّات کی روشنی میں جو حقائق سامنے آئے وہ کچھ اس طرح ہیں۔

قطر کی سب سے قدیمی بزم، بزم اردو قطر ہے جس کے پچاس سالہ گولڈن جوبلی مشاعرے اور سیمینار میں شرکت کی سعادت مجھے حاصل ہے۔ لیکن یہ بزم ڈاکٹر عبدالقوی کی تحریک پر ۱۹۷۹ء میں باقاعدہ ریکارڈ پر آئی جس کے تحت میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ، امیر خسروؔ، میر انیسؔ، وغیرہ شخصیات کے علاوہ افسانہ وغیرہ موضوعات پر سیمینار بھی منعقد کیے گئے۔ حالیہ نظیرؔ اکبر آبادی سیمینار اس سلسلے کی تازہ ترین کڑی ہے، اُدھر دبئی میں سلیم جعفری کے مشاعرے عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں، ملک مصیب الرحمٰن نے ان کی پیروی میں ۱۹۹۰ء میں جلیل نظامی، باسط ہاشمی، اور خالد داد وغیرہ

Scanned by CamScanner

کی معاونت سے مجلس فروغ اردو ادب قائم کی جس کے زیر اہتمام ۱۹۹۲ء میں پہلے عالمی مشاعرے کا انعقاد عمل میں آیا۔ ۱۹۹۶ء سے عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ سال بہ سال ایک ایک ہندوستانی اور پاکستانی شاعر، ادیب، نقاد، محقق، کو تفویض کیے جانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پاکستان سے ۱۹۹۶ء میں احمد ندیم قاسمی سے لے کر حالیہ ۲۰۰۹ء میں ڈاکٹر جمیل جالبی یہ ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ جب کہ ہندوستان سے ۱۹۹۶ء میں آل احمد سرور کے بعد سال بہ سال بالترتیب قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، کالی داس گپتا رضا، جوگیندر پال، سریندر پرکاش، گوپی چند نارنگ، صلاح الدین پرویز، نثار احمد فاروقی، قاضی عبدالستار، مغنی تبسم، وارث علوی، اور سیدہ جعفر اس ایوارڈ کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں، تقسیم ایوارڈ تقریب کے تحت ایک عالمی مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا ہے، جس میں ہندو پاک کے سنجیدہ ادبی شعراء کے علاوہ مشاعروں کے وسیلے سے شہرت یافتہ عوامی مقبولیت کے حامل شعراء بھی مدعو کیے جاتے ہیں، دستیاب مجلات کی رو سے ۱۹۹۲ء کے متذکرہ عالمی مشاعرے میں شمس الرحمٰن فاروقی، رضا علی عابدی، اختر الایمان، مجروح سلطان پوری، تابش دہلوی، کلیم عاجز، پروفیسر مسعود حسین، حمایت علی شاعر، ملک زادہ منظور احمد، افتخار امام صدیقی، اور پروین شاکر وغیرہ شریک مشاعرہ تھے، جب کہ حلقۂ ادب اسلامی قطر کے زیر اہتمام ۱۹۹۵ء میں منعقدہ سمینار فکر اقبال و مشاعرہ میں ڈاکٹر عبدالباری (شبنم سبحانی) عزیز بگھروی، ڈاکٹر عبد الغنی، قمر اسحٰق، اعجاز رحمانی، مائل خیر آبادی، رحمٰن خاور، اور عثمان غنی عادل وغیرہ کی شرکت رہی تھی، اسی طرح انجمن شعرائے اردو ہند قطر نے ۲۰۰۰ء میں جشن جمہوریہ ہند کے سلسلے میں ایک مزاحیہ مشاعرہ منعقد کیا۔ جس میں ہندوستان کے بارہ ۱۲ رنمائندہ طنز و مزاح نگار شعراء نے شرکت کی تھی۔ جن میں ساغر خیامی، ہلال سیوہاروی، عادل لکھنوی، مختار یوسفی، پاپولر میرٹھی، رؤف رحیم، سنیل کمار تنگ، فرید انجم، خوامخواہ، باز غ بہاری، طالب خوندمیری، ی اور حمایت اللہ شامل تھے۔ اس بزم نے جو بعد میں انجمن محبان اردو ہند میں ضم کردی گئی جشن جمہوریہ کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے گزشتہ برس ۲۰۰۸ء میں ایک کل ہند مشاعرے کا انعقاد کیا جس میں راحت اندوری، شہپر رسول، شاعر جمالی، نواز دیوبندی، طاہر فراز، اور سکندر حیات گڑبڑ مدعو کیے گئے۔ اس محض اجمالی تذکرے کو دوحہ قطر کی کل

Scanned by CamScanner

شعری و ادبی صورت حال پر محمول نہ کیا جائے کہ اس بحر بیکراں کے لئے تو سفینہ درکار ہے۔

بات چل رہی تھی ۱۵ رنومبر کی دو پہر کی۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام نہیں کر پایا تھا کہ برادرم جلیل نظامی سعادت علی سعادت کے ساتھ نیز صلاح الدین فیاض ندوی، اور سیف الدین صاحبان بھی تشریف لے آئے۔ جلیل نظامی نے کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ اُدھر ریڈیو اسٹیشن سے عبید طاہر ندوی کے فون پر فون آرہے ہیں کہ پونے نو بجے سے قبل پہنچ جائیں کہ انہیں ۹ ر بجے ALive (جاری) پروگرام میں میری طنزیہ مزاحیہ تخلیقات پیش کرنی ہیں۔ جلیل نظامی۔ محسن حبیب محسن۔ سعادت علی سعادت، شاداکولوی اور خاکسار نے مختصر مختصر اشعار سنا کر اسے ایک شعری نشست کی صورت دے دی ہے۔ کسی طرح چھٹکارا حاصل کر کے بھاگم بھاگ ریڈیو اسٹیشن پہنچے، گیٹ پر پاسپورٹ طلب کیا گیا جو میں ساتھ نہیں لا پایا تھا، وہیں سے اندر عبید طاہر ندوی کو فون پر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پہلے تو موصوف نے پاسپورٹ کے بغیر داخلہ ناممکن بتایا۔ گھر جا کر لانے کی مہلت نہیں تھی کہ شیڈول کے مطابق پروگرام کو محض دس منٹ باقی رہے تھے۔ اتنے میں عبید خود گیٹ پر پہنچ گئے اور متعینہ سیکوریٹی آفیسر سے ''میرے دوست ہیں آنے دو'' کہہ کر ہمارے لئے راستہ کھول دیا۔ عبید طاہر کے وسیع تر اثر رسوخ کا اندازہ ہوا۔ قطر ریڈیو اسٹیشن کی طول طویل اور عظیم الشان عمارت میں داخل ہو کر دیر تک چلنے کے بعد اردو پروگرام اکزیکیٹیو پاکستان نژاد سیف الرحمٰن صاحب کے پاس پہنچے۔ موصوف نے اپنے بچپن میں زیر مطالعہ رسائل نور وغیرہ کے معیارات کا آج کے رسالوں سے موازنہ کرتے ہوئے آپ بھی شرمسار ہوئے مجھ کو بھی شرمسار کیا۔ عبید طاہر کے بلاوے پر ریکارڈنگ روم پہنچے۔ موصوف نے میرے مزاحیہ مجموعۂ کلام ''اناپ شناپ'' سے خود بھی چند منتخب نظمیں پیش کیں اور مجھے بھی اپنی آواز میں پیش کرنے کے لئے میرے تفصیلی تعارف کے بعد مائیک میرے حوالے کیا۔ پروگرام بے حد کامیاب رہا۔ خوب خوب داد و ستائش وصول کر کے گھر آ کر سو رہے۔

۱۶ رنومبر شاداکولوی کے صبح ۶ ر بجے ڈیوٹی چلے جانے کے بعد بوریت دور کرنے کے لئے موصولہ مجلّات کی ورق گردانی کی۔ وارث علوی کے بارے میں مشمولہ مضامین نے خوب ساتھ

دیا۔ایک بجے خلیل نظامی، سیف الرحمٰن اور شبیر احمد عمری تشریف لائے۔کچھ دیر بعد شاؔد بھی ڈیوٹی سے لوٹ آئے اور محفل طعام جم گئی،فراغت کے بعد قطر میں اردو شعروادب کی ماضی اور حال کی سرگرمیوں پر مختلف انجمنوں کی کارگزاریوں کی روشنی میں گفتگو کے جو سلسلے چلے تو شام تک چلتے رہے۔جلیل نظامی نے حالات پر پڑے دبیز پردے اٹھا کر کئی حقائق کا انکشاف کیا۔جنہیں خاکسار نے ایک امانت کی طرح اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔شام میں ایجپٹ ٹریول ایجنسی کے جنرل مینجر سردار خاں صاحب سے ملاقات کی۔قریب ہی دوحہ شہر کا ایک مرکزی مقام نیشنل ہے جس کا موجودہ نام پاناسونک Pana Sonic ہے۔لیکن آج بھی نیشنل نام ہی سے معروف ہے یہاں بالخصوص ہندوستانی، پاکستانی،اور بنگلہ دیشیوں کا ہجوم رہتا ہے۔شہر بھر کی ہر چیز یہاں دستیاب ہے۔بڑا پررونق مقام ہے۔اس کا عقبی حصے میں ایک بنگالی ہوٹل میں کباب اور موڑی (ایک بنگالی ڈش جو کلکتہ میں کھا چکا ہوں) کا ناشتہ کیا۔سعادت علی سعادت اور جلیل نظامی ساتھ ہیں،مجیب حید رآبادی کے اسٹوڈیو گئے جہاں سے پروگرام کی سی۔ڈیاں حاصل کرنی ہیں۔مجیب نے میوزک کے ساتھ رفیع،مکیش کمار،اور مناڈے کے چند معروف فلمی گیت نہایت دلکش آواز میں ہو بہو اسی انداز میں سنائے کہ آنکھیں بند کر کے سینے تو فیصلہ کرنا محال ہو کہ انہیں گلوکاروں کی اصلی آواز ہے یا کسی اور نے نقل کی ہے۔یہ مجیب حیدرآباد کے دو معروف مرحوم شعراء خیرات ندیم اور شمس الدین تاباںؔ کے بالترتیب نواسے اور پوتے نیز مشہور سنجیدہ اور مزاحیہ شاعر رؤف رحیم (رؤف رحیم گذشتہ دنوں مرحوم ومغفور ہو چکے ہیں) کے حقیقی بھتیجے ہیں۔رات ۱۱ ربجے تک مجیب ہمیں روحانی طور پر سیریاب کرتے رہے اتنے میں سی ڈیز آگئیں۔وہ لے مجیب۔شاؔد۔جلیل،سعادت،مرزا صاحب اور خاکسار پر مشتمل چھ افراد کا یہ قافلہ دو کاروں میں سوار ہو کر مطعم شباب پہنچا تو تازہ گوشت کے کوئلے کی بھٹیوں پر سینکے گئے خستہ اور لذیز کبابوں کے لیے دوحہ بھر میں مشہور ہے۔ڈھیروں کباب چٹ کر جانے پر اندازہ ہوا کہ مطعم شباب کی یہ شہرت بے بنیاد نہیں ہے۔رات ۱۲ ربجے گھر لوٹے اس وقت سی،ڈی کے لئے لیاقت علی عاصم زوار حسین زائر کے ساتھ آگئے،سی ڈی لی اور ہماری تھکن کا احساس کر کے فوراً لوٹ گئے۔

۱۷ نومبر صبح شاؔد اکولوی کے لوٹنے تک پھر وہی تنہائی کی بوریت حالانکہ اس دوران تنویر، سہیل، اور عبید چائے، ناشتہ وغیرہ خدمتوں میں کوئی کمی نہیں رہنے دیتے۔اس دوران گھر فون کر کے بیوی سے حالات بھی دریافت کر لیتا ہوں۔میں بالخصوص اپنے نسبتی برادر دوست ماسٹر شیخ موسیٰ کی بیوی خورشید کے لئے فکر مند تھا کیونکہ اُسے بیحد نازک حالت میں سب کے تسلی دینے پر چھوڑ آیا تھا۔گزشتہ دو تین برسوں سے گردے کی بیماری میں گھل رہی خورشید کی حالت تشویشناک حد تک نازک تھی۔فون پر جب بھی پوچھتا بیوی کا جواب ہوتا ''بالکل اچھی ہیں'' آج جب میں نے کہا کہ ''تم کچھ نہ کچھ چھپا رہی ہو'' بیوی ٹوٹ گئی جواب دیا اب دو تین روز بعد آ ہی رہے ہو خود دیکھ لینا۔میں نے فون پر ہی مغفرت کی دعا پڑھ کر اسے تسلی دی۔میرے گھر کے لوگ میری حساسیت سے واقف ہیں،اس لئے اکثر ایسی ویسی باتیں مجھ پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔اب انہیں کون سمجھائے، کہ میں حقیقت پسند بھی ہوں اور مقدرات کی نیرنگیوں سے واقف بھی۔شاؔد کے لوٹنے تک جلیل صاحب کے فراہم کردہ روزنامے اردو ٹائمز، انقلاب، منصف، سیاست، اور اردو نیوز (جدہ) کو چاٹتا رہا، ظہر اور عصر قریبی لکڑی کے فریم والی چھوٹی سی مسجد میں ادا کی۔معلوم ہوا کہ یہاں لکڑی کے فریم والے گھر بھی ہوتے ہیں۔جنہیں خیموں کی طرح جنگلوں میں نصب کر کے وہاں جاری کام کرنے والوں کی رہائش کے کام آتے ہیں۔اتنے میں محمد ممتاز راشؔد اور ندیم ماہر بھی آ گئے ان دونوں کے ساتھ شاؔد اکولوی اور خاکسار چاروں نے مختصر ملاقات کو شعری نشست کی صورت دے دی۔مغرب کے بعد ندیم ماہؔر کی دعوت پر ان کے گھر واقع ال سد پہنچے، خوش ذائقہ مشروب سے فرحت حاصل کی۔قریب ہی جامع مسجد السد میں عشاء ادا کی اور محترم حسن ابراہیم چوگلے سے ملاقات کی غرض سے ہوٹل دوحہ گرینڈ پہنچے۔موصوف نے نہایت خلوص کے ساتھ اپنے آفس میں آنے کی درخواست کی۔بیحد تپاک کے ساتھ ہمارا خیر مقدم ہوا۔تعارفی سلسلہ چلا تو کوکن کے علی شمسی، ڈاکٹر عبدالکریم نائک، محمد شفیع موڈک، محمد شفیع پورکر (کوکن کی آواز) وغیرہ کوکنی حضرات سے دونوں کے مشترکہ تعلقات نکل آئے، حسن چوگلے صاحب نے علاقہ کوکن کے علاوہ دوحہ قطر میں بھی کئی تعلیمی ادارے جاری کر رکھے ہیں۔نونہالان ملت کی تعلیمی ترقی کے لئے موصوف ہمہ

Scanned by CamScanner

وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ چوگلے صاحب انجمن شعرائے اردو ہند قطر کے صدر نشین، انجمن محبان اردو قطر کے سرپرست اعلیٰ اور دیگر کئی انجمنوں میں کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں، اور ان انجمنوں کی رگوں میں دوڑنے والے خون کو گرم رکھنے کے لئے ہر ممکن معاونت کرتے رہتے ہیں۔ چائے نوشی کے بعد چلتے ہوئے چوگلے صاحب نے ایک پیکٹ بطور تحفہ عنایت فرمایا۔ وہاں سے روانہ ہوکر سید ھے اردو خیمہ پہنچے جہاں اکرام الدین، قیام الدین مدنی، بہاؤ الدین ندوی موجود ہیں کچھ دیر بعد جلیل نظامی چند کتابیں افتخار راغبؔ، چند تحائف، اور عبدالحئی صاحب اپنی دلچسپ عالمانہ گفتگو کے ساتھ پہنچ گئے۔ عبدالحئی صاحب سے ایک مفصل انٹرویو میں جس کا خلاصہ یہ کہ موصوف کے دادا مولانا سید محمد یوسف دہلی، دیوبند اور رامپور میں دوران تعلیم قاضی شہر رامپور کے داماد ہوئے۔ ان کی اہلیہ یعنی عبدالحئی صاحب کی دادی محمد علی جوہرؔ کی والدہ عنایت ایزدی (بی اماں) کی بھتیجی تھی، دونوں جانب سے نجیب الطرفین عبدالحئی صاحب تلاش معاش میں قطر آئے اور آج بفضل ربی ایک اسٹیل فیبریکشن کے مالک ہیں۔ انڈو قطر اردو مرکز کے نائب صدر اور بزم اردو قطر کے سرپرست ہیں۔ جلیل نظامی قطر کی تمام انجمنوں سے بوجوہ خفا ہیں اپنی خفگی کی وجوہات جب بالتفصیل بیان کرنی شروع کیں تو یہ سلسلہ اس قدر طویل ہوا کہ محفل کی برخاستگی تک چلتا رہا۔ آج صدر بزم اردو محترم امجد علی سرور مع اہلیہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔

۱۸ر نومبر صبح ۱۰ر بجے تنویر احمد اور سہیل الشاہین شاپنگ سینٹر لے گئے وہاں سے کچھ سامان خریدا اس کے بعد منصور حیدر آبادی کے ساتھ اللولو کئی منزلہ لق ودق اسٹور گئے جہاں زندگی کی ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے۔ ایک خوبصورت ڈنر سیٹ خریدا اور گھر لوٹے۔ شادؔ، اکرام الدین کے ساتھ ڈیوٹی سے آئے ان کے مشورے پر بشیر بھائی لاہوری کی ہوٹل جانے کی ٹھہری جو ہمہ اقسام کے کھانے بنانے میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں۔ بریانی قیمہ حلیم، آلو پراٹھے، انڈا کری، گاجر کا حلوہ ہر چیز ذائقہ میں اپنی مثال آپ۔ خوب سیری حاصل کی۔ گھر لوٹنے پر کائنات فاؤنڈیشن کے فاؤنڈر چیرمین عطا احمد کاکوی اور ان کے معاون کو اپنا منتظر پایا۔ ان حضرات نے قطر میں جدید سائنس اور ٹکنالوجی پر مبنی کائنات فاؤنڈیشن کے تحت نونہالان ملت کو جدید دنیا کے شانہ بہ شانہ چلنے

کے لئے آراستگی کے امکان بھر اسباب فراہم کر رکھے ہیں۔ جہاں چھ ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں۔ بہار کے متوطن ان حضرات نے اپنے وطن کے پسماندہ دیہاتوں سے بھی جہالت اور ناخواندگی کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی پر خلوص سرگرمیاں جاری کر رکھی ہیں۔ ان حضرات کے اٹھتے ہی شفیق الہ آبادی آ گئے، پھر سالک اکولوی جمعہ شام کی دعوت دینے کے لئے آن پہنچے۔ میں آیا یا اس روز سے محمد رفیق ندوی شاؔد اکولوی کی اس رہائش گاہ پر آنے جانے والوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہمہ وقت جاری وساری رہتا ہے۔ جو سے شاؔد کے قطر میں ہر طبقہ میں وسیع تر تعلقات اور ہر جگہ اعتبار واعتماد کی روشن دلیل ہے۔

شفیق الہ آبادی جاتے ہیں تو صلاح الدین میر اروڈ ممبئی اپنی اہلیہ شیرین شیخ ساکی ناکہ اندھیری ممبئی کے ساتھ آ گئے۔ اعجاز منگرولوی اور خاکسار چاروں کے ساتھ چار پانچ ذمہ داریوں کا بوجھ ذہن پر لادے شاؔد کار لیے نکلے۔ ایمبسیڈ رٹریول آفس کے پاس اعجاز کو ڈراپ کیا۔ مابقیہ کے ساتھ آفس میں داخل ہوئے۔ سردار خاں صاحب سے گفتگو کے بعد اندازہ ہوا کہ شیرین شیخ جو سائنس سے گریجویٹ ہے. M.R کا تجربہ رکھتی ہے۔ سردار خاں صاحب سے اپنے وسیع تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے کہیں بطور سیکریٹری ملازمت دلوانے کے تعلق سے شاؔد سفارش کر رہے ہیں، خانصاحب امید افزا وعدہ کر رہے ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو ایک جگہ چھوڑ کر ہم لوگ ابراہیم خاں کماؔل حیدر آبادی کے دولت کدہ واقع جیدہ ٹاور شارع عبدالعزیز بن ثانی پہنچے۔ موصوف بالائی منزل کے ایک کشادہ ہال میں سفید چاندنی کے فرش پر ہمارے منتظر ہیں، گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ انجمن محبان اردو قطر (جس کے موصوف بانی اور اساسی رکن ہیں) کی کارگزاریوں پر مبنی کئی البم اور سوئنیر بتا رہے ہیں۔ ایک سوئنیر پر ہمارے پروفیسر مظفر حنفی جلوہ افروز ہیں جو ۲۰۰۷ء کے جشن جمہوریہ ہند کے مشاعرے کی صدارت فرما چکے ہیں، سب کچھ بیک نظر دیکھنے پر کمال صاحب کے کمالات، فعالیت اور شعر وادب سے والہانہ شیفتگی کا اندازہ ہوا بالخصوص اس لئے کہ موصوف بذاتِ خود شاعر نہیں ہیں۔ کچھ دیر بعد عزیز نبیل (بھیونڈی) بھی پہنچ گئے۔ دلچسپ ادبی گفتگو کے ساتھ دستر خوان پر انواع واقسام کے حیدر آبادی کھانے لذت کام ودہن کو مہمیز

Scanned by CamScanner

کرر ہے ہیں، موصوف نے قطر میں رواں دواں شعری و ادبی انجمنوں کے تعلق سے کئی انکشافات کیے جنہیں خاکسار نے بصد احتیاط اپنے سینے میں محفوظ کرلیا، کئی خوشگوار یادیں لیے رخصت ہوئے اور سہیل پاتوری کے کفیل کے پاس پہنچے، سہیل کو میرے ساتھ بھیجنا ہے۔ گلف ایرلائنز کی ۲۱ر نومبر کی فلائٹ میں ٹکٹ بک کیا جاچکا ہے۔ کفیل سے قطر چھوڑنے کا اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے، اس مرحلے سے بھی شاد کام گزر کر شاد سرتاپا شاد لگ رہے ہیں۔ اللہ اس بندۂ خدا کو ہر دم یونہی شاد کام اور اس کی ذہنی و جسمانی توانائیوں کو تادیر یونہی مستحکم رکھے آمین۔

۱۹ر نومبر صبح شاد کی رہائش گاہ سے قریب جدّہ ہیئر کٹنگ سلون جاکر عثمان نداف بہاری سے خط بنواکر دس ریال (۱۳۰ر روپے) ادا کیے اندرون شہر بال کٹوانے کی اجرت ایک سو ریال (ایک ہزار تین سو روپے کے برابر) تک ہے، حسب معمول ار بجے شاد شفیق الہ آبادی کے ساتھ آفس سے لوٹے۔ ۵ر بجے ممتاز راشد پروگرام رپورٹ اور ''چاندنی تخیل کی'' پر تبصرہ لے کر لوٹ آئے۔ عشاء کے بعد پاکستانی شاعر شفیق اختر کے شعری مجموعے ''شب گزیدہ سحر'' کے اجراء کے تحت پاک شمع اسکول واقع الوقرا میں مشاعرہ ہونا ہے، سعادت اور ممتاز راشد کے ساتھ شام ۸ر بجے وہاں پہنچے یاد اقبال کے تحت بچوں نے دلکش انداز میں نظمیں اور تقاریر پیش کیں، ڈاکٹر منصور عباس رضوی سفیر پاکستان کی صدارت، اسکول کی ایک معلّمہ کی نظامت میں منعقدہ مشاعرے میں ممتاز راشد، شاد اکولوی افتخار راغب، زوار حسین زائر، عزیز نبیل، اعجاز حیدر وغیرہ نے کلام پیش کیا۔ مجھے اسٹیج پر آنے کے لئے کہا گیا لیکن یہ کہتے ہوئے معذرت چاہ لی کہ آج سامعین کی حیثیت سے عیش کروں گا۔ اور واقعی عیش کیا، پر تکلف کھانا ہوا اور گھر لوٹ آئے، شاد کے اصرار پر پھر باہر نکلے اور رات ۱۲ر بجے جوس اور آئسکریم وغیرہ کھاپی کر لوٹے، شاد اکولوی نے عبدالعزیز نامی ایک خوبصورت وجیہہ اور خوش پوش نوجوان سے ملوایا، جو چند برس پیشتر حیدرآباد سے تلاش معاش میں قطر آیا تھا، بے یار و مددگار، نہ کوئی ہنرمندی نہ تعلیمی سند نہ صلاحیت، شاد نے اسے عربی انگریزی کے الفاظ چھوٹے چھوٹے جملے بولنا سکھایا۔ سفارش کر کے کہیں معمولی ملازمت پر رکھوادیا، اس معمولی لڑکے نے اپنی صلاحیتوں میں اضافے کرتے کرتے ایک انگریزی کمپنی میں ملازمت

Scanned by CamScanner

حاصل کی اور ذاتی صلاحیت، مسلسل محنت اور جستجو کے نتیجے میں آج وہ ایل اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نامی امریکن شیل کمپنی میں مختار کل کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ کمپنی کا امریکن آفیسر اگلے مہینے حیدرآباد میں ہونے والی اس کی شادی میں امریکہ سے آکر شریک ہونے والا ہے جس کے لیے عبدالعزیز نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل بک کر رکھا ہے، کاش ہر مسلم نوجوان عبدالعزیز کی پیروی کر کے اپنے تیرہ روز وشب کو روشنیوں میں بدلنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔

۲۰ / نومبر جمعہ صبح سمندر کنارے واقع دور دور تک پھیلے ہوئے پارک البدع جاکر سوغاتی خوبصورت ڈیجیٹل کیمرے سے بچوں کے ساتھ کئی تصاویر کھینچیں، میرے لیے مزید چند تحائف مجوزہ علامہ شبلی لائبریری کے لئے کانچ کے فریم کی خوبصورت الماری خریدی۔ عثمان بھائی اکولوی اور سعادت علی سعادت بھی آ گئے۔ نماز جمعہ ادارۃ الدعوۃ کی عظیم الشان مسجد میں ادا کی۔ گزشتہ ہفتہ جمعہ کی نماز سی رنگ روڈ پر واقع ابوعبیدہ بن جراح مسجد میں ادا کی تھی، محترم کلیم عاجزؔ اور امجد علی سرور بھی تھے، جو بالترتیب اپنے وطن پٹنہ اور حج بیت اللہ کے لیے جا چکے ہیں، بعد نماز جمعہ شادؔ اکولوی کے اردو پروگراموں کے لیے تقریباً وقف کیے گئے ذاتی مکان کے ایک حصے الموسوم ''اردو خیمہ'' میں علامہ شبلی لائبریری کا افتتاح کرنا ہے جس کا شرف مجھے حاصل ہونے والا ہے۔ قطر میں اردو کی پہلی عوامی لائبریری ہوگی۔ شادؔ نے کوئی ۲۵، ۳۰ ارباب قلم اور صاحبان ذوق کو مدعو کر رکھا ہے۔ فرید ندوی صاحب کی تلاوت کلام پاک نیز شادؔ اکولوی کے تعارفی کلمات کے بعد خاکسار نے لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے مطالعے کی اہمیت و افادیت پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی اور مثال کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا کہ خاکسار آج جو سمندر پار قطر میں آپ جیسے علم کے آفتابوں اور ماہتابوں کو روشنی کی اہمیت اور سمندروں کے روبرو پانی کی اہمیت و افادیت بتانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ سب محض کتابوں کے مطالعے کی بدولت ہے۔ پرتکلف ضیافت کے بعد یہ بامقصد پروگرام ختم ہوا جس میں جلیل نظامی، محمد ممتاز راشد، ندیم ماہر، سعادت علی سعادت، فرید ندوی، قیام الدین مدنی، افتخار راغب، وغیرہ کی خصوصی شرکت رہی، شام میں حیدرآباد کے ایک بلڈر موسیٰ کنسٹرکشن کمپنی کے پروگرام میں شرکت کی جہاں حیدرآباد میں تعمیر کیے جانے والے ''ولا'') اٹھارہ

اٹھارہ لاکھ میں چند حیدر آبادیوں نے بک کروائے، سہیل کے لئے ٹکٹ خریدا، قطر چیریٹی ہال میں منعقدہ بھائی عمران کے دعوتی پروگرام میں شرکت کی کثیر تعداد میں مسلم فرد وخواتین کوشریک پاکر روحانی مسرت کا احساس ہوا۔ پروگرام ادھورا چھوڑ کر محمد سالک اکولوی کی دعوت پران کے گھر پہنچے جو قطر کے محکمۂ وزارت داخلہ میں اچھی پوسٹ پر ہیں، اعلیٰ درجہ کے سرکاری فلیٹ میں رہتے ہیں۔ایک اکوٹ، دوسرے اکولہ کے دو بھانجے بھی ساتھ رہتے ہیں، عثمان بھائی اور دیگر چند حضرات دعوت میں شریک ہیں، گھر کی خواتین کے ہاتھوں تیار کردہ کھانا بے حد لذیذ ہے، چلتے ہوئے سالک میرے لئے اور اپنے چند عزیزوں کے لئے تحائف کے پیکٹ دے رہے ہیں، رات یک بجے تک سامان کی پیکنگ کی، قطر میں قیام کی یہ آخری گھڑیاں ہیں۔

۲۱ر نومبر صبح ۵ر بجے فجر ادا کی اور بھاگم بھاگ قطر ایئر پورٹ پہنچے، شاد کے تجربات اور اندر تک تعلقات کی وجہ سے گھنٹوں کی کاروائیاں منٹوں میں تکمیل کو پہنچیں، اور ہم مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے بحرین کے لئے گلف ائیر لائنز کی فلائٹ میں سوار ہوئے۔عیدالاضحیٰ کا سیزن ہونے کی وجہ سے اکونومی کلاس کا ٹکٹ نہیں مل پایا تو سہیل کے لیے بزنس کلاس کا ٹکٹ خریدا گیا ہے جو میرے ٹکٹ سے بدل کر مجھے اس سرمایہ داروں والی نشست پر سفر کرنے کی سعادت عطا کی گئی ہے۔اپنی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے ۲۵ر منٹ پلک جھپکتے گزر گئے اور جہاز بحرین پہنچ گیا، بزنس کلاس والوں کے لئے ائیر پورٹ پر خصوصی مراعات حاصل ہوتی ہیں لیکن میں نے سہیل کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا اور ہم سفر کے اگلے (بحرین سے ممبئی) مرحلے کی تیاریوں میں لگ گئے۔امیگریشن کاؤنٹر پہنچے تو صاف جواب ملا کہ جس جہاز میں ہماری سیٹیں ریزرو ہیں وہ تمام پر ہو چکی ہیں اور ہمیں رات ۱۲ر بجے کے جہاز سے جانا ہوگا۔کیوں اور کیا کا جواب کون کس سے مانگے، شخصی حکومت کی ڈکٹیٹرشاہی کے تلخ تجربے سے گزرنے کا پہلا موقع ہے، ہمارے ملک میں بدعنوانیاں تو آئے دن ہوتی ہیں لیکن جمہوریت عطا کردہ طاقت کے عوامی استعمال کے مظاہرے بھی آئے دن سڑکوں اور بازاروں سے لے کر اسمبلیوں اور پارلیمنٹ تک میں نظر آتے ہیں، ایسی پیچیدہ اور لاینحل صورت حال درپیش ہوگی جس کا کوئی سان گمان نہیں تھا، صبح ۸ر تا رات ۱۲ پورے سولہ گھنٹے گزارنے ہیں، بارہ

Scanned by CamScanner

سوریال یعنی سولہ ہزار روپے پاس میں موجود ہیں لیکن غریب ملک میں رہنے والے مجھ قلاش آدمی کے لئے ۶۵/ روپے کی پانی کی بوتل اور دوسو روپے کی چائے کی پیالی کا عیش کرنا محال ہے، موبائل کے سارے رابطے ختم ہیں، ۵/ ریال دے کر بمشکل ہندوستان میں کاشف کو فون کر کے صورت حال سے مطلع کیا اور شاؔدا کولوی کو بھی آگاہ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن بحرین جیسے پرائے ملک میں وہ بھی ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکے، ہمارے ساتھ جدّہ، ریاض، مسقط، وغیرہ سے آکر ممبئی جانے والے مزید ۲۵/ بدنصیبوں کو گھنٹوں دھکے مکے کھانے کے بعد ۱۲/ بجے بورڈنگ پاس ایشیو کیے گئے دودو برسوں کے طویل انتظار کا روح فرسا عذاب جھیلنے کے بعد ایک مہینے کی چھٹی پر اپنے وطن جا کر بیوی بچوں ماں باپ اور عزیزوں کے درمیان پر کیف لمحات گزارنے کے ارمان سینوں میں دبائے ان غریب الدیاروں کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی لیکن بہر صورت دیکھنا پڑا۔

اس کرب وابتلاء کا ایک فرحت بخش پہلو یہ ہے کہ ہوائی سفر کے قاعدے کے مطابق جہاز لیٹ ہو جانے پر مسافروں کو کسی اچھے ہوٹل میں قیام وطعام کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ ہمیں ایک ائیر کنڈیشن بس کے ذریعہ بحرین کے جزیرہ نما کی دلکشیوں سے لطف اندوز کراتے ہوئے ایک فائیو اسٹار ہوٹل پارس انٹرنیشنل لے جا کر ٹھہرایا گیا۔ صبح وشام دووقت شاہانہ ضیافت کی گئی، گراؤنڈ فلور پر واقع اسٹور کیپر کی زبانی یہ جان کر کہ یہاں بھی وہ ساری خرافات جاری وساری ہیں جو مغربی ممالک کو اخلاقی تباہی کی گہری خندقوں میں ڈھکیل چکی ہیں، بے حد کوفت ہوئی، کون کون سے دکھ کو پالیے! دس بجے ائیر پورٹ لے جانے کے لئے بس نکل چکی ہے۔ شاؔد نے فون پر مسلسل رابطہ قائم کر رکھا ہے، ممبئی میں ہمیں لینے کے لئے ساجد انور اور کاشف پہنچ چکے ہیں، دو گھنٹے انتظار مزید، جہاز رن وے پر آن لگا اور ۱۲/ بجے ہم پھر آسمانی خلاؤں سے بحرین کی جگمگاہٹوں میں قوم وملت پر چھائی تیرگی کا فور ہونے کے اسباب تلاش کر رہے تھے، کچھ ساعتیں گزری نہیں تھیں کہ خوبصورت اور خوش اخلاق ائیر ہوسٹیسیں مختلف قسم کے مشروبات انواع واقسام کے کھانے مٹھائیاں پھل وغیرہ یکے بعد دیگرے لانے لگیں، معلوم ہوا کہ بزنس کلاس والوں کے لیے خصوصی طور پر اعلیٰ درجے کی خدمات فراہم کی جاتی ہیں، مجھے نہ جانے یوں کراہیت سی محسوس ہوتی ہے اس قسم کی عدم مساوات

Scanned by CamScanner

سے، روزمرہ زندگی میں بھی اسی طرح کے ناز برداری کے مناظر مجھے سخت ذہنی کوفت اور دلی اذیت میں مبتلاء رکھتے ہیں، اب میرے جلنے کڑھنے سے زمانے کا نظام تو بدلنے سے رہا، لہذا چلنے دیجئے۔

اور اللہ اللہ کر کے ۲۲ر نومبر کی صبح ۶ر بجے (ہندوستانی وقت) جہاز سہارا انٹرنیشنل ائیر پورٹ کے رن وے پر لینڈ ہوا، بزنس کلاس سامنے ہوتا ہے اس لئے میں سب سے پہلے باہر نکلنے والوں میں تھا، گیٹ پر پہنچا تو گلف ائیر لائنز کے ایک ذمہ دار کو سہیل کا نام اناؤس کرتا پایا، سہیل پیچھے تھا وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا کچھ سامان جہاز میں آنے سے رہ گیا ہے۔ پچھلے جہاز میں آئے گا، کچھ فارم بھروانے ہیں، لگیج باہر لانے والی پٹی اینچ کلکلیٹر پر پہنچے سہیل کے تین میں سے ایک ڈاک مل گیا دو باقی رہ گئے، میں نے پہلے راؤنڈ میں اپنا چھوٹا بیگ حاصل کیا آخری راؤنڈ تک میرا اہم سوٹ کیس جس میں تمام قیمتی تحائف کیمرہ، گھڑیاں، وغیرہ تھیں نہیں ملا، کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ ہماری طرح مزید ۱۵ر۔ ۱۶ر مسافروں کے سامان آنے سے رہ گئے ہیں۔ فارم پر کرنے کے لئے ایک بھیڑ لگ گئی، اُدھر ائیر پورٹ کے باہر ساجد اور کاشف دیر سے پہنچ کر بار بار فون پر صورت حال دریافت کر رہے تھے، تمام متعلقین کو موجودہ پریشان کن صورت حال سے مطلع کر کے گھنٹوں بعد بمشکل ایرپورٹ سے باہر آئے ٹیکسی کی اور ہوٹل کی تلاش میں نکل پڑے کہ شام والی فلائیٹ سے مابقیہ سامان لینے کے لئے پھر ائیر پورٹ آنا ہے، دوسری بار ممبئی سے آکولہ ٹرین ٹکٹ کینسل کروا کے دوسرے روز شام کی ٹرین سے ریزرویشن کی کاروائی کے لئے کاشف سے کہا، تلاش بسیار کے بعد ڈونگری علاقے میں واقع جعفر سلیمان اسٹوڈینس ہوسٹل میں ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کیا جسے کم وبیش ایک صدی قبل ممبئی کے ایک مخیّر تاجر جعفر سلیمان نے بیرون ممبئی سے حصول تعلیم کے مقصد سے آنے والے نونہالان ملت کے لئے تعمیر کیا تھا، کئی کمروں پر مشتمل اس طول طویل دو منزلہ عمارت کے وسط میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھ کر جے پور (راجستھان) کے مسلم مسافر خانے کی یاد تازہ ہوگئی، بالائی منزل کے کمرہ ۳۹ر میں پہنچ کر بچوں کو کھانے کے لیے ہوٹل بھیج دیا اپنے لیے وہیں دال روٹی منگوالی، کھائی اور سو رہا، آنکھ ذرا لگی نہیں تھی کہ موبائل کی گھنٹی نے جگا دیا۔

(میری چند بری عادتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ میں رات میں موبائیل کا سوئچ آف نہیں

Scanned by CamScanner

کرتا کہ نہ جانے کس بندۂ خدا کو کب مجھ سے مخاطب ہونے کی ضرورت پڑ جائے) قطر سے بھیجے گئے سامان کے لئے عثمان بھائی کا لڑکا پوچھ رہا تھا، اس کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا تو اورنگ آباد سے عظیم راہیؔ، امراؤتی سے محبّ وفا، بالاپور سے امان الحق اور احمد امام، اکولہ سے ساجد محشر اور ذاکر نعمانی، گھر سے بیگم، جاوید اور شفیق ممبئی سے عبدالاحد سازؔ اور راشٹریہ سہارا سے حبیب الہ آبادی،، پونہ سے نذیر فتح پوری اور ناگپور سے بھائی ڈاکٹر غیاث الرحمٰن کے فون تسلسل کے ساتھ شام تک آتے رہے، حبیب الہ آبادی نے دوسرے روز صبح پہنچنے کے لئے کہا جب کہ بھائی آغا صاحب نے عاجزؔ ہنگنگھاٹی کے انتقال کی المناک خبر دیتے ہوئے اسے ممبئی کے اخبارات میں چھپوانے کے لئے کہا۔ میں نے فوراً اردو ٹائمز میں فاروق انصاری، انقلاب میں شاہد لطیف اور سہارا میں حبیب الہ آبادی کو خبر شائع کرنے کے لئے فون کیے۔ شام تک ان ہنگامہ آرائیوں سے نبرد آزمائی کے بعد سو رہے اور صبح ۹ ربجے تک سوتے رہے بجے تو کچھ دیر بعد شہر میں گھومنے پھرنے کے لئے نکل گئے، میں تازہ اخبارات کی ورق گردانی کرنے لگا اتنے میں حبیب الہ آبادی اپنے ساتھ اپنے دوست اطہر اعظمی کے شعری مجموعے '' درد '' کا مسودہ لے کر پہنچ گئے، مجھ سے پیش لفظ لکھوانا ہے۔ پہلے ہی تقاضوں کا انبار سر پر ہے، میں ٹھہرا مروت کا آدمی، دو مہینے کی مہلت طلب کر کے مسودہ رکھ لیا۔ سوانحی خاکہ بھیجنے کے لئے کہا، حبیب الہ آبادی جو پچاس کلومیٹر کا سفر طے کر کے مجھ تک پہنچے تھے اسی وقت اٹھے اور چند گھنٹوں بعد مطلوبہ خاکہ بمع مٹھائی کا پیکٹ لے کر آئے۔

ممبئی کی ہماہمی کے ہنگامہ خیز تذکروں میں گزشتہ کل ایرپورٹ پر شام گزرنے والی بپتا کا دردناک واقعہ درج کرنے سے رہ ہی گیا۔ ہم لوگ ذمہ داروں کی ہدایت کے مطابق ۴ ربجے ائیر پورٹ پہنچے، دیئے گئے نمبر پر اندر اپنے پہنچنے کی اطلاع دی، طلبی پر اندر پہنچے گھومتے ہوئے اسچ کلکلیٹر کے پاس پہنچے، سہیل کا ایک بنڈل آیا۔ دوسرا آیا، دیگر لوگ بھی لپک لپک کر اپنا سامان اٹھاتے گئے۔ چکر ختم ہوا۔ میرا سوٹ کیس ذرا نیچے رکھے ہوئے سامان کو اُلٹ پلٹ کر ایک بار دو بار کئی بار دیکھا ذمہ دار افسر سے احتجاج کیا۔ ''ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے اس کے کہ پھر سے بحرین انفارم کریں۔ اطمینان رکھیں سامان آپ کے گھر پہنچ جائے گا،'' جواب دیکر افسر نے اپنا دامن جھاڑ

Scanned by CamScanner

لیا لیکن میں گھر جا کر بچوں سے کیونکر دامن چھڑا پاؤنگا، جب وہ بآواز بلند پوچھیں گے" دادا جان ہمارے لئے کیا لائے؟ اس پریشان کن سوچ میں باہر نکلا، کہ میرے پیچھے ایرپورٹ کا ایک رکن دوڑتا ہوا آیا۔" سر چلیے آپ کا سوٹ کیس مل گیا ہے،" اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ وہ ایسے آزمائشی موقعوں پر ہمیشہ میری لاج رکھ لیتا ہے۔

کل والے اس واقعہ کی یاد تازہ ہونے پر قطر کی ادبی محفلوں کی سرگرمیوں کے تعلق سے ایک اور محسن شعر وادب کی یاد آگئی جس کا تذکرہ دوران قیام قطر کئی بار رہا۔ ملاقات کی خواہش بھی رہی لیکن ہمہ وقتی مصروفیات نے مہلت نصیب نہیں ہونے دی۔ یہ ذات گرامی ہیں محمد سلیمان صاحب جن سے کچھ تو اپنی عدیم الفرصتی اور کچھ موصوف کے محض دوروز قیام کی وجہ سے ملاقات سے محرومی رہی۔ محمد سلیمان صاحب نے عبدالحئی، باسط ہاشمی، اور اپنی اہلیہ بانو سلیمان کی معاونت سے ۱۹۸۶ء میں "انڈو قطر اردو مرکز" قائم کیا جس کے تحت کئی عالمی اور انڈو قطر مشاعروں کا مشاعروں کی تاریخی روایات کے مکمل احترام واہتمام کے ساتھ انعقاد کیا جن میں ایک مشاعرہ کا ذکر پچھلی سطور میں کر چکا ہوں۔ جس میں شمس الرحمٰن فاروقی، مجروح، ملک زادہ منظور احمد، کلیم عاجز، اور پروین شاکر جیسے ثقہ فنکار شریک ہوئے تھے، علاوہ ازیں ہمدرد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام مختلف موضوعات پر مقابلہ جاتی مباحثوں کے افادیت بخش پروگراموں کے کامیاب انعقاد کا سہرا بھی سلیمان صاحب کے سر بندھتا ہے۔ اپنے دورانِ قیام ۲۶ ردسمبر کو منعقد کیے جانے والے ایسے ہی مقابلہ جاتی پروگرام کے چرچے میں نے قطر میں سنے ہیں جس کا عنوان ہے" عالمی تجارتی نظام ترقی پذیر ملکوں کے لئے بہتر ثابت ہوا ہے" سلیمان صاحب ان دنوں دہلی میں مستقلاً قیام پذیر ہیں۔

بات چل رہی تھی ممبئی میں جعفر سلیمان ہوسٹل میں گزرے آخری لمحات کی۔ حبیب الہ آبادی کے جانے کے فوراً بعد ٹیکسی کی، شام ۷ ر بجے وی، ٹی (حالیہ شری شیواجی ٹرمینیس) پہنچے۔ ممبئی امراوتی سپر فاسٹ اکسپریس تیار تھی، درمیانی برتھ مجھے سونپ کر بچوں نے سامان اوپر والی برتھ پر ٹھونسا ٹرین چلنے کے بعد شریف اور ملنسار ہم سفروں کی رضامندی سے دونوں کے درمیان سامان

Scanned by CamScanner

پھنسایا۔ صبح اکولہ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ساجد کے احباب شارق اور ارشاد کار لیے موجود تھے۔ سہیل کو مع احباب شاؔد اکولوی کے مکان پر پہنچا کر ہم لوگ بارسی ٹاکلی پہنچ گئے، پندرہ روزہ سفر سے بعافیت اور کامیاب واپسی پر بیوی لڑکے، بہوئیں اور پوتے پوتیوں کے چہرے مسرت سے دمک رہے تھے۔ محمد رفیق ندوی المعروف شاؔد اکولوی کو قطر اپنے بخیر پہنچ جانے کی اطلاع دی۔ اس سرتا پہ پیکرِ عمل مردِ خدا کے تعلق سے دانستہ کچھ نہیں لکھا کہا کہ اس کے کردار و عمل کے مکمل احاطے کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔ سردست ایک مختصر سے مضمون کے وسیلے سے جلدی ہی اس بندۂ مؤمن سے قارئین کو متعارف کراؤں گا۔ انشاء اللہ۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

چند خوشگوار روز و شب نذیرؔ کے ساتھ راجستھان کے نخلستان میں

نذیر فتح پوری (مدیر اسباق) کو امریکہ کی ایک یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند ودیعت کیے جانے پر اعظم کیمپس پونا میں ان کے اعزاز میں منور پیر بھائی کی زیر صدارت ایک جلسۂ تہنیت و مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ساحر شیوی (لندن) فراز حامدی (جے پور) علی، ایم شمسی (کوکن) شفیق موڈک (آسٹریلیا) ڈاکٹر مصطفیٰ پنجابی، ڈاکٹر شیخ عبد اللہ اور عبد الاحد ساز (ممبئی) محبوب راہیؔ (اکولہ) عابدہ انعامدار اور ممتاز پیر بھائی (پونہ) کے علاوہ نذیر کے وطن فتح پور سے شبیر فرازؔ، لیاقت علی وقارؔ اور عبد الخالق کھوکر اجنبی نے شرکت کی تھی۔ نذیر کی پذیرائی اور اعزاز و اکرام سے متاثر ہو کر ان حضرات نے اسی وقت اپنے وطن میں اپنے ہموطن نذیرؔ فتح پوری کے اعزاز میں ایک شاندار تہنیتی جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا تھا جس میں مجھے بھی شرکت کی پیشگی دعوت دیدی تھی، پچھلے دنوں اچانک شبیر فرازؔ کا فون ملا کہ وہ اس اعزازی مشاعرے کے لئے ۲۶ / اکتوبر کا تعین کر چکے ہیں۔ نذیر فتح پوری نے ۲۴ / اکتوبر پونہ ہی سے ان لوگوں کا شریک سفر ہونا مناسب جان کر ناگپور پونہ سپر فاسٹ سے ۲۳ / اکتوبر کا پونہ کے لئے ریزرویشن کروالیا۔ متعینہ روز شام میرے چھوٹے بیٹے ساجد انور خاں نے اپنے دوست ارشاد کی کار سے مجھے اکولہ اسٹیشن پہنچا دیا۔ شام ساڑھے دس بجے اپنی برتھ پر لیٹا تو دوسرے روز صبح ۹ / بجے پونہ کے نواح میں میری آنکھ کھلی۔ دس بجے نذیرؔ کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دی جو ۱۱ / بجے اپنے بیٹے عرفان کے ساتھ اور مہاجن اپنے بیٹے کے ساتھ بس اسٹینڈ پہنچ گئے۔ ۱۲ بجے کی لگژری بس سے ہم لوگ ممبئی کے لئے روانہ ہوئے، ۴ / بجے دادر اسٹیشن پہنچے۔ ٹیکسی کی جس نے قدم قدم ٹریفک کے جھمیلوں سے نبرد آزمائی کے بعد ۵ / بجے ہمیں ممبئی سنٹرل پہنچا دیا۔ ویٹنگ روم میں نذیرؔ اور مہاجن کے ناشتہ دان سے لذت طعام سے فیض یابی حاصل کی ہی تھی کہ نذیرؔ کے ہموطن فخر الدین غوری فیضؔ (مجموعہ کلام ارمغان حیات) متوطن رتن گڑھ، شیخاوٹی اور فرزند ذاکر حسین غوری کے ہمراہ مشروبات کی کئی بوتلیں لئے پہنچ گئے اور اپنی سنجیدہ علمی گفتگو کے ساتھ ہمیں ٹرین آنے تک سیراب کرتے رہے، بچی ہوئیں بوتلوں نے فتح

پور تک ہماری تشنگی کی سیرابی کی۔ ۲۴؍ ستمبر شام ۷؍ بجے ممبئی سے روانہ ہو کر ٹرین سورت، بڑودہ، گودھرا، بھڑوچ، اور مدھیہ پردیش کے رتلام، راجستھان کی بھوانی منڈی، رام گنج منڈی، کوٹہ اور سوائی مادھو پور ہوتی ہوئی ۲۵؍ ستمبر کی صبح ۸؍ بجے جے پور پہنچ گئی۔ کوٹہ جہاں سے چمبل گھاٹیاں قریب ہیں اور جو عقیل شاداب، احتشام اختر، وفا رحمانی، مقتبل کوٹوی، فاروق بخشی وغیرہ سے وطنی نسبت کی بنا پر جانا پہچانا لگتا ہے۔ نذیر صاحب نے احباب کو اطلاعی خطوط لکھے تھے لیکن بوجود کوئی اسٹیشن پر پہنچ نہیں پایا۔ ٹرین روانگی کے بعد عقیل شاداب کا تاخیر سے پہنچنے پر معذرت اور واپسی میں بہرصورت ملاقات کی یقین دہانی کا فون ملا۔ اسی طرح مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ کے بسائے سوائی مادھو پور اسٹیشن پر نذیر فتح پوری کے اولین شعر تخلیق کرنے کی یاد تازہ ہوئی جس کا ذکر موصوف نے اپنی خود نوشت ''بیتے کل کا ایک ایک پل'' میں کیا ہے۔ جے پور کے لق و دق اور چمچماتے بارونق اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر شبیر فراز کے فرزند شکیل ہمیں لینے کے لئے موجود تھے۔ ہمارا بیشتر وزنی سامان اپنے کندھوں پر لاد کر تین چار پلیٹ فارم اور ایک طویل پل پار کر کے اس تازہ دم نوجوان نے ہمیں جے پور، اودے پور پسنجر ٹرین میں سوار کرادیا جس میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہونے پر حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے شکیل نے ہم تینوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ فراہم کرادی۔ جے پور سے انکس اور کشن گڑھ ہوتی ہوئی ٹرین خراماں خراماں سیکر اسٹیشن پر پہنچنے پر پلیٹ فارم پر ہاتھوں میں خوش رنگ پھولوں کے ہار لئے ایک جم غفیر نذیر فتح پوری زندہ باد نعرے لگاتا ہوا ہمارے کمپارٹمنٹ کے سامنے اکٹھا ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر اترتے ہی نذیر کے ساتھ مجھے اور مہاجن بسمل کو بھی عقیدتمندان نذیر نے پھولوں سے لاد دیا۔ بھیڑ چیرتے ہوئے کیمرے اور مائیک لئے اخبار اور ٹی وی کے نمائندے ہم تک پہنچے۔ تصویریں لیں۔ چند سوالات کئے اور سامنے دوسرے پلیٹ فارم پر سیکر بیکانیر پسنجر میں احباب فتح پور نے جو ہمیں لینے کے لئے سیکر آئے تھے ہمیں سوار کرادیا۔ سیکر اسٹیشن پر ہونے والے اس غیر متوقع اور پر جوش استقبال کے تعلق سے اظہار و تعجب کرنے پر احباب فتح پور دستگیر ضیا، محمد صادق، صدیق رحمانی، عادل فتح پوری، اسلم خاں، (ریسرچ اسکالر) نے جوش مسرت کے ساتھ جواب دیا۔ ''سر! یہ تو ٹریلر تھا، فتح پور پہنچنے پر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔'' مجھ پر تو ویسے بھی حدود راجستھان میں داخل ہوتے ہی

ہر طرف لہلہاتی ہریالیاں شاداب کھیتیاں اور میدان نیز جا بجا سبز پوش پہاڑیاں دیکھ کر حیرتوں کے پہاڑ سے لوٹ پڑے۔ میرا تصور راجستھان سے لق و دق ریگزار کا تھا، حد نظر تک سبز زار دیکھ کر میری حیرت زدگی پر نذیر نے بتایا کہ جے پور سے آگے محض شیخاوٹی، بیکانیز، چورو، جھنجھوں، جیسلمیر، اور جودھپور اضلاع کی زمین ریگستانی ہے۔ راجستھان کا مابقیہ علاقہ تو سدا بہار نخلستانوں اور شاداب سبزہ زاروں پر مشتمل ہے۔ اور میں واقعی بھونچکا رہ گیا۔

ٹرین جیسے ہی فتح پور اسٹیشن پر پہنچی لگتا تھا سارا کا سارا شہر اسٹیشن پر اُمڈ آیا ہے۔ پلیٹ فارم پر پرشور نعروں اور گلپوشیوں کے ایک طویل سلسلے کے درمیان اسٹیشن سے باہر نکلے اور کاروں، اسکوٹروں اور رکشوں کے جلوس کے ساتھ ہم ایک سجی سنوری کار میں سوار ہوئے۔ ٹریکس پر وردی پوش بینڈ کے ساتھ جلوس شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ شہر کی شاہراہوں سے گزرنے لگا راستے میں ہر چوراہے اور ہر موڑ پر نذیر فتح پوری کے ہم وطن ہار، گلدستے لئے نذیر کے استقبال کے لئے کھڑے تھے، مجھے تو سب کچھ خواب جیسا لگ رہا تھا، سوچ رہا تھا کاش ہر شاعر کو اپنے ہموطنوں کی ایسی محبتیں نصیب ہوں۔ فتح پور بازار میں در دولت کے قریب واقع نثار چوہان کے پرشکوہ محل پر جلوس کا اختتام ہوا۔ وہاں سے چلتے ہوئے محلّہ زمینداران میں خانجی کی حویلی سے متصل محلّہ عیدگاہ اسکول کے سامنے اپنی قیام گاہ نذیر فتح پوری کے مکان پر پہنچے جہاں زینت اور شبانہ (دختران نذیر) ہماری منتظر تھیں، تھوڑی دیر میں اراکین "بزم احساس اردو ادب اور احباب نذیر شبیر فراز، لیاقت علی وقار اور عبد الخالق کھوکر اجنبی وہاں پہنچ گئے، بعد از عشاء شبیر فراز کے گھر تمام احباب کے ساتھ پر تکلف دعوت ہوئی، رات نذیر کے مکان کے کھلے آنگن میں صبح ہونے تک خواب خرگوش کے تجربے سے گزرے، علی الصبح نذیر کے سمدھی (بڑے بیٹے اقبال کے خسر) خورشید خاں ہینس (خانجی کی حویلی کے مکین) چائے کا بڑا سا تھرماس بمع ٹوسٹ کے پیکٹ تشریف لائے۔ اس کے بعد ہمارے دوران قیام فتح پور ہفتہ بھر بلا ناغہ ہماری صبح خانصاحب کی تشریف آوری پر ہی ہوتی۔ گرما گرم چائے اور خستہ ٹوسٹ کے ساتھ خانصاحب کی ہر موضوع پر پر از معلومات شگفتہ گفتگو ہماری کسلمندی دور کرنے اور دن بھر بشاش رکھنے کا موجب رہی۔ نذیر کی چھوٹی بیٹی رفعت کی ساس کا حال ہی میں انتقال

Scanned by CamScanner

ہوا تھا لہذا چائے ناشتے سے فارغ ہو کر پُر سے کے لئے اس کے گھر پہنچے، سمدھی آمین خاں پر یہار سے تعزیت کی۔ ہو بہو اپنی ماں کی ہم شکل رفعت کی گڑیا سی پیاری سی بچی ادیبہ کو دیکھ کر قلب و چشم کو ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ دوسرے روز کی دعوت قبول کر کے وہاں سے گھومتے پھرتے شبیر فراز کی دوکان بازار وردولت مسجد سے متصل بزم احساس اردو ادب کے عارضی آفس پہنچے۔ جہاں تمام احباب ہمارے منتظر تھے۔ شبیر فراز کے گھر دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر شام تک یونہی گپ شپ میں وقت گزرا۔

۲۶ر ستمبر ۹، بجے صبح طے شدہ پروگرام کے مطابق جمعیت البیوپاریان کے زیر اہتمام جاری وساری اشرفیہ پرائمری اور ہائی اسکول کا معائنہ کیا۔ صدر انتظامیہ محمد یوسف احمد کھوکر، سیکریٹری محمد صابر صاحب صدر معلم اور اسٹاف کی رہنمائی میں اسکول کی دو منزلہ کئی صاف شفاف اور رنگ وروغن سے تابناک کمروں پر مشتمل وسیع وعریض، خوبصورت اور آراستہ وپیراستہ عمارت طلباء اور اساتذہ کا نظم وضبط، تعلیم کا اعلیٰ معیار اور اراکین نیز اسٹاف کا تعلیمی معیار کے اضافے کے لئے جوش وخروش نیز آئندہ کے لئے ترقی پذیر منصوبے ان تمام کا تال میل دیکھ کر روح تروتازہ ہوگئی، اور ملت کی کشت ویراں کی اس نمی اور زرخیزی پر بے ساختہ اقبال کا شعر وردزباں ہوگیا۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اسکول کے آفس میں منعقدہ استقبالیہ جلسے میں صدر انتظامیہ محمد یوسف کھوکر صاحب کے ہاتھوں خوبصورت شالیں اڑھا کر ہمارا اعزاز کیا گیا۔ لیاقت وقار کے گھر چائے ناشتہ ہوا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت مشاعرے کے مجوزہ صدر احمد علی منصور چوروی کے خرابی صحت کی بنا پر شریک مشاعرہ نہ ہونے کی خبران کے شاگرد رشید عادل فتح پوری نے دی جو مشاعرے میں مدعو نہ کئے جانے پر خاصے برافروختہ تھے اور منتظمین کو جلی کٹی سنا رہے تھے لیکن منصور چوروی صاحب کی جانب سے باضابطہ ایسی کوئی اطلاع نہ ملنے پر عین آغاز مشاعرہ تک کسی اور صدر کا انتخاب نہیں کیا گیا، بروقت جمعیت بیوپاریان کے صدر محترم محمد یوسف کھوکر کی خدمت میں صدارت پیش کی گئی

جسے موصوف نے بخوشی منظور کرلیا۔ نذیر فتح پوری کے گھر کے عین سامنے شرقاً غرباً اور خانجی کی حویلی سے عیدگاہ اسکول تک شمالاً جنوباً وسیع وعریض میدان میں راجستھانی شان وشکوہ کے مظہر عظیم الشان پنڈال میں ایک پرشکوہ اسٹیج آراستہ کیا گیا۔ پورا پنڈال قبل از مشاعرہ باذوق سامعین سے کچھا کھچ بھر گیا، سامنے کرسیوں پر معززین شہر بالخصوص مقامی ایم ،ایل ،اے بھنورو خان، حاجی اسحاق نور خاں جوڈ، سرور خاں بھیوان، خورشید خاں بینس رونق افروز تھے، اسٹیج کے تین حصے تھے، درمیان حصے میں صدر مشاعرہ محمد یوسف کھوکر، صاحب اعزاز ڈاکٹر نذیر فتح پوری، مہمان خصوصی ڈاکٹر محبوب راہی، مہمان اعزازی ادھو مہاجن بسمل کے علاوہ مقامی مہمان ایم، ایل، اے بھنور خاں، دائیں جانب ناظم مشاعرہ تبسم رحمانی جے پوری، کنوینر مشاعرہ محمد خالق کھوکر اجنبی، صدر بزم شبیر فراز، خازن لیاقت علی وقار اور رکن عبد الرؤف نشتر، نیز بائیں جانب مدعو بیرونی اور مقامی شعراء رونق افروز تھے۔ پیر اکرام الدین صاحب کی تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا، تقریب ایوارڈ کے پہلے حصے میں صدر مشاعرہ مہمانان خصوصی اور اعزازی نیز عہدیداران بزم احساس ادب کے ہاتھوں بزم کی جانب سے ڈاکٹر نذیر فتح پوری کو امریکن یونیورسٹی سے اعزازی ڈاکریٹ تفویض کئے جانے پر ایک خوبصورت مومنٹو، شال اور اکیس ہزار روپے کا کیسۂ زر علامہ کالی داس گپتا رضا ریوارڈ کی شکل میں پیش کیا گیا۔ دوسرا بیش بہا تحفہ تاج محل کا ایک خوبصورت ماڈل عثمان دیوڑا نے نذیر کو پیش کیا، تبسم رحمانی کے تعارفی کلمات، لیاقت وقار کی روئیداد نیز ڈاکٹر محبوب راہی اور مہاجن بسمل کی نذیر کی شخصیت اور کارناموں پر تقاریر کے بعد نذیر فتح پوری نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے جب اپنی مرحومہ ماں کا ذکر کیا تو ان پر رقت طاری ہوگئی، چند لمحہ سکتے کا عالم رہا۔ تمام حاضرین کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں، دوسرے دن کے اخبارات کے مشاعرے کی باتصویر روئداد کے ساتھ نذیر کی اس رقت انگیزی پر خصوصی نوٹ لگائے، دوسرے حصے میں ڈاکٹر محبوب راہی اور ڈاکٹر نذیر فتح پوری کے ہاتھوں ادھو مہاجن بسمل کے شعری مجموعے ''حرف غزل'' کا اجراء عمل میں آیا۔ مشاعرے پر مبنی تیسرا حصہ تبسم رحمانی جے پوری کی دلچسپ اور برجستہ نظامت میں شروع ہوا۔ راجندر سورن کار (بیکانیر) اور ادھو مہاجن بسمل (پونہ) نے سرور کائنات فخر موجودات حضرت

Scanned by CamScanner

محمد ﷺ کا بارگاہ میں نذرانہ نعت پیش کیا اس کے بعد اردو کے ملک گیر شہرتوں کے حامل جن باوقار شعراء نے اپنے حسن کلام کے سحر سے ہزار ہا ہزار شائقین مشاعرہ کو تین بجے رات تک مسحور رکھا ان میں صاحب اعزاز ڈاکٹر نذیر فتح پوری، مہمان خصوصی ڈاکٹر محبوب راہی (اکولہ) ادھومہا جن بسمل (پونہ) شاہد پٹھان اودے پور، دلشاد زخمی، مظفر نگر، ملکہ نسیم، رفیق ہاشمی اور مردولا ارون جے پور، قاسم قریشی، شبیر اثر سیکر، رشید جوہر جھنجھول، ریاض انصاری بوندی کے علاوہ نثار احمد راہی، شبیر فراز، الیاس قمر، دستگیر ضیا اور جمیل نے فتح پور کی مقامی نمائندگی کا حق ادا کیا، شبیر فراز کے اظہار تشکر پر دستاویزی نوعیت کے اس مشاعرے کا اختتام عمل میں آیا۔ دوسرے دن اخبارات نے اس مشاعرے کو فتح پور کا ایک یادگار تاریخی مشاعرہ قرار دیا۔

۲۷ ستمبر علی الصبح شبیر فراز اور عبدالخالق کھوکر کی معیت میں مولانا آزاد ہائی اسکول کی دید کی سعادت سعید حاصل کی، جمعیت البیو پاران کی زیر نگرانی چلنے والے اس ادارے میں بھی صدر محمد یوسف کھوکر اور سکریٹری محمد صابر صاحبان نے تمام تفصیلات فراہم کیں۔ کم وبیش وہی فرحت بخش، دل خوش کن، امید افزا اور پرمسرت صورت حال دیکھنے کی، خوش بختی یہاں بھی نصیب ہوئی احساس تشنگی لئے بذریعہ اے سی کار جھنجھنول پہنچے جہاں پنوار ہائی اسکول میں عید دیوالی ملن کے تحت قومی یکجہتی کے فروغ کی خاطر انعقاد پذیر مشاعرے میں شرکت کے لئے ہمیں بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ عابد حسین عابد کی صدارت اور ادریس راز چوروی کی نظامت میں انجام پذیر اس مشاعرے میں ہم تینوں یعنی ڈاکٹر نذیر فتح پوری، ڈاکٹر محبوب راہی، ادھومہا جن بسمل، کے علاوہ شبیر فراز، عنبر فتح پوری، مختار نفیس، ظہیر احمد انور خورشید احمد خورشید، محمد سلیم قرار، قاسم قریشی، راز چوروی، حکیم عمر دین صبا، پیر غلام جیلانی، شری گوپال اچاریہ، ششوپال سنگھ اور ونود شاستری کے علاوہ ایک باذوق اور صاحب فہم وبصیرت سامع ظفر احمد ظفر نے خاصا متاثر کیا۔ پرتکلف طعام کے علاوہ منتظمین نے اعزازیہ لفافے بھی پیش کئے۔ اسی کار سے فتح پور واپسی ہوئی۔ شہر میں داخل ہوتے ہی بانیٔ فتح پور فتح خاں کی درگاہ پر دل گرفتگی کے ساتھ حاضری دی۔ شام دختر نذیر رفعت کے گھر لذت طعام سے سیرابی حاصل کی، دن بھر کی تھکا دینے والی سرگرمیوں کے بعد شام دستگیر ضیاء اور صدیقی رحمانی سے معذرت چاہتے

Scanned by CamScanner

Donated by Mohsin Khan

ہوئے (جو پروگرام کی تصویریں ساتھ لائے تھے) سو رہے۔

۲۸ رستمبر کو علی الصبح نذیر کے بچپن کے دوست حاجی محمد اسحٰق جوڈ جو دوران قیام فتح پور بلاناغہ صبح شام آکر زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزارتے تھے آن پہنچے۔ ان کے ہمراہ طے شدہ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے آفتاب شیخاوٹی حضرت خواجہ نجم الدین چشتیؒ کی درگاہ پر حاضری دی۔ روحانیت کے اس عظیم الشان مرکز وسیع وعریض درگاہ کے آس پاس دور دور تک مسجد، کتب خانہ، لنگر خانہ، اور بزرگان خاندان چشتیہ وارثان حضرات نجم الدینؒ کے مزارات کے سلسلے دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں، صدر دروازے کے سامنے کئی ہیکٹر آراضی بے مصرف پڑی ہوئی ہے جس پر نونہالان ملت کے لئے کئی تعلیمی اور رفاہی ادارے با آسانی شروع کیے جاسکتے ہیں۔ خواجہ نجم الدین چشتی کثیر التصانیف شاعر وادیب بھی تھے، آپ کی تصانیف کی تعداد ۵۲ ہے حسن اتفاق سے آپ کی حیات مبارکہ بھی ۵۲ سال ہی رہی۔ آپ کی تصانیف میں مناقب الحبیب (سوانح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) فارسی میں ہے جس کا اردو ترجمہ آپ کے فرزند مولانا محمد رمضان فاروقی نے ۱۳۳۲ھ میں کیا تھا علاوہ ازیں دیوان نجم یہ دونوں کتابیں آپ کے خانوادے کے پیر عارف نجمی مجھے عنایت فرما چکے ہیں۔ افسوس کہ آفتاب شیخاوٹی کی روشنی ان کی تصانیف کے علاوہ ان کی بے شمار کمیاب اور نایاب کتابوں کا ذخیرہ ان کے ورثا کسی کو دیکھنے تک نہیں دیتے۔ ایک کمرہ میں مقفل اس خزینہ بے بہا کو نہ جانے کب دیمک چاٹ جائے، درگاہ کے احاطے کے سامنے وسیع میدان کے کنارے ایک بڑی سی باوڑی ہے جس پر چھوٹے چھوٹے چار مینار بنے ہوئے ہیں جو بادی النظر میں کسی مزار جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ استفسار پر نذیر نے بتایا کہ شہر میں بھی اسی قسم کی باؤلیوں کا دیرینہ چلن رہا ہے۔ اسی باؤلی سے ملحق خانوادۂ آفتاب شیخاوٹی کے پیر عارف صاحب کی رہائش گاہ ہے جہاں پہنچ کر ہم کتابوں کے ذخیرے اور موصوف کی علمی گفتگو سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ دوسرے طرف نذیر کی ننھیال ہے جہاں ان کا بچپن گزرا، پیر صاحب کے دولت کدے سے نکلے تو حاجی اسحٰق جوڈ باصرار اپنے دولت کدے پر لے گئے، ہم نے بے تکلفانہ ان سے قہوہ کی فرمائش کی۔ اپنے چار منزلہ مکان کی بلائی چھت سے اسحٰق صاحب نے شہر کی ۵۲ مساجد میں سے ۳۲

Scanned by CamScanner

کے فلک بوس مینار اور شہر کی تاریخی حویلیاں دکھائیں۔ وہاں سے دختر نذیر شبانہ کے گھر پہنچے جو ایک خاندانی حویلی میں رہتی ہے۔ دو دادوؤں کی اولادوں کے آٹھ خاندان ۲۵ کمروں پر محیط اس وسیع وعریض حویلی میں آج بھی یکجا رہتے ہیں۔ جن کا بیرونی دروازہ ایک ہی ہے، درمیان میں کوئی دیوار ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتی، ایک عجیب تاثر لئے وہاں سے نکل کر خانجی کی حویلی کا محل وقوع دیکھا۔ اس دوران شبیر فراز کے لگاتار فون موصول ہو رہے تھے۔ موصوف کی دوکان پر خاندانی بساطی (عطر فروش) عبد اللطیف اور عبد الرحمٰن دونوں بھائیوں سے عطر بیز ملاقات کے بعد دوپہر کا کھانا فرزند نذیر فرحان کی ہونے والی سسرال عیسیٰ کریم خاں جوڈ کے ہاں کھایا، وہاں سے نذیر کے ہم زلف شبیر خاں پوار کے گھر پہنچے جو روز اول ہی سے جشن کی ہر تقریب میں پیش پیش تھے۔ ان کے اور نذیر کے اکلوتے برادر نسبتی غلام مصطفیٰ پر یہار دونوں کے گھر مشروبات پر اکتفا کیا۔ شام بعد از مغرب خورشید خاں ہینس کی قیام گاہ تاریخی خانجی کی حویلی پہنچے، خورشید صاحب کی ۸۵ سالہ والدہ سے دعائیں حاصل کیں اور میری خواہش پر خورشید صاحب نے اندر سے پوری حویلی مجھے دکھلائی۔ شاہی محلات کی طرز پر تعمیر یہ مہتم بالشان حویلی ان کے پردادا نے تعمیر کرائی تھی جو سیکر کے راجہ کے مشیر خاص تھے۔ حج کے لئے گئے تھے تو تمام ریاست میں صدائے عام دی اور اپنے خرچ پر ۴۶ حجاج کرام کو حج کی سعادت سے بہرہ ور کرا دیا، ان دنوں یہ لق ودق حویلی تین حصوں میں منقسم ہے۔ ورثا میں سے ایک نے اپنا حصہ پونا میں مقیم حاجی حسین خاں جوڈ کو محض تیس ہزار روپئے میں بیچ ڈالا تھا۔ کہ ان دنوں فتح پور کے کسی مسلمان کے پاس تیس ہزار کی رقم نہیں تھی، جو آج بفضلہٖ کروڑوں کے مالک ہیں۔ حویلی کے دوسرے حصے کے مالک سرور خاں بھینوان نے حویلی میں پر تکلف عشائیہ دیا جس میں کئی معززین شہر بشمول شعرائے کرام مدعو تھے۔ بے شمار کمروں پر مشتمل حویلی کا یہ حصہ دیکھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ویسے دوران قیام فتح پور ہر روز شہر کی مختلف سڑکوں پر مٹر گشتی کرتے ہوئے کئی پرانی محلات نما عظیم الشان حویلیاں نظر آئیں جن میں کئی مقفل یا چوکیداروں کی نگرانی میں ہیں، ان حویلیوں کے مالکان ہندوستان کے بڑے شہروں میں آباد بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار ہیں۔ اور کبھی کبھار محض تفریحاً چند دنوں کے لئے وطن آتے ہیں

Scanned by CamScanner

تو حویلیوں میں گویا بہار نو آجاتی ہے۔اس کے بعد مدتوں یہ حویلیاں مقفل پڑی رہتی ہیں، کچھ لوگوں نے انھیں منہدم کر کے ان پر نئی تعمیریں استوار کیں۔ لیکن اپنی تاریخی وراثت کی اس تباہی پر بیدار ذہن اور باشعور عوام کے احتجاج پر پرانی حویلیوں کے انہدام کا یہ سلسلہ قطعاً رکا تو نہیں البتہ کچھ کم ضرور ہوا ہے اور آج بھی بجا بجا یہ حویلیاں اپنی عظمت رفتہ کی پرشکوہ داستانیں زبان حال سے سنا رہی ہیں۔

سرور خاں بھینوان کی دعوت سے سیر یاب ہو کر خانجی کی حویلی سے گھر لوٹے تو شبیر فراز، عبدالخالق کھوکر، لیاقت وقار اور اسحٰق جوڈو غیرہ احباب کا جمگھٹا ہمارا منتظر تھا۔۳ ربجے رات تک محفل جمی رہی

۲۹ ستمبر صبح ۸ ربجے عید گاہ اسکول میں نذیر فتح پوری کی صدارت میں اعزازی جلسہ ہوا، ستار خاں پریہار نے تعارفی تقریر کی صدر مدرس یونس خاں جوڈ نے نظامت کی، مہاجن اور خاکسار کی تاثراتی تقاریر کے بعد نذیر کی صدارتی تقریر پر جلسہ برخاست ہوا۔ یہ اسکول نذیر کے گھر کے عین سامنے چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔ یہیں نذیر کی ابتدائی تعلیم ہوئی، تعجب اس وقت ہوا جب پنجم ہفتم اور دہم کے طلباء نے نذیر سے ناآشنائی ظاہر کی جبکہ راجستھان کی تینوں جماعتوں کی درسی کتابوں میں نذیر کی نظمیں شامل ہیں۔ جن کا گھر اسکول سے چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔ تجاہل عارفانہ کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسحٰق جوڈ فون کر کے رکشہ منگوا چکے تھے، دختران نذیر کو خدا حافظ کہا اور بھاگم بھاگ بس اسٹینڈ پہنچے، بس تیار تھی، سوار ہوئے اور تین گھنٹے بعد جے پور پہنچ گئے۔ کلاک روم میں سامان جمع کروایا اور اجمیر کے لئے قریب ہی کھڑی ہوئی بس میں سوار ہو گئے۔ ویسے اجمیر ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھا لیکن عین وقت پر دل میں آئی کہ چند گھنٹوں کے فاصلے پر اللہ کے وہ برگزیدہ ولی دنیا کی وہ عظیم القدر ہستی ہندالولی سلطان الاولیاء خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنی ابدی آرام گاہ میں استراحت فرما ہیں جن کی کروڑوں دلوں پر حکومت ہے اور جن کے عقیدتمند ساری دنیا سے جن کے دربار میں پہنچ کر مختلف طریقوں سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں، وہاں تک پہنچ کر فاتحہ نہ پڑھنا اپنے آپ پر زیادتی کے مترادف ہوگا۔ لہذا اجمیر

Scanned by CamScanner

پہنچے، سوا پانچ بجے اکبری مسجد میں نماز عصر ادا کی، مہاجن نے پھول اور نذیرؔ نے ٹوپیاں خریدیں جن کے بغیر دربار خواجہ تک پہنچنے کی اجازت نہیں ہے، جبکہ خالق کائنات کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہے، بڑی دیگ، چھوٹی دیگ، مسجد شاہجہانی دیکھتے ہوئے عقیدتمندان خواجہ کی بے پناہ بھیڑ کو چیرتے ہوئے مزار خواجہ کی زیارت کی، فاتحہ پڑھی اور باہر نکل آئے، باہر صحن میں معروف جدید شاعر اور سجادہ نشین درگاہ خواجہ فضل المتین اپنے عقیدتمندوں میں گھرے نظر آئے، کوئی ہاتھ چوم رہا ہے تو کوئی پیروں میں پڑا ہے۔ پتہ نہیں اس اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باشعور تخلیق کار نے اس سب کے لئے کس طرح گنجائش نکال لی ہے، موصوف کی نظر نذیرؔ پر پڑی، قریب بلایا، مصافحہ اور معانقہ کیا، نذیرؔ کے ادبی کارناموں کی تعریف کی، گھر پہنچنے کی دعوت دی، ہم نے معذرت چاہی، باہر نکلے، ڈھائی دن کا جھونپڑا سے موسوم پہاڑی پر ایک عظیم الشان تراشیدہ پتھر سے تعمیر شدہ نامکمل مسجد ہے، تھکن کے باوجود جذبۂ بے اختیار نے چڑھنے کا حوصلہ دیا۔ باہر نکلے تینوں دیر سے پیشاب کی حاجت محسوس کر رہے تھے پوچھتے پوچھتے ایک جگہ پہنچے جواب ملا طہارت کے لئے پانی نہیں ہے، دوسری جگہ پہنچے جہاں پانی تو تھا لیکن طہارت کے لئے نہیں بیت الخلاء کے لئے تھا جس کے لئے پانچ روپے فی لوٹا طلب کئے گئے۔ طوعاً وکرہاً پندرہ روپے میں تینوں نے پیشاب کیا اور خواجہؒ کے نام پر قدم قدم پر کیے جانے والے استحصال پر ارباب بست کشاد کو صلواتیں سنائیں اور عقیدت مندوں کی بھیڑ بھاڑ میں دھکے کھاتے ہوئے حدود مزار سے باہر پہنچ کر رکشہ کیا۔ اسٹینڈ پر پہنچ کر ایک ہوٹل میں دال روٹی کھائی اور جے پور کے لئے نکل پڑے، جے پور اسٹینڈ کے کلاک روم سے چند گھنٹے سامان رکھنے کا کرایہ ۲۷ روپے ادا کر کے بذریعہ رکشہ مسلم مسافر خانہ پہنچے۔ جے پور کے قلب میں واقع مسلم ٹرسٹ کی زیر نگرانی چلنے والا یہ عظیم الشان تین منزلہ مسافر خانہ دیکھ کر روح تروتازہ ہوگئی۔ ساری تھکن دور ہوگئی، ایسی صفائی ستھرائی اس قدر چاق وچوبند بندوبست اس درجہ کشادہ آرام دہ اور تمام تر جدید سہولیات سے آراستہ کمرے اور کرایہ اتنا کم۔ ہم نے سب سے اچھا کشادہ تمام لوازمات سے آراستہ ایک ہال نما کمرہ محض پونے تین سو روپے یومیہ کرائے پر حاصل کیا۔ مسافر خانے کے وسط میں تمام لوازمات سے مکمل ایک شاندار مسجد بھی ہے جہاں ہم نے چند نمازیں ادا

Scanned by CamScanner

کیں، صبح ۹ بجے ہم لوگ جے پور کی سیر کے لئے نکلے، اس سے قبل جدید طرز کی خوبصورت اور شاندار عمارتوں کے علاوہ ہمیں گلابی رنگ کی کوئی عمارت نظر نہیں آئی تھی جن کی بنا پر جے پور گلابی شہر سے موسوم ہے۔ دوسرے دن ہوا محل، مہارانی جے پور کی قائم کردہ دستکاری کی فیکٹری سے تیار کردہ اشیاء پتھر اور ماربل کی مورتیاں، چمڑے کی موجڑیاں (راجستھانی جوتیاں) پرس، چوڑیاں، نقشی برتن، ساڑیاں ۱۰۰ گرام وزن کی رضائی جیسی نوادرات سے آراستہ کئی حصوں میں منقسم شوروم جن میں مستعد عملہ اس طول طویل نمائش گاہ سے ملحق مندر، مسجد، گرودوارہ، فصیل بند شہر میں جگہ جگہ چاروں طرف کھلنے والے عظیم الشان اور پرشکوہ دروازوں پر مبنی اس پورے تاریخی شہر کی تمام عمارتیں بشمول دوکانیں حتی کہ جامع مسجد کا بیرونی حصہ بھی تمامتر گلابی رنگوں میں رنگا ہوا بڑا عجیب اور دلکش لگ رہا تھا، دنیا کے اس واحد یک رنگ گلابی شہر کو دیکھ کر لیکن ان چونچلوں کے لئے اتنی مہلت ہی کہاں ہے مسافر خانہ کے لئے دو سائیکل رکشہ لئے ایک میں نذیر اور میں دوسرے میں اکیلے مہاجن سوار ہوئے، رکشہ والا گا رہا تھا ''دس روپیا بھاڑا، پسنجر اتنا جاڑا'' مسافر خانے سے متصل مسکینی بکڈ پو نظر آیا، ہماری ذہنی غذا کا مرکز، جسے احتشام الدین صاحب چلاتے ہیں، خاصے سلجھے ہوئے صاحب ذوق آدمی ہیں، شعر و ادب اور تعلیمی و تدریسی مسائل پر خاص نظر رکھتے ہیں، موصوف کی دلکش عالمانہ گفتگو کے ساتھ بکڈ پو پر سرسری نظر ڈالی، یونیورسٹی کی نصابی کتابوں کے علاوہ ادبی کتب کا بھی خاطر خواہ ذخیرہ ہے، پاکیزہ آنچل، نئی دنیا، طلسمی دنیا کچھ نکل جاتے ہیں، راشٹریہ سہارا کی دو سو کاپیاں شہر میں آتی ہیں، خریدار ندارد، ہر جگہ صورت حال یکساں ہے، کہہ کر یونیورسٹی کے لئے ایک بارلیش مولانا کا رکشہ کیا، جنھوں نے محض نصف کرائے میں یونیورسٹی کا پورا راؤنڈ لے کر اندر شعبۂ اردو تک ہمیں پہنچایا اور اپنے صاحب ایمان ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا، صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر فیروز، مدبر علی زیدی، ڈاکٹر ثریا خانم، ڈاکٹر ناصر بصری، حسین رضا خان، گل زادہ خان وغیرہ نے ہمیں خوش آمدید کہا، مختلف ادبی موضوعات پر گفتگو کے علاوہ ہمارے اعزاز میں ایک نشست بھی منعقد کر لی گئی، صدر شعبہ فیروز صاحب نے شعبۂ اردو کا ضخیم مجلّہ عنایت فرمایا، چائے ناشتے سے ضیافت فرمائی، ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہاں سے واپسی ہوئی، مسافر خانہ سے متصل مغل دربار ہوٹل میں دال روٹی

Scanned by CamScanner

پر اکتفا کیا، ایک گھنٹہ آرام نہیں کر پائے تھے کہ شام کی اعزازی نشست کے لئے ہمیں لینے کے لئے تبسم رحمانی اور عشرت دھولپوری، مدان ہوش سرحدی کی کار لئے آن پہنچے جن کے عالیشان مکان کے تیسرے منزلے پر یہ نشست منعقد کی گئی۔ ہوش سرحدی کی صدارت اور ہم تینوں غریب الدیاروں کے اعزاز میں منعقد اس نشست کی نظامت تبسم رحمانی نے فرمائی جبکہ درد ھوشیاری پوری، نازل ٹل پوری، چمپالال کوٹھاریا، شیلندر شلیشا، برج کمار برج عزیز جے پوری، درد اکبرآبادی، نیز صاحبان اعزاز نذیر فتح پوری، سمبل اور راہی خاکسار اور صدر مجلس نے کلام پیش کیا، عشرت دھولپوری نے پہلے تو یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ میں صرف سننے کے لئے آیا ہوں، خاکسار کے تین مرتبہ اصرار کرنے پر بھی کم از کم از رہ مہمان نوازی میری بات رکھنے کے لئے بھی موصوف ٹس سے مس نہ ہوئے آخر تمام شعرا کے فارغ سخن ہو جانے کے بعد صدر محترم ہوش سرحدی کے صرف ایک کہنے پر ''اب صدر کا حکم بھی کیسے ٹال سکتا ہوں'' کہتے ہوئے جو شروع ہوئے تو پورے چالیس منٹ تک تین چار بار ٹوکنے کے باوجود بور کرتے رہے، مجھ سے اپنی ہتک برداشت نہیں ہوئی اور اختتام نشست پر میں نے خوب کھری کھری سنادی، رات ڈیڑھ بجے مسافر خانہ لوٹے، تبسم رحمانی بھی آگئے دیر تک نشست میں ہوئی بدتمیزیوں اور بیہودگیوں پر ناگوار گفتگو رہی، دیر رات مسجد میں قضا نمازیں ادا کیں، صبح نہا دھو کر فارغ ہوئے تھے کہ راجستھان اردو اکادمی کے سابق سیکریٹری اور ملکہ نسیم کے شوہر نامدار معظم علی صاحب برائے ملاقات تشریف لے آئے، میری تخلیقات اور بالخصوص مظفر حنفی پر میرے تحقیقی کام کے حوالے سے مجھ سے بخوبی واقف ہیں، اپنے دور اقتدار میں راجستھان اکادمی سے نذیر کی کتاب ''نیا دن پھوٹ کر نکلا'' شائع کروانے کے علاوہ ان کی کتاب ''جگن ناتھ آزاد ایک مستقل ادارہ'' کو انعام بھی دلوا چکے ہیں۔ شعر و ادب کی تاریخ اور موجودہ سمت و رفتار پر خاصی نظر رکھتے ہیں، ہمیں ۲ بجے کی جے پور ممبئی سپر فاسٹ پکڑنی تھی۔ لہٰذا موصوف سے ملاقات تشنہ رہی، مغل دربار میں کھانا کھایا، سامان سمیٹا اور بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچ کر چلنے کے لئے تیار ٹرین میں اپنی برتھوں پر دراز ہو گئے، واپسی کا سفر دراصل چڑھائی سے ڈھلان کی طرف اترنے جیسا نہایت سرعت سے کٹا، سوائے کوٹہ اسٹیشن پر معروف و معتبر جدید شاعر عقیل شاداب (گذشتہ دنوں انتقال فرما چکے ہیں)

Scanned by CamScanner

اور ظفر پرواز سے پرخلوص ملاقات کے کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا، عقیل شاداب اپنے ساتھ قیمتی پین کے دو ڈبے اور مٹھائی بھی لیتے آئے، اس خوشگوار لیکن مختصر ملاقات کی خوشبو ابھی تک ذہن میں بسی ہوئی ہے، نسبتاً قیمتی (پارکر) پین کا ڈبہ نذیر نے یہ کہہ کر میری طرف بڑھا دیا کہ ''آپ قلم کے مجاہد ہیں، میں محض مزدور ہوں'' مہاجن کو مٹھائی دے کے بہلایا گیا، کوٹہ سے آٹھ دس افراد پر مشتمل ایک سندھی خاندان ہنستا کھلکھلاتا ہوا ہمارے کمپارٹمنٹ میں سوار ہوا کچھ دیر بعد جن کے رونے پیٹنے کی آواز نے مجھے جگا دیا، معلوم ہوا کہ بڑودہ اسٹیشن پر ان کا پرس کسی نے اڑا دیا ہے جس میں تین موبائل کچھ نقدی اور ایک ATM کارڈ تھا، نذیر پہلے ہی خبردار کر چکے تھے لہذا ہم ایسے کسی حادثہ سے محفوظ رہے۔

یکم اکتوبر صبح ۸ بجے ٹرین سینٹرل پہنچی، حسب وعدہ معروف نغمہ نگار اور صنعت کار ساگر ترپاٹھی اپنی شاندار کار لئے گیٹ پر ہمارے منتظر تھے، مہاجن تو اپنے ایک ضروری کام سے نکل گئے۔ ساگر ترپاٹھی اپنی قیمتی کار میں سوار کروا کر پہلے ہمیں گیٹ وے آف انڈیا کے قریب ساحل سمندر پر واقع ممبئی کے تاریخی ریڈیو کلب لے گئے، چائے ناشتے کے ساتھ سامنے حد نظر تک پھیلے سمندر کی موجوں کے مدوجزر کے دلکش منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ محویت کو چلئے چلتے ہیں کہہ کر ساگر صاحب نے توڑا قریب ہی فورٹ کے علاقے میں واقع وائسرائے ہاؤس سے متصل گریٹ ویسٹرن بلڈنگ کے تیسرے منزلے پر اپنے فلیٹ میں یہ کہتے ہوئے خوش آمدید کہا کہ ''یہ جگہ آپ کے باتھ روم سے بھی چھوٹی ہے'' ہر بڑا آدمی یہی کہتا ہے''، کہتے ہوئے ہم کئی خوبصورت کمروں پر مشتمل اس فلیٹ میں داخل ہوئے جہاں بقول ساگر ترپاٹھی ''میں گھنٹہ دو گھنٹہ پرسکون مطالعے کے لئے کبھی کبھار یہاں آجاتا ہوں، کچن اور اس کے لوازمات کے ساتھ یہاں ایک ملازم بھی متعین ہے، چائے پلوا کر ساگر ترپاٹھی نے دو گھنٹے کے لئے اجازت چاہی، اتنے میں ہم غسل وغیرہ سے فارغ ہوئے، آرام دہ صوفوں پر کچھ دیر ستانے کے بعد ساگر صاحب کا کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ دیکھا، ایک الماری کے بالائی خانے میں ویدوں کی چھ سات جلدوں پر ہندی ترجمہ والا قرآن مجید دیکھ کر ساگر جی کی کشادہ قلبی کا اندازہ ہوا۔ اس تعلق سے دوران گفتگو موصوف نے بتایا کہ اپنے ہندو

Scanned by CamScanner

دوستوں کے معترض ہونے پر میں جواب دیتاہوں کہ جس نے وید کا مطالعہ کیا ہے وہ اس امر پر معترض نہیں ہوسکتا کہ قرآن خود ویدوں کی جا بجا تصدیق کرتا ہے، دو گھنٹے بعد ملازم بذریعہ ٹیکسی قلابہ ساحل سمندر سے متصل گنجان درختوں میں گھرے ساگر ترپاٹھی کی عظیم الشان رہائش گاہ پر لے گیا۔ جہاں موصوف کھانے کی پر تکلف میز پر ہمارے منتظر تھے، کھانے سے فارغ ہوئے، کچھ دیر شاعری واعری چلی، پھر گریٹ ویسٹرن بلڈنگ والی ساگر کی مطالعہ گاہ پہنچے جہاں ان کے استاد اسیر برہانپوری اور محسن امیدی کے علاوہ دیگر رفقاء ادب بھی موجود تھے ترپاٹھی جی نے قیمتی شال اوڑھا کر ہمارا اعزاز کیا اور کچھ دیر بعد فون پر دی گئی عبدالاحد سازؔ کی دعوت پر طے شدہ پروگرام کے مطابق ساگر صاحب کی کار سے ہم لوگ بھنڈی بازار میں واقع عصر حاضر میں اردو شعروادب کے تاریخ ساز مرکز ''اردو مرکز'' پہنچے، کشادہ سجا سجا ہال دیکھ کر ذہن شاداب ہوگیا، ہال شعرائے کرام سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، فیاض احمد فیضی، عبدالاحد ساز، عبداللہ کمالؔ، عبدالسمیع بوبیرے، شمیم طارق ،وقار اعظمی، عبیداللہ اعظمی، اردو شعروادب کی ان معروف ترین ہستیوں سے تو دیرینہ ملاقاتیں تھیں۔ مابقیہ اخبارات ورسائل کے وسیلے سے باہم دگر آشنا تھے، بالمشافہ ملاقات کی سعادت پہلی بار حاصل ہو رہی تھی، پروگرام کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں تھا، اردو مرکز پہنچنے پر عبدالاحد سازؔ اور فیاض احمد فیضی نے آپس میں کچھ کھسر پسر کی اور سازؔ نے اچانک مائیک پر نذیر کی صدارت اور میرے مہمان خصوصی کے علاوہ اس پروگرام کے محرک اردو کے عرب شاعر ڈاکٹر زبیر فاروق کی کتابوں کے میرے ہاتھوں اجراء کئے جانے کا اعلان کرتے ہوئے ہمیں شہ نشین پر آنے کی دعوت دی اور ہم ڈاکٹر زبیر کے دائیں بائیں کرسیوں پر جا بیٹھے، فیاض احمد فیضی کے تعارف، عبدالسمیع بوبیرے کی افتتاحی تقریر نذیرؔ اور خاکسار کے تاثراتی کلمات کے بعد نیز ڈاکٹر فاروق کے شعری مجموعے کے اجراء کے بعد عبدالاحد سازؔ کی برجستہ نظامت میں صاحب اعزاز ڈاکٹر زبیر فاروق، ڈاکٹر نذیر فتح پوری ،ڈاکٹر محبوب راہیؔ، جمیل مرصع پوری، اسیر برہانپوری، ساگر ترپاٹھی، عبداللہ کمال (گذشتہ دنوں راہی ملک عدم ہو چکے ہیں) شمیم طارق، عبدالاحد سازؔ، وقار اعظمی، زبیر صحرائی، سہیل اختر وارثی، محسن اختر بنگلوری، عبید اعظم اعظمی، بشارت حیدرآبادی، شمیم عباس، فاروق آشنا، ڈاکٹر ریکھا روشنی اور ارخسانہ

Scanned by CamScanner

ضیا نے اپنی منتخب شعری تخلیقات پیش کیں، اختتام پر ساگر ترپاٹھی بذریعہ کار ہمیں دادر بس اسٹینڈ لائے، پونہ جانے والی لگژری بس میں خوشگوار یادوں کے ساتھ ناشتے کا ایک پیکٹ اور پانی کی بوتل ہمراہ لئے ہم صبح ساڑھے چار بجے پونہ اسٹیشن پہنچے جہاں میرا داماد یونس اسکوٹر لئے موجود تھا۔ گھر پر میری اکلوتی بیٹی ناظمہ میری منتظر تھی، تیسرے نمبر کا بیٹا جاوید بھی آیا ہوا تھا، اس وقت تو سو رہے، صبح ۹ بجے ضروریات ناشتہ سے فارغ ہو کر ۱۱ بجے اعظم کیمپس پہنچے، منور پیر بھائی اور اطہر قریشی کو روداد سفر سنائی۔ ۳ بجے نذیر سے دس روز کے بعد الوداعی مصافحہ کیا، کونڈوا میں بہن سائرہ، نواسیوں ثمینہ اور فرحین سے ملاقاتیں کیں رات ساڑھے گیارہ بجے تمام عزیزوں کو خدا حافظ کہہ کر مہاراشٹر اکسپریس کے ذریعہ دوسرے روز دوپہر میں بدھولوٹ کے اپنے گھر پہنچ گئے۔

☆☆☆

rekhta

Scanned by CamScanner

روئداد ایک خوشبوؤں بھرے سفر کی

مخصوص رنگ و آہنگ اور منفرد لب ولہجہ کے وسیلے سے عصر حاضر میں اپنی سب سے الگ تھلگ پہچان رکھنے والے شاعر، پروفیسر مظفر حنفی، ان کی اکلوتی چہیتی بیٹی ڈاکٹر صبا تسنیم نے کوئی بائیس برس پہلے جس روز اس دنیائے آب وگل میں قدم رکھا حسن اتفاق سے انہیں دنوں مجھے مظفر حنفی صاحب کے در دولت پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ پی ایچ ڈی کے مواد کا حصول اس سفر کی بنیادی غایت ٹھہری۔ پھر کچھ یوں ہوا کہ آغاز کار سے بساط تحقیق لپیٹ لینے تک ان دو تین برسوں کے دوران کئی بار دلی پہنچ کر مظفر صاحب کا ناخواندہ مہمان بننے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ موصوف کے اور افراد خانہ کے پرخلوص برتاؤ نے مجھے بالآخر اس گھر کا ایک مستقل ممبر بنا کر چھوڑا۔ ان بائیس برسوں میں صبا تسنیم کو ایک ننھی سی کونپل سے مسلسل پروان چڑھتے شاداب ہوتے دیکھتا رہا، گود سے اتر کر انگلی پکڑنے اور بڑی ہو کر ڈاکٹر بن جانے تک عمر کی عزیزہ کی شادی کی نوید ملی تو شوق کو گویا پر لگ گئے۔ مرض، تھکن، مصروفیت، شدید سردی اور سفر میں درپیش تکالیف کوئی چیز سد راہ نہ ہوئی اور میں شہادت بابری مسجد کی برسی کے دن مینا کشی ایکسپریس سے کھنڈوا کے لئے نکل پڑا جہاں سے احباب نے کرناٹک اکسپریس سے دلی کے لئے ریزرویشن کرر کھا تھا، قاضی حسن رضا جو حنفی صاحب کے بچپن کے دوست اور اس پانچ نفری قافلے کے سالار ہیں شدید علالت کے باعث اپنا سفر ملتوی کر رہے ہیں۔ ستار کھنڈوی کی اہلیہ جانکنی کی حالت میں ہیں، الحاج منشی خان کی طبیعت بھی اچانک ناساز ہوگئی ہے، ان کی جگہ سلام عذری نے پر کردی ہے، قاضی صاحب اور ستار کھنڈوی کی برتھیں حبیب عالم کے برادران نسبتی لیاقت حسین اور رفاقت حسین برہانپوری کو منتقل کردی گئی ہیں۔ ۷/دسمبر کو پانچ افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ کرناٹک اکسپریس سے دلی کے لئے چل پڑتا ہے، چلتی ٹرین میں دلی کے بجائے آگرہ اتر کر تاج محل اور فتح پور سیکری دیکھنے کا منصوبہ بنتا ہے، ۸/دسمبر صبح ۹ بجے ہم لوگ آگرہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر سامان لادے چل رہے ہیں۔

صاحب! آٹو رکشہ میں چلئے، صرف دس روپئے میں سامان سمیت پانچوں کو اچھی سی

Scanned by CamScanner

ہوٹل تک لئے چلتا ہوں، صرف دس روپئے میں، میں متعجب ہو کر پوچھتا ہوں۔ جی ہاں صاحب !ہوٹل قریب ہی ہے، ہماری بے اطمینانی دیکھ کر وہ اپنا شناختی کارڈ دکھلا رہا ہے، محمد سلیم، جی اداس ہو جاتا ہے تاج محل کے ورثاء کی اس بد حالی پر۔ پانچوں سامان سمیت رکشہ میں ٹھنس جاتے ہیں۔ رکشہ دیر تک چلتا ہے۔ کم از کم پچاس روپئے کرایہ کا فاصلہ ہے، یہ رہا صاحب ہوٹل ڈائمنڈ فرسٹ فلور پر تین سو روپئے یومیہ کرایے کے ایک وسط درجے کے کمرے میں سامان رکھ کر احباب ضرویات سے فارغ ہو رہے ہیں، میں اور حبیب عالم نیچے فون پر گھروں کا حال چال دریافت کر رہے ہیں، رات ہی میں ستار کھنڈوی کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے، قالوانا للہ وانا الیہ راجعون، کھنڈوا سے المناک خبر ملتی ہے، میرے گھر سب ٹھیک ٹھاک ہے، اپنے نئے دوست الحاج مرزا وسیم بیگ المتخلص دلؔ تاج محلی سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ مسرت بھرے لہجے میں تقریباً چیخ رہے ہیں، کہاں سے بول رہے ہیں بھئی، میں نے یہاں اپنے گھر اور تاج محل کے درمیان آپ لوگوں کے لئے کمرہ بک کر رکھا ہے، جلدی پہنچئے اور دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھایئے۔ سلیم کو گھر کا محل وقوع بتا رہے ہیں، ہم لوگ تیار ہو کر ہوٹل نکل چکے ہیں، آگرہ فورٹ جو اصلاً لال قلعہ ہی ہے لیکن نہ جانے کیوں یہ نام محض دلی کے لال قلعے کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گیا ہے، مختصر یہ کہ آگرہ قلعہ سر کرنے کا عزم بالجزم لئے آٹو رکشہ آگرہ کی سڑکوں کے پیچ وخم ناپ رہا ہے، تاج محل اور لال قلعہ کی نسبت سے آگرہ دنیا کے معروف ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ شہر کی عمارتیں بھی اپنی کہنگی اور خستگی کی بنا پر گویا تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں، نظر انداز کرنے والی سوچی سمجھی سازشی اسکیم کے تحت ہندوستان بھر کے ان تمام چھوٹے بڑے شہروں کی رفتار ترقی کو منجمد اور معطل کر دیا گیا ہے جو مسلم دور حکومت کی یادگار ہیں اور جہاں کی آبادی کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ قلعہ میں داخل ہونے سے باہر نکلنے تک کم وبیش دو گھنٹے کچھ ایسی سحر انگیز کیفیت رہی کہ وقت کب چپکے سے گذر گیا پتہ نہیں چلا، اپنی عظمت رفتہ کے تمام تر نقوش جیتے جاگتے ہیولوں کی شکل میں آنکھوں کے سامنے متحرک ہو گئے، فلک بوس فصیلوں، برجیوں، بلند وبالا دروازوں محل سراؤں، خوابگاہوں، دیوان عام، دیوان خاص، باغوں، فواروں، حماموں، جھروکوں سے سرسراتی سرگوشیاں، مترنم ہنسی، قہقہے، موسیقی، راگ

Scanned by CamScanner

راگنیاں، جنبش مکن ہوشیار باش، کی مرعوب کن آوازیں سماعت احساس میں صاف گونجتی محسوس ہو رہی ہیں، شاہان مغلیہ کی عظمتوں اور شان وشکوہ کے دلکش نقوش گوشے گوشے سے روشن ہو رہے ہیں، اپنے آن بان اور شان والے جگمگاتے چمچماتے ماضی سے بے رنگ روتے بسورتے حال بد کا موزانہ کرتے ہوئے ایک بوجھل احساس کے ساتھ تھکے تھکے قدموں سے قلعے سے باہر نکل آئے ہیں۔ تاج محل ہمارے رفیق شفیق دل تاج محلی کی رہنمائی میں دیکھنا ہے ساتھ ہی موصوف کی پر خلوص دعوت طعام سے بھی سیر یاب ہونا ہے، تاج محل سے ذرا سی دوری پر دل صاحب کے خاندانی مکانات کے سلسلہ ہے، سامنے میدان میں کھلے آسمان تلے چند پختہ مزارات ہیں یہاں ہندوستان کے عظیم عوامی اور قومی شاعر نظیر اکبر آبادی اور ان کے چند ہمعصر آسودۂ خاک ہیں یہ نسبتاً قدرے بہتر صورت بھی نظیر کمیٹی کی مسلسل کاوشوں کا ثمرہ ہے ورنہ مقامی انتظامیہ تو سب کچھ مٹا دینے پر تلا ہوا تھا۔ خیر زنجیر در دل کھٹکھٹائی، دل تاج محلی سراپا دل پر خلوص مسکراتے برآمد ہو رہے ہیں۔ بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہو کر بالائی منزل پر چلنے کے لئے رہنمائی کر رہے ہیں، دلچسپ سلسلۂ گفتگو کے ساتھ دستر خوان پر بریانی کی اشتہا انگیز خوشبو دعوت مبازرت دے رہی ہے، مکمل سیر یابی کے بعد تاج محل کے لئے نکل پڑتے ہیں، اندر باہر ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کی بھیڑ کسی بڑی فلم کی ریلیز کے پہلے شو پر امڈ آئی، بھیڑ کا منظر پیش کر رہی ہے، پتہ چلا رات کے چند گھنٹے چھوڑ کر بارہوں مہینے تاج محل دیکھنے والوں کی بھیڑ کا یہی عالم ہوتا ہے، ٹکٹ کی کھڑکیوں پر طویل قطاریں لگی ہیں، ارباب وطن سے بیس روپئے۔ غیر ملکیوں کے پانچ سو روپئے ٹکٹ ہے، روزانہ کی آمدنی کتنی ہوتی ہوگی اندازہ لگانا دشوار ہے، انکم کی کم وبیش یہی صورت آگرہ کے لال قلعہ پر بھی نظر آتی ہے، گویا ہندستان پر ہمارے اسلاف کا سلسلہ فیض آج بھی جاری وساری ہے کہ محض ان کی یادگاروں، کھنڈروں، قلعوں اور مقبروں سے بنا کسی لگت کے کروڑہا کروڑ کی یافت حکومت کو ہو رہی ہے۔ کئی بلند وبالا دروازوں، وسیع وعریض دالانوں اور سبزہ زاروں سے گذر کر ہم تاج محل کے روبرو کھڑے ہیں، حسین چہروں چمچماتے رنگا رنگ آنچلوں، طرح طرح کی بولیوں اور کھنکتے ہوئے قہقہوں کا ایک سیلاب رنگ ونور ہے کہ ہر طرف سے امڈ امڈ کر بہہ رہا ہے، نورانی پھواریں آسمان سے مسلسل برس رہی ہیں۔ اب تاج

Scanned by CamScanner

محل کے ملکوتی حسن، بے پناہ دلکشی اور بے نظیر دل فریبی کو من وعن احاطہ تحریر میں لانا چاہوں تو سیکڑوں صفحات سیاہ ہو جائیں، اور تاج کے حسن بے داغ کی ایک جھلک بھی دکھلا نہ پاؤں، دنیا کے عظیم شعراء مصور اور مجسمہ ساز اپنے تخیل کی تمام تر جولانیاں اپنی تخلیقی توانائیاں صرف کر دینے پر محض اتنا بتا پائے کہ اس کی صفت مشتہر روزگار ہے۔ رات بھی تاج میں آ کر نور بن جاتی ہے، تاج وقت کے رخسار پر آنکھ سے ٹپکا ہوا درخشندہ و تابندہ آنسو ہے، تاج قلب معمار کی دھڑکن ہے۔ تاج کے ذریعے اک شہنشاہ نے دولت کے سہارے غریبوں کی محبت کا مذاق اڑایا ہے، یا ساری دنیا کے لئے محبت کی ایک لازوال نشانی ہے۔ خیر جو بھی ہو البتہ یہ آخری بات سچائی سے کچھ زیادہ قریب لگتی ہے کہ محبت کی وہ تاثیر چار سو سال گزر جانے کے بعد بھی تاج محل کے آس پاس عملی صورت میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے، اور جوانوں کو تو خیر چھوڑیئے ادھیڑ اور بوڑھے جوڑے تک باہم گیر بغلگیر، عشق ومحبت کے نشے میں سرشار مختلف زاویوں سے تاج محل کے ساتھ اپنی خوش فعلیوں کو آنکھوں کے علاوہ کیمرے میں بھی محفوظ کرتے نظر آتے ہیں، دل تاج محلی کے بقول تاج محل کے احاطے میں محض لائسنس یافتہ فوٹو گرافرز کی تعداد چھ سو ہے۔ جدھر نظر دوڑایئے چھما چھم کیمرے مصروف عمل دکھائی دیتے ہیں، یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ تاج محل کی طرح دنیا کی شاید ہی کسی عمارت کی تصویریں اتنی کثیر تعداد میں نکلتی ہوں۔ دل تاج محلی نے تاج محل کے تعلق سے کچھ ایسی تفصیلات بھی ہم پر منکشف کیں جن سے بیشتر گائیڈ بھی شاید واقف نہ ہوں۔

بہر حال تاج کے جمال بے مثال اور دل کے خلوص بے بدل کو دلوں میں بسائے ڈائمنڈ لوٹ آئے، سردی کی شدت نے رات کہیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی اور پھر یہ بھی کہ تاج محل اور قلعہ معلیٰ کے ماسوا آگرہ میں رکھا بھی کیا ہے۔ علی الصبح ۸ بجے دل صاحب گرم اوور کوٹ لپیٹے اپنے دونوں ہاتھوں میں نہاری کے لوازمات لئے آن موجود ہوئے۔ نہاری کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اپنے خلوص سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کے لئے مسلسل تحریک دلاتے رہے۔ نہاری تو خیر نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ ہے ہی لیکن دل صاحب کے خلوص کی لذتوں سے بہت کم۔

Scanned by CamScanner

ٹیکسی کے ذریعہ ہمارا یہ مختصر سا لشکر فتح پور سیکری فتح کرنے کی غرض سے نکل پڑا ہے، راستے میں کاروں اور اسکوٹروں کے بجائے سائیکلوں کی بہتات لوگوں کی غربت وافلاس کا پتہ دے رہی ہے، تفصیلات سے قطع نظر کہ جن کا یہ موقع محل بھی نہیں ہے فتح پور سیکری میں حضرت سلیم چشتیؒ کی پرنور درگاہ، دنیا کا بلندترین بلند دروازہ، عظیم الشان قلعہ کے اندر دیوان عام، دیوان خاص، اکبر کی تینوں رانیوں کے محلات، کنیزوں کی محل سرائیں، خلوت کدے اور وہ تمام تر جو شاہان مغلیہ کی عظمتوں اور شان وشکوہ کا مظہر تھا، یہاں بھی موجود ہے، سب کچھ دیکھا اور اپنے تابناک ماضی کے ان ویران مقابر پر فاتحہ پڑھ کر ہم اپنی منزل مراد یعنی دلی کی جانب لگژری بس کے ذریعے کوچ کر رہے ہیں، اور ۹ دسمبر شام ۶ ربجے ہم جامعہ نگر دہلی کے بٹلہ ہاؤس میں واقع مظفر حنفی صاحب کے دولت کدہ پر باہم مصافحے اور معانقے کے خوشگوار عمل سے گزر رہے ہیں۔ خیر وعافیت کی رسمی گفتگو، چائے ناشتے اور کھانے سے فارغ ہو کر ہمیں قریب ہی ڈاکٹر رضی احمد سبزواری کے دولت کدے پر پہنچا دیا گیا جہاں ہمارا قیام رہے گا۔ نوشاد مومن مدیر مژگاں کولکاتا بھی ہمارے ساتھ قیام پذیر ہیں، کولکاتا میں سابقہ ملاقاتوں کے دیر تک تذکرے ہو رہے ہیں۔

۱۰ ردسمبر، صبا تسنیم کے یوم شادی کی صبح ناشتے سے فراغت پا کر حبیب عالم، سلام عذری، لیاقت حسین اور رفاقت حسین دلی درشن کے لئے نکل پڑے، میں نے معذرت چاہ لی ہے کہ برسوں سے بارہا نئی دلی کی آراستہ سڑکوں پر اور پرانی دہلی کے تنگ وتاریک کوچوں میں آوارہ گردی کرتا رہا ہوں اب سب کچھ دیکھے بھالے کو بار بار بھی کیا دیکھنا ہاں! عزیزوں کی بات اور ہے کہ مجھے تو ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ رہ کر اپنی مدتوں کی تشنگی کو سیریاب کرنا ہے، پرویز مظفر حنفی صاحب کا دو نمبر کا بیٹا جس کو دیکھے ہوئے پندرہ بیس برسوں کی مدت ہو رہی ہے جب اس کا لڑکپن تھا اب وہ ایک بچی کا باپ ہے۔ رسائل وجرائد میں نمایاں طور پر چھپنے والا ایک معروف شاعر ہے۔ اس کی کشمیر نژاد انگلینڈ کی پروردہ بیوی نسرین سے بات کرنی ہے، پرویز مظفر حنفی انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں مستقلاً بسیرا کر چکا ہے، بقول مظفر حنفی

Scanned by CamScanner

میری سنتے اپنی کہتے، میرے دیدہ و دل میں رہتے
لیکن تم نے اپنا مسکن سات سمندر پار بنایا

فرزندان مظفر حنفی، فیروز مظفر، فضیل مظفر، سہیل مظفر، اور عرفان مظفر عرف عرفی سے فرداً فرداً ان کے احوال وکوائف جاننے ہیں۔ بھابھی صاحبہ سے اپنے علاوہ بیگم، بیٹوں اور بہوؤں کے سلام عرض کرتے ہیں، دلہن بنی صبا بیٹا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے خوشگوار اور تابناک مستقبل کی دعائیں دیتی ہیں، اور حسب معمول مظفر حنفی صاحب سے مشفقانہ مشورے حاصل کرتے ہیں، حبیب عالم اور ساتھی دلی کی سیر کے لئے نکل پڑتے ہیں، دلی میری بارہا کی دیکھی بھالی ہے۔ لہذا میں دیکھی بھالی دیکھ کر کیا کرتا، دن بھر حنفی صاحب کے دولت کدے پر متذکرہ بالا افراد خانہ کے علاوہ مظفر حنفی صاحب کے دور دراز سے تشریف فرما اعزاء و اقرباء سے ملتا جلتا رہا بالفاظ دیگر عیش کرتا رہا، جامعہ نگر بٹلہ ہاؤس میں دلی کارپوریشن کا خوبصورت، کشادہ اور آراستہ وپیراستہ کمیونٹی ہال بقعۂ نور بنا ہوا ہے، پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی تقریب گاہ میں سب سے پہلے تشریف لا چکے ہیں، میں خوش آمدید کہہ کر استقبال کر رہا ہوں بڑی اپنائیت اور گرم جوشی سے مل رہے ہیں۔ بیرونی اور مقامی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، یک بعد دیگرے خواجہ حسن نظامی، قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی، شمس الحق عثمانی، صدیق الرحمٰن قدوائی، ڈاکٹر میر فاروق، ڈاکٹر خالد محمود، پروفیسر اختر الواسع، ضیاالرحمٰن نیر، احمد مصطفیٰ صدیقی راہی، ذکیہ سلطانہ نیر (بیگم ساغر نظامی) پروفیسر صغریٰ مہدی، شکیل اختر، ڈاکٹر محمد کاظم، ڈاکٹر چودھری جاوید، ارشد پروفیسر شکیل ڈاکٹر ممتاز الحق، تابش مہدی، ڈاکٹر کوثر مظہری، شہپر رسول، ڈاکٹر مولا بخش، معین شاداب، ابرار کرتپوری، ڈاکٹر شمع افروز زیدی، نگار عظیم، شعیب رضا خاں، ایڈوکیٹ قمرالدین، ایڈوکیٹ محبوب الرحمٰن مجیب رضوی (V.C) پروفیسر شعیب اعظمی، سہیل احمد فاروقی، آصف محمد خاں، بھائی مہربان، پرویز ہاشمی (ایم۔ایل۔اے) ڈاکٹر محمد نعمان، معین اعجاز، نظرالاسلام، قیصر جاوید، حسام الدین، پروفیسر حنیف کیفی اسلم غوری، ابوالمجاہد زاہد (دارفانی سے رخصت ہو چکے ہیں) حبیب عالم، انور مقصود، نوشاد مومن، (کولکاتا) اقبال مسعود، ڈاکٹر صفیہ ودود، بلقیس جہاں (بھوپال) شاہد پرویز، (قومی

Scanned by CamScanner

آواز) پروفیسر سحرا مین جیسی قدر آور علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی، صحافتی، سماجی اور سرکاری شخصیتوں کی اس کثیر تعداد میں شرکت ہی سے اس تقریب کے وقار وعظمت کے ساتھ مظفر حنفی صاحب کی مقبولیت اور محبوبیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نوشہ ڈاکٹر خالد ایک بے حد ہنس مکھ خدوخال کا جوان رعنا ہے۔ جی خوش ہوا، عقد کے بعد اپنی ایک تہنیتی نظم ''گلہائے شادمانی'' چھپوا کر ساتھ لایا ہوں جسے ممبئی کا کثیر الاشاعت روزنامہ اردو ٹائمز اپنے ایک تہائی صفحہ پر نمایاں طور پر شائع کر چکا ہے۔ متذکرہ بالا ارباب نقد و بصیرت سے اپنی کاوش کی داد وصول کر رہا ہوں۔ انواع واقسام کے اشتہا انگیز کھانوں کا ایک طویل سلسلہ کہ ہر ایک کو محض چکھا جائے تو پیٹ بھر جائے پھر بھی چند چیزیں کھانے والے کو دیکھتی رہ جائیں دعوت لذت طعام دے رہا ہے۔

۱۱ ردسمبر صبح ۱۱ ربجے بارات کی روانگی ہے، نجیب آباد کوئی چار گھنٹے کی مسافت ہے لیکن ٹریفک جام کا مسئلہ لاینحل قدم قدم پر سدراہ ہے۔ سات گھنٹے کے بعد بذریعہ فون بارات کے نجیب آباد پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے، دن کا کچھ حصہ صدر شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ ڈاکٹر خالد محمود کے ساتھ ان کے دولت کدے پر گزرا ہے، بیتی یادداشتوں اور مختلف موضوعات پر دلچسپ اور عالمانہ گفتگو کے ساتھ پرتکلف دسترخوان سے بھی کسب فیض کیا جارہا ہے، خالد محمود ویسے بھی بڑے شگفتہ مزاج کے آدمی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ موصوف کی شگفتگی بھی فزوں تر ہوتی جارہی ہے، ۱۲ ردسمبر کو ولیمہ میں شرکت کے لئے نجیب آباد جانا ہے، فرزندان مظفر حنفی نے دو تین کاروں کے علاوہ ایک لگژری بس کا بندوبست کیا ہے۔ حنفی صاحب کار کے بجائے احباب کے ساتھ بس میں بیٹھنے کو ترجیح دیتے ہیں، علی الصبح ۸ ربجے روانہ ہو کر ہم لوگ کوئی ۳ ربجے دوپہر نجیب آباد پہنچ رہے ہیں، راستے میں بجنور ملتا ہے۔ جس سے اردو شعر وادب اور صحافت کی ایک تابناک تاریخ وابستہ ہے، بچوں کے مقبول عام رسالے غنچہ پھول اور اخبار مدینہ جو نصف صدی سے زیادہ اردو ادب وصحافت پر چھائے رہے اسی بجنور سے نکلتے تھے، علاوہ ازیں عبدالرحمٰن بجنوری اور بانیٔ مسلم یونیورسٹی سرسید احمد خاں کا وطن ہونے کا شرف بھی بجنور کو حاصل ہے۔ نہٹور دیکھ کر اپنے ایک دیرینہ قلمی دوست کی یاد آگئی نام بھول رہا ہوں، علاوہ ازیں قرۃ العین حیدر اور شمع افروز زیدی کے نام یاد آئے جو اس شہر سے تعلق رکھتی

Scanned by CamScanner

ہیں، مظفر نگر الم مظفر نگری اور علیم اختر مظفر نگری کا مولد و مسکن کرت پور کے نام کے ساتھ ہی عشرت کرتپوری اور ابرار کرتپوری کے نام یکلخت ذہن میں ابھرتے ہیں۔ پھر میرٹھ ہے مجاہدین جنگ آزادی کا اولین محاذ، اسماعیل میرٹھی، حامد اللہ افسر میرٹھی اور حفیظ میرٹھی جیسے اکابرین ادب کا وطن، ہفتہ وار میرٹھ میلہ کے مدیر مرحوم اختر الاسلام یاد آئے جن کے فرزند اخبار کے ساتھ اپنے والد کا نام روشن رکھے ہوئے ہیں۔ ان شہروں سے گزرنے ان کی ایک جھلک دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی جن کے تذکروں سے تاریخ ادب وصحافت اور تہذیب وثقافت کے صفحات کے ساتھ یاد داشتوں کے دریچے بھی جگمگا رہے ہیں، نجیب آباد کے جلیس نجیب آبادی سے مراسلت رہی ہے جو بسلسلہ ملازمت کہیں باہر مقیم ہیں، سوز نجیب آبادی نظام آباد بسا چکے ہیں، صبا تسنیم کی سسرال نجیب آباد کا ایک نجیب الطرفین خاندان ہے، تہذیب، شائستگی، رکھ رکھاؤ، مہمان نوازی، اعلیٰ ظرفی، خوش سلیقگی اور خوش ذوقی جن کی ہر حرکت و عمل سے مترشح ہے، ناشتے اور مشروبات سے دعوت طعام تک ایک طویل سلسلہ ضیافت دو گھنٹوں تک جاری رہا۔ شام ۶: بجے نجیب آباد سے روانہ ہو کر رات ۱۱ر بجے دلی پہنچ رہے ہیں، ۱۳ر دسمبر دلی میں قیام کا آخری دن، شام کرناٹک اکسپریس سے واپسی کا ریزرویشن ہے۔ چند اہم لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہیں، سلام لیاقت اور رفاقت کو جامع مسجد بھیج کر حبیب عالم کو ساتھ لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اُردو پہنچ رہا ہوں۔ صدر شعبہ خالد محمود اسی تپاک سے مل رہے ہیں اکیڈمک اسٹاف کالج اور مکتبہ جامعہ تک اپنی کار سے پہنچا رہے ہیں۔ منیجر مکتبہ محترم شاہد علی خاں بڑی گرمجوشی سے مل رہے ہیں، مکتبہ کے نئے ہیڈ آفس میں عید الوحید صاحب میری کتابوں کا حساب اور نئی پاکستانی مطبوعات دکھلا رہے ہیں، مغربی جرمنی سے مظفر حنفی صاحب کے لئے سلطانہ مہر کا ارسال کردہ کتابوں کا پیکٹ دے رہے ہیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بیسویں صدی کے دفتر میں ظفر احمد نظامی سے ملاقات ہوتی ہے، منع کرنے کے باوجود شمع افروز زیدی کو ہماری آمد کی اطلاع دے رہے ہیں، محترمہ ڈاک کے پلندے بتا کر شاعری کے دن بدن گرتے ہوئے معیار اور شعراء کے غیر ذمہ دارانہ رویے پر اظہار افسوس کر رہی ہے، مرکز اسلامی جانا ہے، سلسلہ گفتگو منقطع کرتے ہوئے اجازت حاصل کر رہا ہوں،

Scanned by CamScanner

جماعت اسلامی مرکزی دفتر کی پرشکوہ عمارت کا دور دور تک پھیلا ہوا سلسلہ دیکھ کر احساس فخر سے سینہ تن جاتا ہے، کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اتحاد اور مرکزیت کی برکتوں سے فیض یاب ہو کر ملت اسلامیہ نے اپنی منفرد شناخت کو جیسے تیسے بچائے رکھا ہے، محترم شفیع مونس، ابوالمجاہد زاہد، اور انتظار نعیم صاحبان سے شرف ملاقات حاصل کر کے یک گونہ طمانیت کے ساتھ بٹلہ ہاؤس لوٹ رہا ہوں۔

دلی میں ٹریفک جام کا مسئلہ بیحد پریشان کن ہے، منٹوں کے سفر کو گھنٹوں لگ جاتے ہیں، ٹرین کا وقت ۹ بجے ہے، ۸ر بجے سے قبل کھانے پینے سے فراغت پا کر دلی کے اپنے عزیزوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو چلنے کی ہدایت دے رہے ہیں، ۱۴ر دسمبر دو پہر ۲ بجے کھنڈوا اسٹیشن پر احباب ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں، دیر رات تک حسب معمول قاضی حسن رضا صاحب کے دولت کدے پر محفل یاراں جمتی ہے، خوشبوؤں کے اس رنگا رنگ سفر کی روئداد تمام تر جزئیات کے ساتھ سنی سنائی جا رہی ہے، ۱۵ر دسمبر کی صبح خوشگوار یادوں کی مسحور کن خوشبو اپنے ذہن و دل میں بسائے احباب کھنڈوا کو خدا حافظ کہتے ہوئے مینا کشی ایکسپریس سے اپنے کھونٹے کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

☆☆☆

چند لمحے شولا پور کی خوشگوار ادبی فضاؤں میں

کل ہند اردو ادبی کانفرنس شولا پور کے مجوزہ کل ہند ادبی مشاعرے میں شرکت کا دعوت نامہ پاتے ہی ۹۹ء میں اس دارالشعور شولا پور میں برپا کئے جانے والے بے مثال اور عظیم الشان تاریخی نوعیت کے کل ہند اردو میلے کے تام جھام کی ساری یادیں بیک وقت روشن ہو اٹھیں جس کے تحت مختلف تعلیمی، علمی، ادبی اور ثقافتی سہ روزہ تقاریب کی تب وتاب سے تمام شہر شبانہ روز جگمگاتا، کھنکھنا تا رہا تھا، مختلف الموضوعات مذاکرے سمینار، ڈرامے اور کل ہند مشاعرہ وغیرہ تقاریب عوام وخواص کی دلچسپیوں کے اسباب تھے۔ اردو کی مختلف اصناف ادب پر دسترس کے حامل مشاہیر قلمکاروں کو شولا پور کے ادب نوازوں نے یکجا کر رکھا تھا جن میں علی سردار جعفری اور کالی داس گپتا رضا جیسے ثقہ ارباب فکر وبصیرت کی شرکت میلے کے اعلیٰ وارفع معیار و وقار کا موجب تھی، ایسے بلند قامتوں میں کمترین کو بھی شرکت کی سعادت حاصل تھی۔ سابقہ خوشگوار یادوں کو دل میں بسائے ان سہانے سلونے خوابوں کو آنکھوں میں سنجوئے اکولہ ریلوے پلیٹ فارم پر مہاراشٹرا ایکسپریس کی آمد کے لئے سراپا انتظار ہوں جس کے آخری سرے پر شولا پور کوچ میں میری برتھ ریزرو ہے، اس میں ناگپور سے آرہے ظفر کلیم کی ہم سفری کا شرف بھی مجھے حاصل ہونے والا ہے، ٹرین پلیٹ فارم سے آن لگی تو مطلوبہ کمپارٹمنٹ جنرل بوگی کی طرح شہد کے چھتے کا منظر پیش کر رہا ہے، گھس پیٹھ کی نہ تو عادت رہی نہ ہی اب ستر ۷۰ کے پیٹے میں اس کی قوت وسکت تاہم نصرت خداوندی نے گرتے پڑتے، دھکے مکے کھا کر ہی سہی مجھے اندر پہنچا دیا، ظفر کلیم اپنی برتھ پر دس بارہ ناخواندگان میں تصویر بیچارگی بنے دور ہی سے میری حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ کھینچ تان کر اپنی برتھ پر پہنچتا ہوں، جس پر تین فربہ اندام خواتین سات آٹھ تخلیقات اور ساز وسامان کے ساتھ ٹھنسی ہوئی ہیں، میری درخواست پر بمشکل چار چھ انچ جگہ مجھے مرحمت فرمائی جارہی ہے۔ کمپارٹمنٹ کی اس صورت حال کی دو وجوہات ہیں، ایک یہ کہ ہر ٹرین میں آخری ڈبہ بالعموم جنرل ہوا کرتا ہے۔ دوریل منتری کے سائڈ کی دو برتھوں کے درمیان مزید ایک برتھ لٹکوانے کے مسخرے پن سے برتھوں کے نمبر تبدیل

Scanned by CamScanner

ہو چکے ہیں اور کئی برتھوں کے دو دو دعویدار ٹکٹوں کے دستاویز ثبوت لئے ہر برتھ پر مسلط ہیں، تیسری ستم ظرفی ناگپور سے منماڑ تک کوئی ٹی سی کمپارٹمنٹ میں نہیں پھٹکا، بہر حال اسی شان بیچارگی کے ساتھ ۹ بجے منماڑ پہنچے ٹی سی نے برتھیں تقسیم کیں، ہمارے حصے میں سائڈ کی درمیانی برتھ آئی جس میں لیٹے لیٹے ہی لگیج کی طرح اپنے آپ کو ٹھونسا اور نکالا جا سکتا تھا۔ رات تقریباً ۴ بجے دونڈ جنکشن پر شولا پور بوگی کو بے یارو مددگار چھوڑ کر سالم ٹرین اپنی معینہ منزل پونہ کولہا پور کی جانکلتی ہے۔ اور اب جا کر مجھے اور ظفر کلیم کو یکجائی نصیب ہوتی ہے۔ چائے ناشتہ سے جسمانی تکلیف اور ذہنی کوفت کے ازالے کی کوشش کر رہے ہیں، منقطع شدہ کوچ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے دونڈ پر کسمپرسی کے عالم میں پڑی رہتی ہے۔ رات ڈھلے کرناٹک اکسپریس اس کوچ کو 'چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ' کی مصداق اپنے ساتھ لئے شولا پور اسٹیشن پر اس کے دامن جھٹک کر اپنی اگلی منزلوں کی جانب بڑھ جاتی ہے۔ حسب توقع سکریٹری کل ہند ادبی کانفرنس اخلاق احمد سراپا اخلاق بنے میرے دیرینہ دوست شولا پور کی بلند قامت ادبی شخصیت بزم غالب کے فعال صدر بشیر پرواز کے ساتھ پلیٹ فارم پر ہمارا گرم جوشی سے استقبال کر رہے ہیں۔ ایک خوبصورت چمچماتی کار میں ہمیں سرکاری ریسٹ ہاؤس پہنچا دیا گیا ہے جہاں بشر نواز، مضطر مجاز، عبد الاحد ساز، سلیم محی الدین اور سلیمان خمار وغیرہ اکابرین شعر و ادب پہلے ہی سے موجود ہیں۔ چائے ناشتے کے بعد مجھے اور ظفر کلیم کو کمرہ نمبر ۲ الاٹ کر دیا گیا ہے۔ اس مشاعرے کے VIP منور رانا ہوائی جہاز سے دلی سے پونہ پہنچنے والے ہیں۔ وہاں مدیر اسباق میرے دوست نذیر فتح پوری انہیں ریسیو کریں گے۔ اپنے گھر مختصر وقفہ قیام و طعام کے بعد بذریعہ ٹرین ان کے ساتھ شام تک شولا پور نزول فرمائیں گے۔ ہر ہر پل موصوف کے سفر کی تازہ ترین صورت حال سے شہر بھر کو مطلع کیا جا رہا ہے۔ اپنی چٹخارہ دار لذتوں کی بنا پر مدتوں یاد رہنے والا دوپہر کا کھانا قریبی ہوٹل پرینکا میں کھانے کے بعد (ہوٹل کے مالک سلیم سبحان کٹر کانگریسی ہیں۔ راجیو اور سونیا گاندھی کی پربیٹی پرینکا کے نام کی وابستگی کا کانگریس سے شدید وفاداری کا دستاویزی ثبوت ہے) مقامی شعراء اور شائقین شعر و ادب سے ملاقاتوں میں دوپہر بغیر آرام کے گزر گئی، اخلاق احمد اپنی پرخلوص میزبانی سے اپنے آپ کو اسم بامسمیٰ ثابت کر رہے ہیں،

Scanned by CamScanner

بات بات پر بچھے جا رہے ہیں، گرانئ معدہ کے سبب شام میں مختصر ناشتے پر اکتفا کر کے کئی کاروں میں پورا قافلہ ہتاتما سمرتی مندر میں جا پہنچتا ہے جہاں اس سے قبل متذکرہ بلا اردو میلہ کے تحت تین روزہ جشن اردو تقریبات کے وسیلے سے اردو شعروادب سے متعلق ملک بھر کے بیک وقت کئی نمائندہ ارباب قلم کا ایک عظیم اجتماع یکجا کیا گیا تھا، ایمان کی پوچھئے تو یہ ہے کہ اردو شعروادب کے فیض سے بڑے بڑے شہروں کے کئی پرشان شکوہ ثقافتی ہال دیکھ چکا ہوں لیکن یہ آن بان، یہ انتظام وانصرام، یہ حسن وترتیب وتہذیب، یہ خوش سلیقگی یہ شائستگی جو ہتاتما سمرتی مندر شولاپور کے ساتھ وابستہ ہے اور کہیں نہیں ملی، سجے سجائے پروقار اسٹیج پر سبھی شعراء جلوہ فروز ہیں۔ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہال مکھیوں سی بھنبھناہٹ سے گونج رہا ہے۔ درمیان میں خوش رنگ پردہ حائل ہے۔ منور رانا کی تشریف آوری کا انتظار ہو رہا ہے، بشیر پرواز زحمت انتظار کے لئے سامعین سے معذرت خواہی کر رہے ہیں۔ لیجئے منور رانا کی جلوہ افروزی کے ساتھ ہی درمیان میں حائل پردہ ایک سرسراہٹ اور سامعین کی تالیوں کی گونج کے ساتھ اٹھا دیا گیا ہے۔ مشاعروں کی مقبولیت کے آفاق کی بلندیوں پر اس دور کے سب سے زیادہ تابناک رشک مہر وماہ منور رانا کے تعارف اور استقبال کے ساتھ صدر مشاعرہ عمر خاں بیریا اختتامی تقریر شمع فروزی اور چمکتے مومنتو مہکتے ہاروں اور دمکتی شالوں سے مہمان خصوصی اور شعراء کا استقبال فرما رہے ہیں، نظامت کے لئے نظام آباد سے اشفاق اصفی کو بطور خاص مدعو کیا گیا ہے۔ فحش رکیک، ذومعنی بازاری لطائف سنا کر ہنسانے یا اپنی بقراطیت سے شعوری طور پر سامعین کو مرعوب کرنے کے ہتھکنڈوں کی بجائے دلکش انداز میں تمہیدی کلمات کے بعد گلبرگہ کے معروف شاعر سلیمان خمار کی ایمان افروز نعت پاک سے مشاعرے کا بابرکت آغاز کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی صدر مشاعرہ بشر نواز سے غزلیہ دور کی شروعات کرتے ہوئے دیرینہ روایت شکنی کا ایک مثبت پہلو صدر مشاعرہ کے وقار کا تحفظ بھی ہے کہ بالعموم اختتام مشاعرہ پر جب صدر کے کلام بلاغت نظام پیش کرنے کی نوبت آتی ہے تو مشاعرگاہ میں گنتی کے سامعین کے علاوہ سناٹے کا عالم ہوتا ہے۔ بشر نواز صاحب کے بعد تقدیم وتاخیر سے بے نیاز مقامی صاحب مجموعہ شاعر رفیع نواز سے آغاز کرتے ہوئے بیرونی شعراء میں سلیم محی الدین نذیر فتح پوری، عبدالاحد ساز، ظفر کلیم، مضطر

Scanned by CamScanner

مجاز، سلیمان خمار، محبوب راہی، اشفاق اصفی، کے درمیان مقامی شعراء عبدالحمید محیط، عبدالقادر تنویر، اور آرزو راجستھانی کو بھی بیچ بیچ میں دعوت کلام دیکر ناظم مشاعرہ اپنے حسن نظامت سے مشاعرہ کو حد اعتدال میں رکھے ہوئے ہیں، عوام کے مقبول اور چہیتے منور رانا بیٹھے ہوئے ہیں، درمیان میں ایک دو ہلکی سی آوازوں کے علاوہ اپنے پسندیدہ شاعر کو زور وشور سے شدید احتجاجی انداز میں بلانے کی مروجہ جاہلانہ روایت کا متشددانہ مظاہرہ قطعی نہیں ہوا جو شولا پور کے عوام کے ذوق کی بلندی اور اعلیٰ ظرفی کو ظاہر کرتا ہے۔ ویسے بھی متذکرہ فہرست سے قارئین کو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ تجرباتی طور پر منعقد کیا گیا خالص ادبی مشاعرہ تھا جسے کسی مشاعرہ باز، گلے باز، نقال، متشاعر یا اردو سے نابلد حسین وجمیل خوش ادا وخوش الحان حسینہ بنام شاعرہ کی آلودگی سے شعوری طور پر قطعی پاک رکھا گیا تھا۔ مشاعروں کے عالمی شہرت یافتہ شاعر منور رانا کا سنجیدہ ادب میں بھی خاص عمل دخل ہے۔ اللہ نے انہیں نقد وبصیرت کی منفرد صلاحیتوں سے بھی نواز رکھا ہے۔ وہ خود بھی عصر حاضر کے مشاعروں میں رائج بدعنوانیوں اور بیہودگیوں سے سخت نالاں اور متنفر ہیں جس کا برملا اظہار جا بجا اپنے اشعار اور مضامین کے وسیلے سے کرتے رہتے ہیں۔ ہال میں کھچا کھچ بھرا اعلیٰ وارفع ادبی وشعری ذوق کے حامل ہزار ہا ہزار سامعین کا اژدہام ہر شاعر پر گلہائے داد وتحسین نچھاور کر کے شولا پور کی خوش ذوقی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ہر شاعر داد وتحسین کے مہکتے ہوئے گلوں سے لدا پھندا کامیابی اور سرخروئی کے نشے میں سرشار مائیک سے لوٹ رہا ہے۔ ہال کی دیواریں غالباً پہلی بار بغیر کسی آمیزش کے خالص معیاری اشعار کے لمس سے ہو رہی ہیں۔ تمام شعراء سے فراغت پا کر رات میں تقریباً ڈیڑھ بجے تالیوں کی پرشور گڑگڑاہٹ میں منور رانا مائیک پر آتے ہیں اور بغیر کسی وقفے کے مسلسل ڈیڑھ گھنٹے تک اپنے مخصوص رنگ وآہنگ اور منفرد لب ولہجہ سے معمور اشعار سے سامعین کو شرابور کر کے رات تین بجے اس مشاعرے کو شولا پور کی ادبی تاریخ میں ایک یادگار مشاعرے کا درجہ واعتبار عطا کرتے ہوئے شاد وبامراد مائیک سے لوٹتے ہیں، اس تاریخ ساز خالص ادبی مشاعرے کے کامیاب تجربے پر منتظمین مشاعرہ۔ شریک شعراء اور اعلیٰ ادبی ذوق کے حامل سامعین سبھی مسرت وشادمانی کا اظہار کر رہے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ریل منتری لالو یادو نے مشاعروں کے چند مقبول عام شعراء کو ہندوستان بھر میں ریلوے سفر کے لئے اے سی ٹو کی دومفت پاسیز دے رکھی ہیں۔ جن میں منور رانا بھی شامل ہیں۔ علی الصبح سات بجے کرناٹک اکسپریس سے مجھے کھنڈوا تک ہم سفری کا آفر دے رہے ہیں کہ کھنڈوہ سے میرے شہر کی مسافت محض چار گھنٹے کی رہ جاتی ہے، میں اس قسم کے احسانات بالعموم پیشگی اظہار تشکر کے ساتھ لوٹا دیا کرتا ہوں۔ خوامخواہ سبک ساری کا بار گراں کیوں اٹھایا جائے، اور پھر شولا پور کے ادب دوستوں سے ملنا بھی تو ہے۔ چاہے ساری رات جاگتے گزرے صبح تادیر مجھ سے سویا نہیں جاتا۔ ۹ بجے بستر چھوڑ کر رفیق دیرینہ بشیر پرواز صاحب سے فون پر رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ ظفر کلیم اپنے پولس آفیسر دوست سے ملنے کے لئے چلے گئے ہیں۔ بشر نواز۔ سلیمان خمار، سلیم محی الدین ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔ میرے علاوہ نذیر فتح پوری ،ظفر کلیم، مضطر مجاز اور عبدالاحد ساز رہ گئے ہیں۔ ہماری ٹرین شام ۶ ربجے ہے بشیر پرواز صاحب کچھ ہماری خواہش کی تکمیل کچھ حق میزبانی کی ادائیگی کے مقصد سے ہمیں دو آٹو رکشوں میں بٹھا کر غالب لائبریری لئے جا رہے ہیں، جس کی زیارت کی خواہش گزشتہ برس انعقاد پذیر کل ہند اردو ادبی کانفرنس کے مجلّے کی سرسری ورق گردانی کرتے ہوئے کر چکا تھا۔ اس کانفرنس کی کامیابی کی روداد اپنے کئی احباب بالخصوص نذیر فتح پوری اور مظفر حنفی صاحب سے بھی سن چکا تھا۔ جس کا افتتاح سوشیل کمار شندے نے کیا تھا اور جس میں گلزار دہلوی مخمور سعیدی، مظفر حنفی، بیکل اتساہی، ش۔ک نظام۔ بشر نواز، ساگر سرحدی، رؤف خیر، صلاح الدین نیر، نعیم اختر، عزم شاکری، اسلم فرشوری نسیم صدیقی، محب کوثر، عبدالستار دلوی، جیلانی بانو، سلام بن رزاق، مشتاق صدف، نیپال ورما، خالد سعید اور اسلم پرویز جیسے اکابرین ادب کی شرکت نے اسے ایک تاریخی حیثیت عطا کر دی تھی، اس مجلّے میں مشمولہ بالخصوص شولا پور سے متعلق مضامین اقبال کلب شولا پور، شولا پور کی اجمالی تاریخ، شولا پور کی ادبی تاریخ، شولا پور کا تعلیمی سفر، شولا پور کا اردو ادب، شولا پور میں ڈرامے کی ابتداء، شولا پور کے ادب اطفال کے قلمکار پڑھ کر اس شہر کی عمیق اور بسیط علمی و ادبی عظمتوں، گہرائیوں کا اندازہ ہوا۔ بالخصوص بشیر پرواز کے مضمون ''شولا پور میں اردو'' سے یہ جان کر کہ اس شہر میں اردو کے چالیس پرائمری، سترہ ثانوی اسکول چار جونیئر کالج نیز سینئر کالج میں ایم اے اور پی ایچ ڈی تک اردو ذریعہ تعلیم، ادبی اداروں میں اصلاحی فلاحی تنظیم، کاروان ادب، انجمن

Scanned by CamScanner

قدیر شولا پوری، زندہ دلان شولا پور اور بزم غالب شولا پور وغیرہ سرگرم عمل ہیں۔ بزم غالب کئی نمایاں اہمیتوں کی حامل ہیں۔ بزم غالب لائبریری اس کے زیر اہتمام جاری ہے جس کی زیارت کی خواہش کی تکمیل کے لئے بشیر پرواز کی رہنمائی میں یہ قافلہ وسط شہر میں شولا پور بازار میں واقع وہاں پہنچتا ہے ۶۵ء میں قائم شدہ بزم غالب میں ۹۰ء کی قائم شدہ بزم اردو کو مدغم کر دیا گیا ۹۱ء میں رجسٹریشن کروا کے ایم ایل اے الحاج یونس شیخ کے فنڈ سے پانچ لاکھ کے صرفے سے تیار شدہ وسیع وعریض پختہ عمارت میں چہار جانب قد آدم آہنی الماریوں میں مختلف علوم وفنون کی زائد از چار ہزار کتابیں خوش سلیقگی سے آراستہ وپیراستہ دیکھ کر روح تازہ ہو اٹھی، ہم مہمانوں کے علاوہ لائبریری میں بشیر پرواز، رفیع نواز، عبدالشکور شکور، محبوب علی گڈوال، نجم الدین انجم، محمد اشفاق اور لائبریرین شکیل شیخ کے علاوہ میر افضل میر (برادر بشیر پرواز) موجود تھے۔ لائبریری میں ۱۱ روزنامے اور ۱۷ رسائل آتے ہیں پڑھنے والوں کا روزانہ اوسط ڈیڑھ تا دوسو ہے۔ شہر اور بیرون شہر کے کالجوں کے طلباء لائبریری سے حوالے کی کتب حاصل کر کے امتحانات کی تیاری کرتے ہیں۔ لائبریری میں لذت مطالعہ سے سیرابی کے بعد یہ قافلہ بشیر پرواز کی میز بانی میں ایک عالیشان ہوٹل میں لذت کام ودہن سے سیراب ہوا۔ ٹرین کا وقت قریب تھا۔ لہذا ریسٹ ہاؤس پہنچ کر سامان پیک کیا اور یک گونہ تشنگی لئے خوشگوار یادوں سے حافظے کو مہکاتے ہوئے شولا پور کو خدا حافظ کہہ کر اسٹیشن پہنچے۔ ٹرین کے اسٹیشن چھوڑتے ہی میرے ایک عقیدتمند صاحب قلم سلطان شیخ کا فون آیا کہ وہ اپنے دوست نور محمد جنیدی کے ساتھ کیمرہ اور ہار لے کر ہمارے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے ہیں۔ اپنی بدبختی پر افسوس اور سلطان صاحب سے معذرت نیز پھر کبھی کا وعدہ کرتے ہوئے ٹرین رفتار کے ساتھ اپنے تخیل کی رفتار کو بھی بڑھاتے ہوئے گزشتہ دودنوں کے منظر کو ذہن میں سمیٹنے کی سعی لاحاصل کرتا رہا۔ شولا پور کا علمی وادبی منظر نامہ جو مجھ جیسے شیدائیان علم وادب کے لئے فردوس نگاہ بنا ہوا ہے۔ شولا پور ایک سرسبز وشاداب نخلستان ہے خوشگوار اور صحت مند ہواؤں اور دلکش سبزہ زاروں سے معمور۔ اللہ اس کی مہکتی چہکتی فضاؤں کو بادسموم کے جھونکوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے آمین۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

چند ساعتیں کوکن کی سرسبز و شاداب وادیوں میں

کچھ لوگ جن غیر متوقع وقوع پذیر باتوں کو حسن اتفاق پر محمول کرتے ہیں بیشتر انہیں قضا وقدر کے فیصلوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ان بیشتر میں میرا بھی شمار ہے۔عمر کے اڑسٹھ برس بیت رہے ہیں۔برسوں سے علاقہ کوکن کی طبعی دلکشی اور سحر انگیز مناظر نیز ارباب کوکن کی علم پروری، ادب دوستی اور مذہب کے تئیں مثبت رجحانات اور حقیقت پسندانہ فکر وعمل کے بارے میں پڑھ پڑھ اور سن سن کر صد ہا بار اشتیاق دید نے دل میں انگڑائیاں لیں۔کوکن سے چند قدموں کے فاصلے پر واقع پونہ اور ممبئی سینکڑوں بار جانے وہاں ہفتوں قیام پذیری کے مواقع آتے رہے۔سیماب فطرت دوست عبدالرحیم نشتر اور خطیب کوکن مشفقی علی ایم شمسی کے بارہا مدعو کئے جانے پر بھی مقدر نے کوکن کی جانب پیش قدمی سے باز رکھا کہ وہاں ایک بار نہیں کئی کئی بار جا کر فیض یاب ہونا کاتب تقدیر نے لکھ رکھا تھا جس کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔پہلی بار علاقہ کوکن میں داخلے کی سعادت حاصل ہوئی مرحوم بدیع الزماں خاور کے وطن داپولی میں پچھلے دنوں کل مہاراشٹر اردو مدرسین کی سنگھٹنا کے زیر اہتمام انعقاد پذیر مشاعرے کی صدارت کی صورت میں۔پونہ سے داپولی تک سیہادری پہاڑ کی فلک بوس چوٹیوں کے نشیب و فراز کے ایک غیر مختتم سلسلے کے درمیان پر پیچ راستوں سے گزرتی ہوئی بس سے سفر کرتے ہوئے نیز دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مہاراشٹر کے مرد آہن سابق وزیر اعلیٰ بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے کا وطن امبیٹ بھی ملا، جہاں عبدالرحیم نشتر نے تدریس کے فرائض انجام دیئے اور گورے گاؤں بھی جہاں سبکدوشی کے بعد وہ قیام پذیر ہیں۔علاوہ ازیں کھیڑ، چپلون، منڈن گڑھ اور مان گاؤں وغیرہ مقامات نے بھی اپنی دلکشی کی بنا پر متوجہ کیا۔داپولی کے مشاعرے میں برسر مشاعرہ محب دیرینہ تسنیم انصاری برہانپوری نے مجھے آئندہ ماہ مہاڈ آنے کی دعوت دی جو میں نے فوراً قبول کرلی کہ کوکن کی سیر کے خواب کی تعبیر کا بقیہ حصہ موصوف کی دعوت کے وسیلے سے مکمل ہونے کے امکانات تھے۔

۱۹ مئی کو مہاڈ پہنچنے کے لئے ۱۷ مئی کو گھر سے روانہ ہوکر ۱۸ مئی کی دوپہر پونہ پہنچا، نماز

Scanned by CamScanner

جمعہ ادا کی اور اپنی بیٹی ناظمہ کے گھر دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر سوار گیٹ بس اسٹینڈ سے مہاڈ کے لئے روانہ ہوا۔ پونہ سے نکلتے ہی سڑک کے دونوں جانب پہاڑوں کا سلسلہ لیکن اس بار چوٹیاں کچھ زیادہ بلند، کھائیاں کچھ زیادہ گہری، وادیاں کچھ زیادہ شاداب، راستے کچھ زیادہ پر پیچ اور طولانی لئے ہوئے ملے۔ پونہ سے مہاڈ کے درمیان چار گھنٹے کے سفر میں دو چھوٹی چھوٹی بستیوں کے علاوہ فلک بوس پہاڑیوں اور گہری پر پیچ کھائیوں کے طول طویل سلسلوں سے گزرتے ہوئے یوں لگا کہ گویا اب کبھی میدان دیکھنا ہی نہیں ہے۔ شمالی ہند کے لئے اگر شاعر نے کشمیر کو ''اگر فردوس بر روئے زمیں است ہمیں است وہمیں است وہمیں است'' کہا ہے تو جنوبی ہند کے لئے یہی شعر کوکن کے سرسبز شاداب پہاڑی سلسلوں پر صادق آسکتا ہے۔

مہاڈ میں بس اسٹینڈ پر تسنیم انصاری، محترم محمد شفیع پورکر مدیر ''کوکن کی آواز'' اور مفتی رفیق مدنی صدر انجمن دردمندان تعلیم وترقی مہاڈ کار لئے سراپا انتظار تھے۔ علیک سلیک اور مصافحہ ومعانقہ کے بعد کار انجمن ھذا کے زیر اہتمام جاری اسکول کی وسیع وعریض عمارت کے کمپاؤنڈ میں پہنچی، رسمی تعارفی سلسلوں، نمازوں اور دیگر بنیادی ضروریات سے فراغت پا کر شب ۱۱ر بجے میزبان مجھے ویلکم ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۰۸ میں چھوڑ گئے۔ ۱۹ر مئی کی صبح ضروریات سے فارغ ہو کر مجھے انجمن ھذا اور ''کوکن کی آواز'' کے دفاتر لے جایا گیا۔ نچلی منزل میں پریس، بالائی منزل پر مدیر اخبار کا دفتر، کمپیوٹر روم، لائبریری، اسٹاف روم، ریکارڈ روم، ویٹنگ روم، تمام علیحدہ علیحدہ سجے سجائے صاف شفاف تمام ضروری اسباب سے آراستہ پیراستہ، تمام عوامل پر سرسری نظر ڈالی تو دیر تک ایک خوشگوار اور دل خوش کن خواب کی کیفیت ذہن ودل پر طاری رہی۔ اس دورنا گفتہ میں کہ امت مسلمہ پستی اور تنزل کی ریس میں دنیا کی تمام پسماندہ ترین اقوام کو پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ جو کچھ دیکھ رہا ہوں کس طرح ممکن ہے۔ مسلمانان کوکن کو تعلیمی اور معاشی ترقی کے بارے میں خاصا پڑھ اور سن رکھا ہے، لیکن مہاڈ کے انجمن دردمندان تعلیم وترقی کے دفاتر کا ریکارڈ جو کچھ پیش کر رہا ہے میرے عالم تصور سے بعید تر ہے۔ شرح وبسط کے ساتھ تمام تفصیلات پیش کروں تو سینکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔

اجمالاً یہ کہ ۱۹۹۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل فقہ اسلامی مفتی رفیق

پورکر کی صدارت میں متذکرہ بالا ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ دس برس سے کم مدت میں بزرگوں کی سرپرستی اور رفقائے کار کی معاونت سے اس ادارے نے اپنی کارکردگی سے کوکن کے چاروں اضلاع کے علاوہ ممبئی کے کئی علاقوں تک اپنا دائرہ عمل وسیع کرلیا۔ بیواؤں، تیموں اور نادار طلباء کی اعانت، عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی وابستگی، اصلاح معاشرہ، سماجی خدمات وغیرہ مقاصد کی تکمیل کے لئے کوکن کو تیرہ ۱۳؍ انتظامی حلقوں میں تقسیم کرکے نہایت منضبط طریقہ سے خوش سلیقگی کے ساتھ ایک ہمہ گیر پروگرام پرعمل درآمد ہورہا ہے۔ پروگرام کی کئی شقوں میں مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا صندوقچہ اسکیم نے چھوٹے چھوٹے صندوقچے کوکن کے کم وبیش ہر مسلم گھر، دوکان، دواخانے، ہوٹل اور دفتر میں رکھے گئے ہیں جن میں متعلقین اور آنے جانے والے آتے جاتے محض ایک روپیہ ڈال دیتے ہیں۔ ان صندوقچوں کے وسیلے سے سالانہ یافت ایک کروڑ تک جا پہنچتی ہے جس سے علاقہ کی ہزاروں بیواؤں کو فی کس تین سو روپے ماہوار کے علاوہ دیگر وظائف بھی تقسیم کئے جاتے ہیں، یہ سارا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ دیکھ کر میں تو دنگ رہ گیا۔ شادیٔ مرگ کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی، جس کا نتیجہ اس جگہ پیر پھسل کر گرنے اور ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ جانے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اسی حالت میں اپنے آپ کو سنبھال کر مجھے اس فرض کو انجام دینا پڑا جس کے لئے مجھے ۸۰۰ کلومیٹر کی مسافت طے کرکے بلایا گیا تھا، کوکن کے اضلاع رائے گڑھ، رتناگری، سندھودرگ، اور تھانہ کے علاوہ ممبئی سے تعلیمی تربیتی تعطیلاتی کیمپ میں شریک ستر ۷۰؍ طلباء کے سامنے مجھے شخصیت سازی Personality Devolepment کے تحت کچھ گفتگو کرنی تھی، سفید پوش ننھے فرشتوں سے اپنے چالیس سالہ تدریسی تجربات کی روشنی میں کم وبیش سوا گھنٹہ بات چیت کرکے مجھے جو طمانیت ذہن وقلب نصیب ہوئی بیان سے باہر ہے۔ طلباء بھی بے حد مطمئن اور شاد وبشاش نظر آئے۔ میرے دوران تقریر میرے دوست ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر بھی تشریف لائے اور طلباء سے خطاب کیا۔ عزیزی اسامہ پورکر کی خوش آہنگ تلاوت کلام پاک کے بعد قاری عثمان کارباری نے اپنے مسحور کن ترنم اور دلکش آواز کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ نعت پیش کیا تسنیم انصاری مدیر معاون کوکن کی آواز نے تعارفی کلمات کے ساتھ نظامت کے فرائض بھی انجام

Scanned by CamScanner

دیئے۔ مفتی محمد رفیق پورکر (امیر کوکن) نے افتتاحی کلمات کہے جبکہ مولانا اسحٰق گھارے نے اظہار تشکر کی رسم انجام دی۔

بعد از طعام مفتی رفیق پورکر کے اصرار پر شریوردھن جانے کی ٹھہری کہ موصوف وہاں کے شہرہ آفاق جامعہ حسینیہ عربیہ میں استاذ وحدیث وفقہ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف نے بذریعہ فون مہتمم جامعہ کو ہماری حاضری کی اطلاع بھی دیدی۔ ائیر کنڈیشن کار میں مفتی صاحب کی معیت میں تسنیم انصاری، عبدالرحیم نشتر اور خاکسار چار افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ شریوردھن کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں ملنے والا کم وبیش ہر مقام اردو شعروادب کی کسی معروف ہستی سے وابستگی کی بنا پر جانا پہچانا لگا۔ جی تو بہت چاہا کہ سبھی سے شرف ملاقات حاصل کرلیا جائے، لیکن اتنی ساری فراغت کہاں سے لاتے۔ لہٰذا ہر بستی کے ساتھ متعلقہ شخص کی یاد تازہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، وہور آیا تو رشید آثار کے ''وجود کی خوشبو'' سے ذہن ودل معطر کیا۔ اپنے شاگرد سید اظہر پیپل گانوی مدرس بجندار ہائی اسکول کا ذکر کرتے ہوئے گورے گاؤں کی طرف بڑھے، عبدالرحیم نشتر کا اصرار کہ ان کے دولت کدے پر رک کر جل پان کرلیا جائے۔ واپسی میں ان کی ضیافت سے فیض یاب ہونے کا وعدہ کیا جس کی اطلاع فون پر بیگم نشتر کو دیدی گئی۔ گورے گاؤں ''کوکن کے سپوت'' انجم عباسی کے نام سے ملک گیر شہرت رکھتا ہے کل صبح ان کی بیٹی کی شادی ہے لہٰذا کوئی جوکھم اٹھائے بغیر آگے بڑھے۔ مہسلہ ایک مردم خیز خوبصورت شہر ہے، مرحوم مہر مہسلائی کے علاوہ وور بھ کے شہر کامٹی کے شکیل شاہجہاں شاہد مہسلائی اور نوائے سحر کے خالق حدیث انصاری کی یادوں کو دامن میں سمیٹا، بورلی پنچتن ڈاکٹر اندرے اور ریحانہ اندرے سے وابستگی کی بنا پر علاقے بھر میں شہرت رکھتا ہے، وڈالی دیکھ کر نوگل بھارتی یاد آئے جو ادب اطفال کے حوالے سے اپنی خاص شناخت رکھتے ہیں۔ موربا سے آگے ایک مقام تائی علی ایم شمسی کے وجود سے مہک رہا ہے افسوس عدیم الفرصتی کی وجہ سے نقیب کوکن کے لقب سے مشہور اس فصیح البیان مخلص شخصیت سے ملاقات کی سعادت سے محروم رہنا پڑا جن سے مہاراشٹر اردو اکادمی کی رکنیت کے دوران بڑی ملاقاتیں رہی ہیں۔ شریوردھن پہنچنے تک تسنیم انصاری نے راجے واڑی کے ارباب قلم ''جام سفال'' کے خالق

ابوشاہد اوراق زندگی کے مصنف وفا راجے واڑی اور کویت میں مقیم ظہیر ارشد کا بھی ذکر خیر کیا......

پونہ سے داپولی اور پونہ سے مہاڈ کے مقابلے میں مہاڈ سے شریوردھن کے درمیان جابجا ترجمانان فطرت کا بڑی تعداد میں موجود ہونا بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ علاقہ فطرت کی دلکشی و رعنائی کے بے مثال مناظر سے اٹا پڑا ہے۔ حد نگاہ تک ہرے بھرے شاداب درختوں سے ڈھکی پہاڑیاں جابجا زمین میں دور تک دوڑتی سمندر کی کھاڑی (خلیج) چھلچھل بہتی ندیاں نالے جھرنے، آموں کے باغات، سانپ کی طرح لہراتی بل کھاتی کوکن رانی (کوکن ریلوے) بیک وقت اتنے سارے خوبصورت اور دلکش مناظر یکے بعد دیگرے سامنے آتے ہیں کہ ناظر حیران ہوں ''دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں'' والی کیفیت سے مسحور ہو جاتا ہے۔ بلندیوں سے نشیبوں میں اترتی پیچ در پیچ پختہ سڑک تک جامعہ حسینیہ شریوردھن کے پر شکوہ آہنی گیٹ میں داخل ہوئی پتہ بھی نہیں چلا۔ عمارات کی شان و شکوہ کا اندازہ تو داخلی گیٹ کی بلندی کشادگی اور پائیداری سے ہو گیا۔ سامنے نظر اُٹھائی تو دور دور تک بلند و بالا چچماتی عمارتوں کا ایک طویل سلسلہ دکھائی دیا۔ مدرسہ کی بنیادی تین منزلہ وسیع و عریض عمارت کے داخلی دروازے پر مہتمم جامعہ محترم امان اللہ عبدالرحیم بروڈا اپنے چند رفقاء کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہہ کر خلوص و اپنائیت کے ساتھ بغلگیر ہو رہے ہیں۔ آفس میں چائے ناشتے کے لوازمات تیار ہیں۔ تعارفی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ یہ تمام اکابرین ملت بشمول مہاڈ کے میرے میزبان مجھے رسائل و جرائد بالخصوص روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی میں گذشتہ کم و بیش پچاس برسوں سے مسلسل اور بکثرت شائع ہونے والی میری تخلیقات کے وسیلے سے برسوں سے جانتے ہیں۔ بیشتر جگہوں پر مجھے اردو ٹائمز والے محبوب راہی کہہ کر متعارف کرایا گیا۔ نماز عصر سے فارغ ہو کر جامعہ کے لاتعداد کمروں میں جاری مختلف شعبۂ جات محترم امان اللہ صاحب ترتیب اور تفصیل کے ساتھ دکھلاتے چلے، دینیات، حفظ، عربی، فارسی، تدریب الافتاء تجوید، کتابت، ریاضی، انگریزی، اسلامی جغرافیہ انجمن، کتب خانہ جامعہ، کتب خانہ انجمن، درسگاہ جامعہ وسیع و عریض مسجد جامعہ، ساٹھ کمروں پر مشتمل تین منزلہ دار الطلباء۔ ۲۸ مکانات پر مشتمل دار الطعام و مطبخ، جدید وضو خانہ، کئی ایکڑ اراضی پر محیط ساری عمارات کا قریب جا کر دیکھنا تو ممکن نہ تھا دور سے قلب و نگاہ کو روشن کر لیا۔ البتہ

Scanned by CamScanner

مسجد، درس گاہوں اور کتب خانوں کے مشاہدے سے خوب خوب سیری حاصل کی، عربی، فارسی، اور اردو کی کئی ہزار ضخیم کمیاب اور رنگارنگ کتابوں کا اتنا عظیم ذخیرہ دیکھ کر روح تازہ ہو اٹھی، اطمینان ومسرت کا احساس فزوں تر ہوا یہ جان کر کہ ان کتابوں سے طلباء اور معلمین مستقلاً فیض یاب ہوتے رہتے ہیں بالخصوص شعبہ تخصیص (ریسرچ) کے طلباء امان اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ بیالیس ۴۲ ربرس قبل مرحوم حسین احمد مدنیؒ شریوردھن تشریف لائے تھے۔ نماز فجر میں امام کے کسی سہو پر مدنی صاحب نے استفسار کیا تو پتہ چلا کہ یہاں کوئی حافظ قرآن نہیں ہے۔ مدنی صاحب کی اثر انگیز تقریر سے تحریک پا کر امان اللہ صاحب کے والد مرحوم عبدالرحیم بروڈ نے شہر سے متصل اپنی سات ایکڑ زمین پر دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جو بڑھتے بڑھتے آج ایک عظیم جامعہ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ امان اللہ صاحب مفتی رفیق صاحب اور مفتی حسین ماہم کر (جو میرے دوست مفتی محمد اشفاق قاسمی مہتمم دارالقضاء اکولہ کے ہم جماعت رہ چکے ہیں) کے شدید اصرار پر مجھے تخصص کے اسکالرس کے روبرو کچھ عرض کرنا پڑا۔ شعبہ تخصص دراصل ہماری پی۔ ایچ۔ ڈی کے مماثل ہے لیکن دور حاضر میں یونیورسٹیوں میں کی جانے والی پی ایچ ڈی سے بدرجہا بہتر و برتر کہ اب یونیورسٹیوں میں تو بالعموم نا اہلیت کا دور دورہ ہے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں پندرہ بیس ہزار میں خرید کر ''طوق زریں ہمہ ہر گردن خرمی بینم'' کی مثالیں پیش کر رہی ہیں، شعبہ تخصص کے تحت عربی، فارسی، اور اردو میں ان موضوعات ومسائل پر ریسرچ کی جاتی ہے جن پر جامع طور پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ ان کے ماخذات ہوتے ہیں، ایک ایک موضوع پر کئی کئی صفحات کی چار چار جلدیں دیکھ کر میں تو مبہوت ہو کر رہ گیا، جب مجھ نااہل کو ان بیس ریسرچ اسکالرس (جن میں سے چند دیوبند سے فارغ ہیں) سے خطاب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو میں نے تمہید میں کہا'' اللہ رب العزت کی کارسازی کے قربان جائیے کہ وہ جب نوازنے پر آتا ہے تو مجھ جیسے جاہل مطلق کو آپ جیسے جید علماء دین سے خطاب کرنے کا شرف عطا فرما دیتا ہے'' میں نے ریسرچ کے چند بنیادی نکات اور اصول وضوابط پر روشنی ڈالتے ہوئے عرض کیا کہ کیوں نہ آپ حضرات ایم اے کی مساوی اسناد حاصل کر کے کسی یونیورسٹی کے رجسٹرڈ گائیڈ کی نگرانی میں اس کام کو یونیورسٹی میں داخل

Scanned by CamScanner

کر کے اس پر پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کر لیں کہ اس معیار کا کام تو اچھی سے اچھی یونیورسٹیوں میں ہو نہیں پا رہا ہے، نیز یہ بھی عرض کیا کہ وہ کسی قابل شخص کا بحثیت .P.R.O تقرر کریں جو جامعہ سے باہر کی دنیا سے بھی روابط استوار رکھے اور سرکار دربار تک بھی اسے رسائی حاصل ہو تا کہ ضروری اور جائز اسکیموں سے جامعہ بھی فیض یاب ہو سکے۔

ساحل سمندر پر غروب آفتاب کا منظر دیکھنے کی غرض سے وہاں سے رخصتی حاصل کی، ناریل اور سپاری کے درختوں سے گھرا شریوردھن ساحل سمندر پر ایک پر فضا مقام ہے، ناریل کا پانی پیتے ہوئے مفتی رفیق نے ہمیں سمندر کی تہہ میں آہستہ آہستہ اترتے سورج کی طرف متوجہ کیا۔ میری زبان سے بے ساختہ کلمہ تحسین بلند ہوا، سورج ایک بہت بڑا آگ کا گولا جسے سمندر دھیرے دھیرے نگل رہا ہے، نگلتا جا رہا ہے، اور اس کا سرخ سرخ لہو سطح سمندر پر پھیلتا جا رہا ہے پھیلتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ سمندر نے پورا سورج نگل لیا۔ اور تمام سمندر تا حد نظر سرخ لہو میں تبدیل ہو گیا۔

نماز مغرب قریب کی مسجد میں ادا کی، یہ تمام سرگرمیاں صبح ٹوٹ جانے والے ہاتھ کے ساتھ جاری رہیں، بعد مغرب مسجد سے ملحق ڈاکٹر راؤت سے شرف ملاقات حاصل کیا، جو پتھری کے ایک نا قابل علاج اور پیچیدہ ترین آپریشن میں کامیابی پر صدر جمہوریہ سے نیشنل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف نے انجکشن لگایا ایک قیمتی ٹیوب اور چند گولیاں دے کر فوری طور سے ایکسرے کا مشورہ دیا اور قافلہ اپنے مستقر کی جانب لوٹا، واپسی میں نشتر کے گھر چائے ناشتے کی ٹھہری تھی لیکن وہ نشتر ہی کیا جو معمولات کا پابند ہو۔ گورے گاؤں میں داخل ہوتے ہی گھر سے کچھ فاصلے پر کار رکوائی اور یہ جا وہ جا صورت حال پر کوئی تبصرہ کئے بغیر ہم اپنے مستقر پر لوٹ آئے علی الصبح ۵ ربجے بذریعہ کار مفتی رفیق پورکر کے والد محترم محمد شفیع پورکر کے ہمراہ پونہ لوٹنا طے پایا۔ اور ۲۰ رمئی کی صبح بعد نماز فجر خوشگوار یادوں کا پٹارہ ہمراہ لئے ہم جانب پونہ روانہ ہوئے۔ پونہ سے قریب ایک ہوٹل میں پورکر صاحب نے شاندار ناشتہ کروایا، اور میری درخواست پر سوار گیٹ بس اسٹینڈ پر مجھے اتار دیا جہاں سے میری بیٹی کا گھر کچھ دوری پر واقع ہے۔

Scanned by CamScanner

پونہ میں دو دن اعظم کیمپس میں منور پیر بھائی، محترم ممتاز پیر بھائی، نذیر فتح پوری، اطہر قریشی اور شبیر شاکر وغیرہ کے ساتھ گزارے۔ ۲۱ر مئی کو ایکسرے کرایا، ۲۲ر کی صبح پلاسٹر بندھوایا اسی روز اعظم کیمپس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور مسلمان اس موضوع پر پروگرام میں شرکت کی دعوت منور پیر بھائی نے دے رکھی تھی، فون پر ان سے معذرت چاہی کہ ہاتھ کو پلاسٹر بندھا ہے موصوف نے اپنی فطری شگفتگی کے ساتھ شریک ہونے کے لئے یہ کہہ کر اصرار کیا کہ پلاسٹر بندھے ہاتھ سے شخصیت مزید نکھر آتی ہے اور آدمی مرکز توجہ بن جاتا ہے، لہذا شریک ہوا، لطف اندوز ہوا اور اختتام پر بغیر خدا حافظ کہے نکل آیا کہ رات گیارہ بجے مہاراشٹر ایکسپریس سے گھر لوٹنا تھا۔

☆☆☆

rekhta

Scanned by CamScanner

کلکتہ کا جو ذکر کیا............

کلکتہ کے ذکر کے ساتھ غالبؔ کے سینے میں تیر پیوست ہونے کی وجوہات وہاں پر سبزہ زاروں کی بارش نازنینِ بتانِ خود آرا جن کی صبر آزما نگاہیں جن کے اشارے طاقت ربا نیز پسندیدہ شراب اور نایاب تر و تازہ اور شیریں میوے تھے۔ کلکتہ میں ہر سو پھیلے سبزہ زار بجی سنوری نازنینیں جن کی نگاہیں نظروں کو محصور کر لیتی اور جن کے ہوش ربا اشارے حوصلوں کو فزوں تر کرتے تھے۔ ان سب کی یادیں غالبؔ کے سینے میں تیر پیوست کرتی رہتی تھیں۔ کلکتہ کا ذکر میرے دل میں بھی تیر سا چبھوتا ہے لیکن غالبؔ والی وابستگیوں کے ساتھ نہیں۔ بلکہ کلکتہ کے ادب پروروں، سخن فہموں، کرم فرماؤں اور مخلص دوستوں کی صحبتوں، صاف ستھری علمی مجلسوں نیز اعلیٰ و ارفع ادبی محفلوں کی مہکتی ہوئی خوشگوار یادوں کی میٹھی چبھن دیر تک قلب و احساس میں ٹیس مارتی ہے۔ یادوں کا یہ سلسلہ اس وقت سے جاری و ساری ہے۔ جب مکرمی پروفیسر مظفر حنفی صاحب کی خصوصی دعوت پر میں محب محترم قاضی حسن رضا صاحب کی معیت میں بذریعہ گیتانجلی اکسپریس کلکتہ کے ہاوڑہ اسٹیشن پہنچا جہاں حنفی صاحب نے اپنے شاگردانِ رشید نسیم احمد فائق اور شکیل احمد خان کو ہمیں ریسو کرنے کیلئے متعین کر رکھا تھا۔ ان دونوں سعادتمند اور لائق و فائق نوجوانوں نے ہم دونوں غریب الدیاروں کو بحفاظت تمام بہ اہتمام مظفر حنفی صاحب کی قیام گاہ واقع کاکور گاچی پہنچا دیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمارے دس روزہ قیام تک بالخصوص نسیم فائق تقریباً ہر روز ہماری معاونت کے خاطر وہاں حاضری دیتے رہے۔

زندگی کے اس یادگار عشرے کو جن حضرات نے واقعی یادگار بنا دیا ان کی تعداد بلا مبالغہ سینکڑوں تک جا پہنچی ہے۔ ان میں چند احباب جن کا خلوص ہمیشہ کیلئے ذہن و دل پر منعکس ہو گیا ہے۔ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مثلاً شہود عالم آفاقی (مرحوم)، انجم عظیم آبادی، پرویز انجم، ناظم سلطان پوری، وہاب پردیسی، ڈاکٹر اشفاق انصاری، ڈاکٹر معصوم شرقی محمود راہی، عقیل احمد عقیل، افضال عاقل، ف، س، اعجاز، پروفیسر سلیمان خورشید، حبیب ہاشمی، عنبر شمیم، نسیم فائق، اور

شکیل احمد خان، وغیرہ نے صرف دس دنوں میں کلکتہ اور اس کے نواح کے وہ تمام تاریخی، ثقافتی، نیز علمی و ادبی مقامات ہمیں بالتفصیل دکھلائے جن میں سے بیشتر ان مقامات میں رہنے سہنے والے نہیں دیکھ پاتے ہوں گے۔

دو سال بعد مسلم انسٹیٹیوٹ کلکتہ کے زیر اہتمام دو صد سالہ جشن غالبؔ تقریبات کے تحت سمینار و مشاعرہ کے لئے مجھے مدعو کیا گیا۔ سہ روزہ پروگرام میں شرکت کی غرض سے اکولہ اسٹیشن سے بذریعہ گیتانجلی اکسپریس روانہ ہوا۔ ٹرین کی روانگی کے ساتھ دو سال پہلے کلکتہ میں گزری صبحیں، دوپہریں، شامیں میرے ذہن پر کسی فلم کے منظروں کی طرح سلسلہ وار منعکس ہو ہو کر گزرتی گئیں۔ یادوں کی وہ ساری شمعیں یک بیک وقت فروزاں ہو گئیں۔ جو احباب کلکتہ کے خلوص نے روشن کی تھیں۔ اور جن کی روشنی سے ذہن و دل کے نہاں خانے ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ کچھ ہی دیر میں ان خوشگوار یادوں نے قلب و احساس کے ساتھ پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور سرشاری کی کیفیت کا وہ عالم ہوا کہ آکولہ سے ہاوڑہ تک کہاں کہاں کیا ہوا کچھ بھی ہوش نہیں رہا۔ حتیٰ کہ ٹرین پورے بارہ گھنٹے لیٹ ہو کر دن میں ۳ر بجے کی بجائے رات میں ۳ر بجے ہاوڑہ اسٹیشن پر پہنچی۔ اس کا بھی کوئی خاص احساس نہیں ہوا۔ میں اس خوش فہمی میں تھا کہ مجھے اسٹیشن پر ریسیو کرنے کیلئے مسلم انسٹیٹیوٹ والوں نے ضرور کسی کو متعین کر رکھا ہوگا۔ پلیٹ فارم سے چلتے چلتے اسٹیشن کے باہر نکل گیا اور ٹیکسی والوں نے مجھے گھیر لیا۔ اسی اثناء میں دو نوجوانوں نے اس گھیرے کو توڑ کر میرے سامان سمیت مجھے ایک ٹیکسی میں ٹھونس دیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ انکل اتنی رات گئے ٹیکسی والوں پر بھروسہ نہیں کیا کرتے۔ وہ تو آپ اپنے والے ہیں............؟ مسلم انسٹیٹیوٹ تک وہ مجھے مسافرت میں خبرداری کے طور طریقے سمجھاتے رہے۔ مسلم انسٹی ٹیوٹ کے مین گیٹ پر بڑا سا تالا لٹک رہا تھا۔ اندر کچھ لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آواز دینے پر ایک نوجوان نے اندر ہی سے مدعا دریافت کیا۔ اظہار مدعا پر اس نے بتایا کہ ڈیڑھ دو بجے رات تک انسٹی ٹیوٹ کے ارباب کار یہاں موجود تھے وہ سب کچھ مقفل کر گئے گیٹ بھی۔ خود یہ کہ وہ ایک شادی کا باراتی ہے۔ جو کل انسٹی ٹیوٹ میں منعقد ہونے والی ہے۔ میرے کہنے پر کہ وہ صبح تک مجھے اپنے باراتیوں میں شامل

Scanned by CamScanner

Donated by Mohsin Khan

کرلے۔اس نے معذرت چاہی کہ وہ خود برآمدے میں شادی کے ساز وسامان کے ساتھ بے سروسامانی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ٹیکسی والے نوجوان نے میری بے چارگی دیکھ کر مجھے کسی ہوٹل تک یا ہاوڑہ اسٹیشن پہنچادینے کی پیشکش کی۔میں نے ٹیکسی کا دروازہ بند کرتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا کہ کلکتہ میں میرے کئی احباب موجود ہیں۔اور پھر میرا یہاں اپنا گھر بھی ہے وہیں چلو کہتے ہوئے میں نے انہیں اپنے برادرم مکرم پروفیسر مظفر حنفی کی رہائش گاہ واقع گورکا چی چلنے کے لئے کہا۔رات ساڑھے تین بجے حنفی صاحب کی خدمت میں موجود تھا۔جو بتارہے تھے کہ مسلم انسٹی ٹیوٹ والے ڈیڑھ بجے رات تک ریلوے اسٹیشن پر گیتانجلی اکسپریس کے تعلق سے پوچھ تاچھ کررہے تھے۔انکوائری کے ذمہ داروں سے ان کاروایتی غیر ذمہ دارانہ جواب پاکر کہ ٹرین کے آنے جانے کے بارے میں یقینی طور سے کچھ بتایانہیں جاسکتا۔سمینار و مشاعرہ کمیٹی کے کنوینر پروفیسر سلیمان خورشید اوران کے رفقاء کاروں نے ۱/۳۰ بجے ناامید ہوکر اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

صبح چائے ناشتے سے فارغ ہوکر بذریعہ ٹیکسی حاجی محمد محسن اسکوائر میں واقع مسلم انسٹی ٹیوٹ پہنچا۔

دوبرس پہلے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں میرے اور قاضی حسن رضا صاحب کے اعزاز میں ایک باوقار ادبی تقریب منعقد کی گئی تھی۔جس کی صدارت محترم سالک لکھنوی نے فرمائی تھی۔پروفیسر مظفر حنفی،علقمہ شبلی،انجم عظیم آبادی جیسے مشاہیر اس تقریب کے خصوصی مہمان تھے۔نیز کلکتہ کے سبھی نمائندہ شعراء نے شرکت فرمائی تھی۔

غالب سمینار کمیٹی کے ایک رکن نے چند قدموں پر واقع ہوٹل ڈالفن تک رہنمائی کی ۔جہاں مہمانوں کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ڈالفن نام پر کسی انگریزی یا مغربی طرز کی ہوٹل کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔لیکن کلکتہ کے رہنے والے یا وہاں آنے جانے والے جانتے ہیں کہ یہ شہر سڑکوں،گلیوں اور عمارتوں کے نام تبدیل کرکے ان کا بھارتیہ کرن کرنے سے تاہنوز محفوظ ہے۔یہاں کے لوگوں نے وہ نام ابھی تک جوں کے توں رہنے دیئے ہیں جو انگریزوں نے اپنے دوراقتدار میں رکھے تھے۔صرف یہی نہیں بلکہ اسی طرح کے نام رکھنے کی روش آج بھی زندہ

Scanned by CamScanner

ہے۔ ہوٹل ڈالفن کو بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ نوتعمیر شدہ رہائشی ہوٹل خالصتاً مسلم محلے میں واقع ہے جس کا مالک بھی مسلمان ہے۔ کمرہ نمبر۱۲ میں پروفیسر سلیمان اطہر جاوید پہلے ٹھہرے ہوئے تھے۔ حنفی صاحب نے مجھے ان کے ساتھ قیام کا مشورہ دیا کہ وہ میرے ہم مزاج ہیں۔ قطعی طور پر سنگل بیڈ والے اس روم کو ڈبل روم کا محض نام دیا گیا تھا۔ حسن اتفاق اطہر جاوید مجھ جیسے ہی قناعت پسند اور ہر حال میں راضی برضا دونوں نے صبر وشکر کے ساتھ تین روز اسی میں گزارے۔

بہرحال سلیمان اطہر جاوید نے مجھے نہایت گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ انہیں میرے ان کے ساتھ رہنے کا علم تھا۔ اور غالباً میرے ان کے ہم مزاج ہونے کا بھی۔ ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ جب کہ ہم دونوں برسوں سے ایک دوسرے کی تخلیقات کے وسیلے سے ہم آشنا تھے۔ سلیمان اطہر جاوید کے مختلف تحقیقی اور تنقیدی موضوعات پر مبنی مقالے برسوں سے ہندوپاک کے موقر اور ممتاز ادبی رسائل میں پڑھتا رہا ہوں۔ میں جاوید صاحب کی تحریروں کو اس لئے بھی بے حد پسند کرتا ہوں کہ وہ بہت کم لکھتے ہیں۔ لیکن نہایت احتیاط سے ناپ تول کر اور پھونک پھونک کر۔ کہیں بھی انگشت نمائی کی کوئی گنجائش نہیں رہنے دیتے۔ کلکتہ کے ڈالفن ہوٹل میں ایک ساتھ گزرے تین دن میری زندگی کے چند یادگار دن ہیں۔

شام ۷ بجے مسلم انسٹی ٹیوٹ کے ثقافتی ہال میں دوصد سالہ غالبؔ سمینار اور مشاعرہ کا افتتاحی اجلاس تھا۔ جاوید صاحب اور میں چہل قدمی کرتے ہوئے وہاں پہنچنے کے مقصد سے ۵ بجے ڈالفن سے نکل پڑے۔ ڈالفن اور مسلم انسٹیٹیوٹ کے درمیان چند قدم چلنے پر جاوید صاحب نے دائیں طرف اشارہ کیا۔ ایک وسیع وعریض نئی تعمیر شدہ انتہائی خوبصورت عمارت کے داخلی گیٹ پر مغربی بنگال اردو اکادمی کا بڑا سا چمکدار بورڈ آویزاں تھا۔ جی مچل گیا فرصت کے لمحات کا اس سے بہترین مصرف اور کیا ہوسکتا ہے کہ اردو کے عزووقار کی ضامن اس عمارت کو اندر سے باہر سے جی بھر کر دیکھ لیا جائے۔ گیٹ کے اندر اکادمی کے مختلف شعبہ جات کے لئے نہایت کشادہ اور خوبصورت بڑے بڑے کمرے۔ ایک صاحب کی رہنمائی میں سکریٹری کے دفتر میں داخل ہوئے۔ نہایت خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ ان کے ساتھ کلکتہ کے معروف اہل قلم بیٹھے

Scanned by CamScanner

تھے۔ بہرحال سکریٹری صاحب نے چاء منگوائی اور اکادمی کے سابقہ اور پیش آئندہ کارگزاریوں کے متعلق نیز عمارت میں واقع مختلف شعبہ جات کے بارے میں اندر باہر سے پوری عمارت کا چکر لگا کر بتاتے رہے۔ اور میں دل ہی دل میں شرماتا رہا۔ مغربی بنگال اکادمی کے شان وشکوہ سے رواداری کے لئے مشہور اپنے صوبہ مہاراشٹر کی اردو اکادمی کی بدحالی اور بیچارگی کا موازنہ کرکے جس کا کانگریس کے دور حکومت میں مَیں خود رکن رہ چکا ہوں اور جو پہلے منترالیہ کے بالمقابل مہاراشٹر گورنمنٹ کی ۱۸ منزلہ لق ودق اور فلک بوس بلڈنگ کی اٹھارویں منزل پر محض دو چھوٹے چھوٹے کمروں میں سمٹی ہوئی تھی۔ شیوسینا بھاجپ گورنمنٹ نے اسے وہاں بھی رکھنا پسند نہیں کیا اور کسی اولڈ کسٹم ہاؤس میں لیجا کر ٹھونس دیا۔ حکومت مغربی بنگال کی اردو کے تئیں کشادہ دلی اور ادب وفن سے والہانہ وابستگی پر ہمیشہ جی خوش ہوتا رہا ہے۔ تمام لوازمات سے آراستہ پیراستہ اکادمی کی عمارت دیکھ کر یہ خوشی سہ چند ہوگئی۔ سکریٹری صاحب نے بتایا کہ کل دوپہر میں پھر آپ حضرات کو تشریف لانا ہے۔ اکادمی تمام بیرونی مندوبین کے اعزاز میں عصرانہ دے رہی ہے۔ انتہائی خوشگوار تاثر لئے وہاں سے نکل کر مسلم انسٹی ٹیوٹ کے کلچرل ہال میں پہنچے جہاں تین روزہ پروگرام کا افتتاح ہونا تھا۔ برقی قمقموں اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجا ہال کھچا کھچ بھرا ہے۔ ویسے ہی خوبصورت اور پُروقار ڈائس پر ہمیں بھی رونق افروز کردیا گیا۔ افتتاحی جلسے کی صدارت وزیر برائے اقلیتی امور حکومت مغربی بنگال محمد امین صاحب نے فرمائی۔ جب کہ محترم بنگلہ شاعر سبھاش مکھو پادھیائے نے بنگلہ بھاشا میں اپنی مختصر تقریر کے ذریعہ غالبؔ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پروگرام کا افتتاح کیا۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، مظہر امام، علقمہ شبلی، پروفیسر مظفر حنفی کی تقاریر کے بعد محمد امین صاحب کے خطبہ صدارت پر اس جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔ بغل میں ایک کشادہ ہال میں مغربی بنگال میں اردو کا سفر اور غالبؔ موضوع کے تحت اس پروگرام سے ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔

میرے لئے دو باتیں ناقابل فراموش ہیں۔ ایک تو بنگلہ شاعر مکھو پادھیائے کا استقبال کہ ان کے ہال میں تشریف لاتے ہی ریاست کے وزیر محمد امین صاحب اردو اکادمی کے چیرمین سالکؔ لکھنوی صاحب اور اسٹیج پر رونق افروز تمام اہم شخصیتوں کا لپک کر انہیں ہاتھوں ہاتھ لینا۔ (کاش ایسا احترام

Scanned by CamScanner

اردو کے کسی شاعر کو نصیب ہوتا) شاعر موصوف کا اردو پروگرام میں اپنی زبان بنگلہ میں مختصر تقریر کرنا اور وزیر اقلیتی امور محمد امین صاحب کا صاف ستھری اردو میں۔

نمائش میں غالب سے متعلق نامور اور کمیاب کتابیں اور رسالے نہایت قرینے سے رکھے گئے تھے۔ ساتھ ہی مغربی بنگال اور بالخصوص کلکتہ کے ارباب قلم کی تصنیفات موجود تھیں۔ میرے لئے مرکز توجہ وہ گوشہ رہا جو پروفیسر مظفر حنفی سے متعلق کتب و رسائل کیلئے مختص تھا۔ جن میں ماہنامہ نئے چراغ کھنڈوہ کے چند شمارے اور مظفر حنفی پر میری تحقیقی کتاب بھی شامل تھی۔ نمائش کے فوراً بعد شام غزل کے تحت کلکتہ کے نامور غزل گائیکوں نے اپنی مسحور کن آواز کو دلکش موسیقی سے ہم آہنگ کر کے ذہن اور روح کو شاداب کر دیا۔

صبح کا ناشتہ اور کھانا جو ڈالفن والوں نے مہیا کیا تھا۔ ہوٹل میں موجود بھی مہمانوں کو بوجوہ بالکل نہیں بھایا۔ لہٰذا ہمارے میزبانوں نے شام میں قریب ہی واقع ہوٹل ''میزبان'' میں ہمارے لذت کام و دہن کی آزمائش کا بندوبست کر دیا۔ میزبان اسم با مسمّیٰ میزبان ہے۔ ہمہ اقسام کے خوش ذائقہ اور اشتہا انگیز کھانوں خوش سلیقہ اور مہذب میزبان عملہ میزبان کو ہر وقت مہمانوں سے کھچا کھچ رکھنے کا موجب ہیں۔ خدا ہر شہر اور بالخصوص ہر مسلم آبادی میں کم از کم ایک آدھ ایسے ''میزبان'' کو ضرور نازل فرمائے۔ رات سلیمان اطہر جاوید صاحب سے دیر تک مختلف موضوعات اور مقالات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔

دوسرے روز صبح ۳۰=۹ بجے ہی سمینار کا پہلا سیشن رکھا گیا تھا۔ لہٰذا نہا دھو کر چائے ناشتے سے جلدی فراغت حاصل کی اور ۹/ بجے مسلم انسٹی ٹیوٹ جا دھمکے۔

ہمارے میزبان اوّل پروفیسر سلیمان خورشید صاحب جو مسلم انٹی ٹیوٹ کے جنرل سکریٹری اور زیر تذکرہ سہ روزہ پروگرام کے کنوینر ہیں۔ استقبال کے لئے داخلی گیٹ پر موجود ہیں۔ اور ہر آنے والے کے قدموں میں اپنی پرخلوص مسکراہٹ کے پھول بکھیر رہے ہیں۔

سمینار کا پہلا سیشن ۱۲/ بجے شروع ہوا۔ صدارت پروفیسر مظفر حنفی نے فرمائی جب کہ پروفیسر سلیمان خورشید نے کوارڈینیٹر کے فرائض انجام دئے۔ مولانا اے۔ ایم۔ کے معصومی نے

Scanned by CamScanner

جو کلکتہ کی تاریخی درسگاہ مدرسۃ العالیہ سے متعلق ہیں۔ ''دیوان غالبؔ نسخہ حسین مرزا'' عنوان کے تحت کچھ ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی جو تا ہنوز پردۂ تاریکی میں تھے۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید نے ''گنجینۂ معنی کا طلسم غالبؔ'' عنوان کے تحت نہایت پر مغز اور متاثر کن مقالہ پیش کیا۔ جب کہ پروفیسر عنوان چشتی کے مقالے کا عنوان تھا ''غالبؔ اور تصوف'' ملک زادہ، انیس اشفاق، زرینہ ذرّین اور نسیم منان کے علاوہ راقم الحروف نے مقالے کے مختلف پہلوؤں پر اعتراضات اٹھائے۔ جن میں کسی بھی سوال کا تشفی بخش جواب عنوان چشتی نہیں دے پائے۔ راقم الحروف نے تو بشمول عنوان پورے مقالے کو غلط فہمیوں کا مخزن و منبع قرار دیتے ہوئے کہا کہ محض چند اشعار کی بنیاد پر غالبؔ کی شاعری پر کھینچ تان کر تصوف کا لیبل لگانا غیر منصفانہ ہوگا۔ مظفر حنفی کے صدارتی کلمات پر پہلے سیشن کا اختتام ہوا۔ مختصر سے درمیانی وقفہ کے بعد سمینار کے دوسرے سیشن کا آغاز مظہر امام کی صدارت میں عمل میں آیا۔ کوارڈینیٹر کے فرائض پروفیسر علقمہ شبلی نے انجام دیئے۔ راقم الحروف نے ''غالب عصر حاضر کا شاعر'' عنوان کے تحت اپنا طویل مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر انیس اشفاق کے انشائیہ نما مقالے کا عنوان تھا ''غالبؔ اور ہم'' جو اپنے اختصار جامعیت اور خوبصورت انداز میں پیش کش کی بناء پر خوب خوب پسند کیا گیا۔ پختہ کار ادیب' شاعر' صحافی' اور مغربی بنگال اردو اکادمی کے چیرمین حضرت سالک لکھنوی نے ''فارسی اردو شعرائے کرام اور غالبؔ'' اس عنوان پر منفرد اور اچھوتے زاویۂ فکر پر مبنی اپنا پر مغز مقالہ پیش کیا۔ پیش کردہ مقالات پر پروفیسر عتیق اللہ۔ پروفیسر انیس اشفاق اور پروفیسر مظفر حنفی نے گفتگو میں حصہ لیا۔ راقم الحروف کے مقالے کو اس بناء پر سراہا گیا کہ اس کی تیاری میں خاص عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے دورِ حاضر کے کئی شعراء کے درجنوں ایسے اشعار پیش کئے گئے تھے جن پر غالبؔ کے رنگ کی مکمل چھاپ ہے۔ یا اس کے رنگ کی توسیع کرتے ہیں۔ مظہر امام کے صدارتی کلمات نیز پروفیسر سلیمان خورشید کے اظہار تشکر پر یہ محفل برخاست کی گئی۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی جگہ رات ۹ بجے مشہور ڈرامہ نگار سیّد حیدر علی نے کلکتہ تھیٹر ایکشن گروپ کی جانب سے ڈرامہ مرزا غالبؔ پیش کیا۔ انسٹی ٹیوٹ کے متعلقہ ہال میں ڈرامے کے بنیادی لوازمات، لائٹنگ، ڈریسنگ اور پردوں وغیرہ کی کمی کے باوجود ڈرامہ اس

قدر کامیاب رہا کہ مسلسل ڈھائی گھنٹوں تک ہال کھچا کھچ بھرا رہا۔اس دوران بار بار نعرہ ہائے دادوتحسین اور پرشور تالیوں کی گونج میں لوگ اس قدر مسحور رہے کہ ازاوّل تا آخر ایک بھی ہال سے باہر نہیں نکلا۔ دستاویزی نوعیت کے اس کامیاب ترین ڈرامہ میں غالبؔ کے رول میں جاوید نسیم امراؤ بیگم کے رول میں نسیم منان اور نواب بانو ڈومنی کے رول میں سنجو گپتا نے ایاز کے رول میں نواب منصور اور فقیر کے رول میں ہبو شرما نے بیحد متاثر کیا۔مظہرامام نے اپنے مقالہ ''وحشتؔ اور غالبؔ'' میں غالبؔ سے وحشتؔ کلکتوی کا موازنہ غالبؔ کے ہمرنگ وحشتؔ مرحوم کے حوالے سے کیا۔شام کے کھانے سے فارغ ہوکر ڈالفن میں ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید کے ساتھ دیر رات تک دن بھر کے رنگارنگ پروگراموں کے تعلق سے تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ جو تمام تر خوشگوار تاثرات پر مبنی تھا۔۲۰/ڈسمبر کے چوتھے اور آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر علقمہ شبلی (وائس چیرمین مغربی بنگال اردو اکادمی) نے فرمائی۔ جب کہ نظامت کے فرائض پروفیسر نورالہدیٰ نے انجام دیئے۔معروف شاعر ڈاکٹر اسعد بدایونی نے ''غالبؔ شخص اور شاعر'' پروفیسر عتیق اللہ نے ''کلام غالبؔ میں تطابق یا نفی کی صورتیں'' اور پروفیسر ملک زادہ منظور احمد نے ''حیات غالبؔ کا ایک تحقیق طلب پہلو'' عنوانات کے تحت اپنے بیش بہامقالے نذر سامعین کئے۔ پروفیسر مظفر حنفی، پروفیسر عتیق اللہ۔ڈاکٹر اسعد بدایونی۔مولانا معصومی اور وجیہہ الدین جمال نے بحث میں حصہ لیا۔انجم عظیم آبادی کے اظہار تشکر پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

جیسا کہ ماقبل عرض کر چکا ہوں ہماری قیام گاہ ہوٹل ڈالفن اور مسلم انسٹی ٹیوٹ کے درمیان ایک نئی تعمیر شدہ چمچماتی ہوئی پرشکوہ وسیع وعریض کمروں پر مشتمل عمارت واقع ہے جو مغربی بنگال اردو اکادمی کی ملکیت ہے۔

سمینار کے متذکرہ آخری اجلاس کے بعد اکادمی کے ارباب کار نے سمینار کے مندوبین کے لئے ایک پر تکلف عصرانہ کا اہتمام کیا۔خوش ذائقہ بنگالی مٹھائیوں' پھلوں' اور مشروبات کے ساتھ وزیر برائے اقلیتی اموراور اردو اکادمی محمد امین صاحب، چیرمین محترم سالک لکھنوی اور وائس چیرمین علقمہ شبلی نے اکادمی کے اطمینان بخش اور صحت مند کارگزاریوں پر روشنی ڈالی۔ چلتے ہوئے

Scanned by CamScanner

بطور سوغات اکادمی کی مطبوعات کا بھاری بھرکم پیکٹ بھی ہر مہمان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ہمیں آسنسول اردو سوسائٹی کے جنرل سکریٹری عبدالجلیل اور ناظم نشرواشاعت وجیہہ الدین جمال نے اپنے آپ کا اور آسنسول اردو سوسائٹی کی کارگزاریوں کا سرسری تعارف کراتے ہوئے آسنسول آنے کی دعوت دی۔ ویسے بھی آسنسول ہمارے پروگرام میں پہلے سے شامل تھا۔ ہفت روزہ ''محرک آسنسول'' کے مدیر قیام انیس صاحب نے بیشتر لوگوں کو غالب سمینار کے اختتام کے بعد ۲۱ردسمبر کے لئے ہفتوں پہلے دعوت نامے بھیج کر رضامندی حاصل کر لی تھی۔ اس پروگرام کو ایک شام شمس الرحمٰن فاروقی کے نام موسوم کیا گیا۔ اور اس کے تحت محرک کے خاص نمبر کا اجراء ''اردو اکادمی حال اور مستقبل'' موضوع پر سمینار اور مشاعرہ کی تفصیلات ہمیں پہلے ہی محصول ہو چکی تھیں۔ طے شدہ تحریری پروگرام کے مطابق قیام انیس صاحب کے دو خاص نمائندوں کو کلکتہ میں ہماری خدمت میں حاضر ہو کر نذرانے کی پیشگی رقم اور واپسی کے ٹکٹ پیش کر کے ہمیں اپنے ساتھ آسنسول لیجانا تھا۔ تا کہ ہمیں دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن آسنسول اردو سوسائٹی کے عبدالجلیل صاحب اور وجیہہ الدین جمال نے کچھ اور ہی کہانی سنائی۔ جس کا خلاصہ کچھ اس طرح سامنے آیا کہ قیام انیس صاحب کو اس پروگرام کیلئے کہیں سے کسی قسم کی مالی اعانت بوجوہ مل نہیں پاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اس بارگراں سے سبکدوشی کیلئے جس تس سے دس بیس ہزار قرض مانگ رہے ہیں جس کے ملنے کی امید نہیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ بالخصوص مظہر امام بے حد پریشان تھے کہ وہ آسنسول سے واپسی کا ٹکٹ بنوا چکے تھے۔ میرے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا اس لئے ایک وہم کی طرح آسنسول کے خیال کو ذہن سے نکال پھینکا۔

ڈاکٹر معصوم شرقی ہم لوگوں سے ملاقات کی خاطر بطور خاص تشریف لائے تھے۔ اکادمی کے عصرانے کے بعد ان کے کہیں چلنے کی پیشکش پر میں نے کہا وہ سلیمان اطہر صاحب کو میٹرو ٹرین دکھلادیں۔ میں پچھلی بار اپنے طویل قیام کے دوران ہندوستان میں اپنی نوعیت کی اس برق رفتار ٹرین میں کئی بار حنفی صاحب اور احباب کے ساتھ سفر کر چکا تھا۔ حکومت مغربی بنگال کا اور کلکتہ کارپوریشن کا ایک نہایت عظیم منفرد اور قابل فخر کارنامہ ہے۔ یہ میٹرو ٹرین جو شہر بھر میں دور دور تک

Scanned by CamScanner

زیر زمین طول طویل اور کشادہ سرنگیں کھود کر تا حدِ نظر بجلی سے روشن کر کے جگہ جگہ خوبصورت چمچماتے ہوئے اسٹیشن تعمیر کر کے ایک جہانِ نو آباد کر دیا ہے۔ ٹکٹ خرید کر خود کار گیٹ سے پلیٹ فارم پر داخل ہونا۔ پلک جھپکتے بغیر کسی آواز کے ٹرین کا آنا۔ خود کار دروازہ کھلنا۔ اندر داخل ہوتے ہی بند ہو جانا۔ ہوا کی رفتار سے ٹرین کا سرسرانا۔ راستے میں اسٹیشن آنے سے پہلے اس کا اعلان۔ اسٹیشن آنے پر چپ چاپ لوگوں کا اترنا۔ چڑھنا۔ کوئی شور وشغب نہیں۔ کوئی دھکم پیل نہیں۔ بہر حال معصوم شرقی کے اصرار پر کہ ہم صرف ایک اسٹیشن پر جا کر لوٹ آئیں گے۔ ہم لوگ مسلم انسٹی ٹیوٹ سے بذریعہ ٹرام گریشن پارک پہنچے۔ میٹرو ٹرین سے اگلے اسٹیشن تک جا کر لوٹ آئے۔ سلیمان اطہر جاوید کو حیران ہونا تھا جب کہ میرے لئے سب کچھ دیکھا بھالا تھا۔ واپسی پھر ٹرام سے ہوئی۔ انگریزی دورِ حکومت کی یادگار ٹرام کو بمبئی والوں نے دیس نکالا دے دیا ہے۔ جب کہ کلکتہ والے اسے مست خرام حسینہ کی طرح ابھی تک سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے نہ جانے کیوں ہر بات کا منفی پہلو نظر آجاتا ہے۔ انگریزوں کے دور میں ٹرام پورے کلکتہ شہر میں دندناتی پھرتی تھی۔ اب ہوتے ہوتے اسے صرف چند علاقوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ وہاں بھی اس کی بیچارگی کا یہ عالم ہے کہ چمچماتی قیمتی کاریں تو چھوڑیئے۔ سائیکل رکشے اور پیدل چلنے والے تک اسے ہاتھ کے اشارے سے روک کر آگے نکل جاتے ہیں اسکی وہی حالت ہے جو اقتدار سے ہٹ جانے کے بعد مقتدر سیاسی آدمی کی ہوتی ہے۔ ٹرام اور میٹرو ٹرین کے علاوہ کچھ اور چیزیں جو کلکتہ کو ہندوستان کے دیگر شہروں سے منفرد کرتی ہیں ان میں ایک تو ہے بوٹ جو بحری جہاز اور ناؤ کے درمیان کی ایک چیز ہوتی ہے جو باوڑہ اور بنگلی شہروں اور کلکتہ کے درمیان آمد رفت کا واحد ذریعہ ہے۔ دوسرے سائیکل رکشہ جس پر آپ ہم جیسے آدمی بیٹھتے ہیں اور کھینچنے والے بھی ہماری ہی طرح آدمی ہوتے ہیں۔

پچھلی بار قاضی حسن رضا اور مظفر حنفی صاحب کے ساتھ ہمیں بوٹ کی سیر معصوم شرقی اور وہاب پردیسی نے کروائی تھی، ہاوڑہ سے ملحق وہیں ہم نے کمپنی باغ میں فائیکس ونگھیا نس جن نامی ۲۴۰ رسالہ پرانا پیڑ بھی دیکھا تھا جس کا پھیلاؤ ۴۲۰ میٹر جڑیں بانس جیسی اور جس کا تنہ ۱۹۲۵ میں نکال دیا گیا تھا۔ اور اب صرف جڑوں پر ایستادہ ہے بوٹ پلیٹ فارم (جسے بنگلہ میں جٹی کہتے

ہیں) سے ہم لوگ بذریعہ بوٹ مینار برج پہنچے۔ مشہور اسپورٹس کالم نویس اشتیاق احمد انصاری (الف انصاری) جو (سادات بنگال موضوع پر ڈاکٹریٹ پا چکے ہیں) نے اپنے گھر پر تکلف دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ سعیدہ بیگم نے کچھ اس خلوص سے دستر خوان سجا کر ہمیں کھلایا کہ ہر چیز کا ذائقہ دو چند ہو گیا۔ وہیں ہم نے اردو کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کا مقبرہ اور امام باڑہ بھی دیکھا۔ اور ان کے وارث پرنس انجم قدر سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی سعادت بھی حاصل کی۔ ڈاکٹر معصوم شرقی کی نسبت سے اور بھی بہت ساری باتیں یاد آ گئیں۔ اور ہاوڑہ مٹیا برج مین ہمارے اعزاز میں منعقد کئے جانے والے کئی مشاعرے اور نشستیں ان میں شریک ہونے والے شعراء اور شائقین کے تعلق سے کئی باتیں جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

مجھے اسی رات جشن غالبؔ کے آخری پروگرام یعنی کل ہند مشاعرے میں بھی شرکت کرنی تھی۔ اس لئے معصوم شرقی کے لامتناہی خلوص کے سلسلے کو منقطع کر کے ڈالفن لوٹ آنا پڑا۔ گرانی معدہ کے سبب شام کے کھانے کو سر دست ملتوی کر کے مسلم انسٹی ٹیوٹ کے اسی ثقافتی ہال میں پہنچے جس کے گوشے گوشے سے پچھلے تین دنوں سے غالبؔ کا جادو سامعین اور ناظرین کے سروں پر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ہال میں محاورتاً نہیں واقعتاً تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ یہی حال ڈائس کا بھی تھا۔ پانچ دس لوگوں کی گنجائش والی جگہ میں چالیس پچاس لوگ ٹھونس دیئے جائیں تو صورت حال کی مضحکہ خیزی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت سالکؔ لکھنوی، ملک زادہ منظورؔ احمد، مظفرؔ حنفی، عنوانؔ چشتی، والیؔ آسی، مظہرؔ امام، اسعدؔ بدایونی، علقمہ شبلیؔ، شہود عالم آفاقیؔ، انجمؔ عظیم آبادی، اور محبوب راہیؔ جیسے شاعروں کے مقابلے میں کتابوں رسالوں میں وقار اور اعتبار رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ بشیر بدرؔ، وسیمؔ بریلوی، راحتؔ اندوری، نوازؔ دیوبندی۔ جوہرؔ کانپوری، جمیلؔ خیر آبادی، نظرؔ ایٹوی، حبیب ہاشمیؔ، انجم رہبرؔ، ترنمؔ کانپوری، سنبل فیضانیؔ، اور ثمینہ ادیبؔ جیسے مشاعرہ باز شعراء و شاعرات بھی ڈائس پر جلوہ افروز تھے۔ جو اپنی دلکش آواز، سحر انگیز ترنم، ڈرامائی انداز پیش کش، اور دلربا اداؤں کے ہتھیاروں سے ہندو پاک کی سرحدیں پار کر کے سمندر پار کے کئی ممالک میں گاہے گاہے برپا ہونے والے مشاعروں کے میدانوں میں بخوبی اپنی مقبولیت کے پرچم گاڑ آئے تھے۔ اس صورتِ حال

Scanned by CamScanner

میں مشاعرہ کا آغاز و انجام کیسا ہوتا ہے مشاعروں سے کسی بھی قسم کی نسبت رکھنے والے جانتے ہیں۔

حضرت سالک لکھنوی نے طے شدہ مسندِ صدارت اس شرط پر قبول کی کہ وہ بسبب علالت کچھ دیر بعد چلے جائیں گے۔ ان کے جاتے ہی مظفر حنفی کے مشورے پر نقیبِ مشاعرہ ملک زادہ منظور احمد نے صدارت کیلئے بشیر بدؔر کا نام پیش کر دیا۔ حنفی صاحب اور مزید دو تین حضرات نے تائید در تائید کر کے بشیر بدؔر کی صدارت کو مستحکم کر دیا۔ پہلی بار یہ نکتہ سمجھ میں آیا کہ مشاعرہ میں بار بار دخل در معقولات یا نا معقولات کرنے والے کا بہترین علاج یہ ہے کہ اسے صدارت کے بندھنوں میں جکڑ دیا جائے۔ کسی بہانے مظفر حنفی صاحب تو مقام و مرتبہ سے بے نیاز گھنٹے بھر کے اندر ہی مشاعرہ پڑھ پڑھا کر نکل گئے۔ بشیر بدؔر بیچارے بیچارگی اور مظلومیت کا پیکر بنے پہلو بدلتے رہے۔ رات بھر کم و بیش پچاس شاعروں کو جھیلتے رہے۔ لطف کی بات یہ کہ ہر دوسرے شاعر کو بلاتے ہوئے ملک زادہ اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں بشیر بدؔر کو یاد دلاتے رہے کہ مظفر حنفی کا ایک مضمون ''بشیر بدرم'' اور ملک زادہ کی بالاقساط شائع ہونے والی کچھ حرکتوں کو طشت از بام کر چکے ہیں۔ بہر حال جیسا کہ اس قسم کے مشاعرے چلتے ہیں صبح تک یہ مشاعرہ چلتا رہا میں ۴ ربجے فارغ ہوتے ہی سلیمان اطہر جاوید کے ساتھ ڈالفن لوٹ آیا کیوں کہ جاوید صاحب کی صبح ۷ ربجے کی ٹرین سے حیدر آباد کیلئے روانگی تھی۔ نسیم فائق معاونت کیلئے ہوٹل تک ساتھ آئے اور جاوید صاحب کو صبح ۶ ربجے خدا حافظ کہہ کر میں کچھ دیر کیلئے سو گیا۔ تقریباً دس بجے نیند، غسل، اور ناشتے سے فارغ ہو کر ٹیکسی منگوائی اور حنفی صاحب کی قیام گاہ کا کورگاچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی روز سہ پہر مین ہاوڑہ کے کہنہ مشق ترقی پسند شاعر شمیم قیصؔر کے شعری مجموعے کے جشن اجراء میں شرکت کی صدارت کلکتہ کے صفِ اوّل کے شاعر پروفیسر اعزاز افضل نے فرمائی۔ ملک زادہ، عنوان چشتی، علقمہ شبلی، مظفر حنفی، اور راقم الحروف کی حیثیت مہمانِ خصوصی کی تھی۔ اعزاز افضل کا ایک خاص مقام میرے ذہن میں مظفر حنفی کے مضمون ''ایک تنقید گزیدہ شاعر اعزاز افضل'' کے وسیلے سے پہلے ہی سے محفوظ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ملاقات کے بعد وہ مقام کچھ اور بلند ہو گیا۔ شاگردانِ شمیم قیصؔر میں شاہد فراغی، پرویز انجم، افضال عاقل، عنبر شمیم (ایڈیٹر دستک) اشک آروی، شمیم آنولوی اور کلکتہ کے ان بیشتر شعرائے کرام اور ادب

Scanned by CamScanner

دوست حضرات سے اس پروگرام میں ملاقات ہوگئی۔ جنہوں نے پچھلی بار ہمارے اعزاز میں مختلف مقامات پر شاندار جلسے منعقد کیے تھے۔

دو دن ودھان نگر اور ہاوڑہ اسٹیشنوں کے چکر کاٹنے میں بیت گئے۔ حنفی صاحب بضد تھے کہ ریزرویشن کے کنفرمیشن کے بغیر وہ کھنڈوہ نہیں چلیں گے۔ ادھر ریلوے کا متعلقہ عملہ اپنی بات پر اٹل کہ ریزرویشن چارٹ ہاوڑہ اسٹیشن پر ٹرین چھوٹنے سے ایک گھنٹہ قبل دیکھ لیں۔ بالآخر اکیلا کاکورگاچی سے ہاوڑہ کیلئے نکلا۔ اسٹیشن پر کلکتہ کے عوامی مقبولیت کے حامل شاعر ماہنامہ شہود کے ایڈیٹر شہود عالم آفاقی (مرحوم) میرے منتظر تھے ان کا ریزرویشن کنفرم نہیں ہو پایا تھا جب کہ میرے پاس دونوں ٹکٹ کنفرم تھے۔ ایک میرا دوسرا حنفی صاحب کا۔ لہٰذا شہود عالم آفاقی صاحب کو ہاوڑہ سے بھساول تک مظفر حنفی کی حیثیت حاصل رہی۔ راستے میں سوائے اس کے کہ اکولہ اسٹیشن پر شکیل اعجاز اور انوار نشتر (جو حنفی صاحب سے ملاقات کی خواہش میں وہاں حاضر تھے) کے علاوہ میرا بیٹا جاوید اطہر کھانے کا ٹفن لئے موجود تھا۔ اور کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ بھساول سے کھنڈوہ ڈیڑھ دو گھنٹے کی مسافت میں بھی کوئی خاص وقوعہ ظہور میں نہ آیا۔ احباب کھنڈوہ قاضی حسن رضا، حبیب عالم، الحاج منشی خاں، ستار کھنڈوی، سلام عذری، وغیرہ نے دو روزہ غالب تقریبات کا اہتمام حسب روایت نہایت شاندار پیمانے پر کیا جس میں شہود عالم بحیثیت شاعر موجود تھے۔ راقم الحروف کو کھنڈوہ میں کئی حیثیتیں حاصل رہتی ہیں اس بار بھی مقالہ نگار، اناؤنسر، اور منتظم بیک وقت چار حیثیتوں کے ساتھ میں اس پروگرام میں شریک رہا۔ صبح شہود عالم آفاقی کو کلکتہ کے لئے روانہ کرنے کے بعد کلکتہ کے تعلق سے تمام تر یادوں کو سمیٹ کر اس روز شام میں اکولہ کے لئے روانہ ہوا۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

دو شاعر چار دن بمبئی میں (چند خوشگوار یادیں)

شہرت و ناموری کا چسکہ کسے نہیں ہوتا۔قدر دانی اور عزت افزائی کس کو بری لگتی ہے۔بظاہر بے نیازی اور قناعت پسندی کی خاکستر تلے شہرت طلبی کی کوئی نہ کوئی چنگاری ضرور دبی ہوتی ہے۔جو ہوا پاتے ہی شعلہ زن ہو جاتی ہے۔مجھ ایسے مشاعروں،جلسوں اور سمیناروں وغیرہ کی ہنگامہ آرائیوں سے الگ تھلگ ہمہ وقت ایک گوشۂ عزلت میں تخلیق شعر وادب میں مگن رہنے والے کو جب بمبئی سے (نیو ایرا ایجوکیشن سوسائٹی اور گلشن ادب) میرے شعری مجموعے ''بازیافت'' کی رونمائی اور میرے اعزاز میں جلسہ منعقد کروانے کی اجازت طلبی کے خطوط ملتے ہیں تو میں فوراً آمادگی ظاہر کر کے بمبئی کیلئے رختِ سفر باندھنے لگتا ہوں۔دشتِ شعر وادب کی سیاحی میں ربع صدی گزار چکا ہوں لیکن بمبئی کے ادبی حلقوں میں بالمشافہ متعارف ہونے کا یہ اوّلین موقع ہے۔بمبئی والوں کے بارے میں بہت سی اُلٹی سیدھی باتیں سن رکھی ہیں۔بمبئی کی تام جھام نمائش پسندی اور ہنگامہ آرائی کس حد تک راس آئے گی مجھے۔وہاں کے اعلیٰ وارفع ادبی حلقوں تک کیونکر رسائی حاصل کر سکوں گا۔میں شب وروز بین الاقوامی حیثیتوں کے حامل شاعروں اور ادیبوں کے درمیان نشست و برخاست رکھنے والے بمبئی کے ارباب ذوق کا کیا برتاؤ ہوگا مجھ کم آمیز عزلت نشین کے ساتھ۔خوش گمانیوں،بدگمانیوں،امیدوں،اندیشوں،انجانی مسرتوں اور مبہم سے خوف کے مشترکہ جذبات ساتھ لئے صبح ۹ ربجے گھر سے روانہ ہوتا ہوں۔اکولہ سے غنی اعجاز صاحب (گذشتہ دنوں رحلت پا چکے ہیں) بھی میرے شریک اعزاز ہیں۔ان کے دولت کدہ پر پہنچتا ہوں انہیں اپنا منتظر پاتا ہوں وہ بھی میری ہی طرح اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا لگتے ہیں یہ اور بات کہ اپنی طبعی متانت کیوجہ سے اس کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔ایک اور بات ہم دونوں میں مشترک ہے جب کوئی سفر در پیش ہوتا ہے۔گھر بھر میں ایک ہنگامہ سا مچائے رکھتے ہیں ہم۔کپڑے پریس ہو کر آئے یا نہیں۔جوتوں کو پالش کروالی ہے یا نہیں۔ٹکٹ کیلئے کون گیا ہے۔گاڑی لیٹ ہے یا وقت پر،لیٹ ہے تو کتنی۔کس پلیٹ فارم پر آئے گی۔رش تو نہیں ہوگا۔برتھ کنفرم ہے یا نہیں۔نچلی ہے،درمیانی

rekhta

Scanned by CamScanner

ہے یا اوپری۔ مختصر یہ کہ ایک عالم وحشت ہوتا ہے۔ اعصاب میں تناؤ اور تشنج سی کیفیت ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ گاڑی میں سوار ہو کر اپنی برتھ پر جم نہ جائیں۔ قیاس ہے کہ ہماری روانگی کے بعد یک گونہ طمانیت بخش آسودگی محسوس کرتے ہونگے ہمارے ارباب خانہ بھی تو عرض کر رہا تھا غنی اعجاز صاحب کیل کانٹے سے لیس سراپا انتظار تنے کھڑے ہیں۔ شکیل اعجاز بمبئی والوں کی فرمائش کی تکمیل میں مجھ پر خاکہ لکھ رہے ہیں۔ جو بقول ان کے پندرہ دنوں سے لکھا جا رہا ہے اور پندرہ منٹ میں مکمل ہوا چاہتا ہے۔ جبکہ مجھے یقین ہے کہ لکھنے کی ابتداء محض پندرہ منٹ قبل ہوئی ہوگی۔ رکشہ کیلئے بچہ بھیج دیا گیا ہے تاب انتظار کس کو ہے۔ ''سڑک پر مل جائے گا۔'' کہہ کر سوٹ کیس لٹکائے گلی میں نکل پڑتے ہیں۔ شکیل اعجاز ہنوز خاکہ لکھ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ آپ لوگ چلئے ابھی ابھی مکمل کر کے اسٹیشن پہنچتا ہوں۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اسٹیشن پہنچ گئے ہیں۔ گیتانجلی اکسپریس کی آمد (Arrivel) ۱۱ ربج کر ۵۵ منٹ روانگی (Departur) ۱۲ ر بجے ہے۔ میری سیٹ کنفرم ہے۔ اعجاز صاحب کی نہیں۔ ۵۰ فیصد اطمینان ۵۰ فیصد بے اطمینانی۔ وحشت کا کچھ تو جواز ہے۔ انسانوں کا سیلاب پلیٹ فارم پر پھیل چکا ہے۔ افراتفری، نفسا نفسی۔ انتشار۔ بھاگ دوڑ۔ کیا قیامت اس سے کچھ مختلف ہوگی۔ ہماری بدحواسی کی دو وجہیں ہیں۔ ایک گاڑی، دوسری شکیل اعجاز۔ دونوں کی آمد کا انتظار۔ گاڑی بھلے ہی وقت پر آجائے لیکن شکیل اعجاز۔۔۔۔؟ جو خاکہ لکھ رہے ہیں؟ لیکن یہ کیا! اپنے مختصر سے وجود کے ساتھ کاغذات کا پلندہ سمیٹے ہانپتا کانپتا پلیٹ فارم کے دوسرے سرے سے ایک ہیولا سا دوڑا چلا آرہا ہے۔ لگتا تو شکیل اعجاز ہی سا کچھ ہے۔ واقعی شکیل اعجاز ہیں۔ آتے ہی پلیٹ فارم پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے ہیں۔ کاغذات بریف کیس پر پھیل گئے ہیں۔ قلم ہاتھ میں ہے۔ خاکہ مکمل کر رہے ہیں۔ سگنل ہو چکا ہے۔ لوگ اپنے آپ کو سمیٹ رہے ہیں۔ پھر ایک بار آوازوں کا طوفان اٹھتا ہے۔ گاڑی پلیٹ فارم سے آلگی ہے۔ گھونسے دھکے کھاتے ہوئے ہم اپنے کمپارٹمنٹ میں گھس گئے ہیں۔ پیچھے پیچھے کاغذات کا پلندہ اور کامیابی سے تمتماتا ہوا چہرہ لیے شکیل بھی مرحبا، آفرین، خاکہ مکمل ہو چکا ہے۔ گاڑی رینگنے لگی ہے۔ شکیل اعجاز نیچے اتر کر خدا حافظ کہہ رہے ہیں۔ اسٹیشن چھوٹ چکا ہے۔ ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں اندر کی طرف بڑھتے

Scanned by CamScanner

ہیں۔غنی اعجاز صاحب کیلئے بھی جگہ بنادی گئی ہے۔ہم سفر خاصے مہذب اور شریف الطبع لگ رہے ہیں۔سفر خوب کٹے گا۔غنی اعجاز صاحب بے چین ہیں۔کنڈکٹر آتا ہے۔اپنی آواز میں شیرینی اور لہجے میں لجاجت گھول کر عرض مدّعا کرتا ہوں۔پتہ نہیں اس شیرینی اور لجاجت کی تاثیر ہے یا ہمارے چہروں پر برستی ہوئی بدحواسی اور بے چارگی کی۔کنڈکٹر ہمارے لیے کھڑکی کی جانب آمنے سامنے والی سیٹوں کے علاوہ اوپر والی برتھ بھی ہماری جھولیوں میں ڈال کر اپنی سخاوت سے ہمیں شرابور کر دیتا ہے۔یقیناً اس شخص کا سلسلۂ نسب حاتم طائی تک پہنچتا ہوگا۔بن مانگے موتی پا کر مسرت سے سرشار ہم فراغت سے اپنی سیٹوں پر پیر پھیلا کر براجمان ہو چکے ہیں۔گاڑی اُڑی جارہی ہے۔اپنے گرد وپیش نظریں دوڑاتا ہوں۔ڈبے میں سبھی ہم عمر ہمسفروں کو دیکھ کر یک گونہ سکوں وطمانیت کا احساس ہوتا ہے۔عمر بھی تو نہیں رہی تانک جھانک کی۔خواہ مخواہ خفت اٹھانے سے تو بچ گئے۔وقت گزاری کیلئے لوگ مختلف موضوعات پر اپنی قابلیت اور ہمہ دانی کے مظاہرے فرمارہے ہیں۔کہیں ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ ہورہا ہے تو کہیں آدرشوں کو تختۂ مشق بنا کر رگیدا جارہا ہے۔کسی برتھ پر اخلاقیات کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم ہورہا ہے۔تو کسی کونے میں دھرم اور مذہب باہم گتھم گتھا ہیں۔ہم دونوں اپنے گرد وپیش سے بے نیاز محویت کے عالم میں غرق ہو چکے ہیں کہ اچانک سامنے والی برتھ سے قمیض پاجامہ اور جیکٹ پوش ایک صاحب وارد ہوتے اور تمام تر تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم دونوں کے درمیان بیٹھ کر اپنی ذوق سخن فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غنی اعجاز صاحب سے مخاطب ہیں۔آپ نے کچھ دیر پہلے جو شعر بولا اسکا ایک مصرع ہم کو بہت اچھا لگا۔ہم حیران ! یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے!!لاکھ ان کی دخل در معقولات ناگوار خاطر سہی آخر اخلاقی روایات کی پاسداری بھی تو کوئی چیز ہے۔۔۔۔کون سا مصرع جناب؟غنی اعجاز صاحب طوعاً وکرہاً مجسم اخلاق بنے پوچھ رہے ہیں۔۔۔''صاحب وہ تو یاد نہیں رہا لیکن مصرع بہت اچھا تھا'' پھر مزید پیش قدمی فرماتے ہوئے ہمارا جغرافیہ ناپنے پر اتر آتے ہیں۔مان نہ مان میں ترا مہمان۔اپنے تعلق سے بھی کچھ نہیں بہت کچھ فرمارہے ہیں۔کھلا کہ موصوف بمبئی میں نہ صرف یہ کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہیں۔بلکہ سونے پر سہاگہ ہمارے برادران ملّت میں سے بھی ہیں۔۔۔۔برتھ کے استعمال کا اس سے زیادہ

موزوں وقت کون سا ہوسکتا ہے۔غنی اعجاز صاحب کو اس مردِ مجاہد کے رحم و کرم پر چھوڑ کر او پر والی برتھ پر دراز ہو جاتا ہوں۔انہیں کس طرح گلو خلاصی نصیب ہوئی پتہ نہیں۔ بھساول گزر چکا ہے۔ٹرین میرے تخیل سے زیادہ تیز دوڑ رہی ہے۔غنودگی کے سبزہ زاروں سے لوٹتا ہوں۔گاڑی ایک نہایت پر فضا اسٹیشن پر کھڑی ہے۔نام اگت پوری ہے۔ہلکا سا ناشتہ کر کے چلے تھے۔بھوک چمک اٹھی ہے۔توشہ دان کا جھمیلا رکھنے کے دونوں قائل نہیں۔ کیلے،انگور، بڑے وغیرہ ٹھونس ٹھانس کر معاملہ رفع دفع کیا جاتا ہے۔ٹرین چل پڑی ہے۔کھڑکی سے لگا بیٹھا دور دور حدنگاہ تک پھیلے سبزہ پوش پہاڑی سلسلوں،سرسبز وشاداب وادیوں،گھاٹیوں، درّوں اور پلوں پر مشتمل دلکش مناظر سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ٹیکسی ڈرائیور صاحب کے مکرر نزول کا خدشہ دھیرے دھیرے زائل ہو رہا ہے۔آدمی سمجھدار اور معاملہ فہم لگتا ہے۔ٹیکسی ڈرائیور جو ٹھہرا۔ناسک،کلیان،اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے اور اہم اسٹیشن درمیان میں پڑتے ہیں لیکن گیتانجلی ہے کہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتی اور ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ مستانہ وار لہراتی چلی جاتی ہے۔معلوم ہوا کہ بھساول کے بعد گیتانجلی صرف اگتپوری پر ٹھہرتی ہے اور اس کے بعد ایک دم بمبئی کے مضافتی اسٹیشن تھانہ۔۔۔ لیجیے تھانہ بھی آگیا۔جنہیں اترنا تھا اتر چکے ہیں۔ہماری منزل اگلا اسٹیشن دادر ہے۔جہاں اتر کر ہمیں اپنے آپ کو بمبئی کے سپرد کر دینا ہے۔اضطراب کی جس کیفیت سے روانگی کے وقت دوچار تھے پھر اسی کا سامنا ہے۔دادر آرہا ہے۔گاڑی کی رفتار جیسے جیسے دھیمی ہو رہی ہے دھڑکنوں کی رفتار تیز تر ہوتی جارہی ہے۔گاڑی تھمتے ہی دل تھامے سوٹ کیس سنبھالے پلیٹ فارم پر اتر آئے ہیں۔جہاں سارا بمبئی شہر ہمارے خیر مقدم کے لیے امڈ آیا ہے تصور کی دنیا سے حقیقت کی طرف لوٹتے ہیں تو غنی غازی اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب لپکے چلے آرہے ہیں۔گرمجوشانہ معانقے اور تعارف کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب علی بخش ہیں۔ ''گلشن ادب'' کی شطرنج کا ایک اہم مہرہ۔دونوں نے جھپٹ کر ہمارے ہاتھوں سے سوٹ کیس لے لیے ہیں اور اندھیری جانے والی لوکل کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ہم ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ٹکٹ لیکر لوکل کے پلیٹ فارم پر پہنچتے ہیں۔پناہ بخدا ! مجھے تو اکولہ اسٹیشن پر ہی قیامت کا منظر دکھائی دیا تھا۔وہ قیامت کا ہے کو تھی۔ قیامت تو یہاں ہے۔نفسا

Scanned by CamScanner

نفسی، بدحواسی، بھاگم بھاگ میں سبھی ایک دوسرے پر بازی لے جا رہے ہیں۔ چند ہی منٹوں میں لوکل آتی ہے۔ مرنے جینے سے بے نیاز دروازوں، کھڑکیوں میں پھلدار درخت کی طرح مسافروں سے لدی پھدی ٹرین رُکتے ہی بیک ساعت شہد کی مکھیوں کی طرح تمام لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اترنے والوں کو بھی اتنی ہی جلدی ہے ورنہ اندر ہی اندر پھنسے رہ جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ غنی غازی پہلے ہی ترکیب بتا چکے ہیں کہ ہم لوکل میں چڑھتے اور اترتے ہوئے چڑھنے اترنے والوں کے ریلے میں بس اپنا بیلنس سنبھال کر کھڑے ہو جائیں۔ چڑھنے اور اترنے کا عمل اپنی کسی شعوری کوشش کے بغیر تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ ہم نے اس مشورے سے انحراف نہ کرتے ہوئے اپنے تمامتر حواس کو مجتمع کر لیا۔ اعصاب پر گرفت مضبوط کر لی اور رگ و پے میں بجلیاں بھر کر اپنے آپ کو مکھیہ دھارا میں شامل کر لیا اور لوکل میں ٹھنس گئے ہیں۔ اے پیاری لوکل! تجھ سے بے اعتنائی بھی تو ممکن نہیں کہ عروس البلاد بمبئی میں ایک تو ہی تو واحد ذریعہ ہے ہم جیسے بے اوقاتوں کو بمبئی کے طول و عرض سمیٹنے، فاصلوں کو کم کرنے کا۔ اس بے پناہ بھیڑ بھاڑ میں اگر کوئی بدبخت دم گھٹ کر، کچل کر مر جاتا ہے۔ اپنی جیب کٹوا لیتا ہے۔ اپنی عزت و عفت سے لچوں لفنگوں کو کھلواڑ کرنے دینے پر مجبور ہوتا ہے تو اس کی بدنصیبی ہے اس میں بھلا تیرا کیا قصور؟

اندھیری اسٹیشن پر لوکل کے رُکتے ہی پیچھے سے اترنے والوں کا جو ریلا آیا تو دفعتاً ہم نے اپنے آپ کو پلیٹ فارم پر پایا۔ اللہ کا شکر ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ باہر نکل کر غنی غازی پھل وغیرہ خرید رہے ہیں۔ علی بخش آٹو رکشہ والوں کو گلبرٹ ہل چلنے کیلئے آمادہ کر رہے ہیں۔ بمبئی میں کم فاصلوں کیلئے ٹیکسی یا رکشہ والے بالعموم جی چراتے ہیں۔ بھئی قریب ہے تو پیدل ہی چلے چلتے ہیں۔ ہماری پرخلوص پیش کش لوٹا دی جاتی ہے اور بدقت تمام دو رکشوں میں یہ مختصر سا قافلہ قریب ہی گلبرٹ ہل روڈ پر واقع غنی غازی کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

غنی غازی بلڈانہ ضلع کے شہر ناندورہ کے متوطن ہیں۔ چند برس پہلے بسلسلہ مُلازمت بمبئی آ کر یہیں بس گئے ہیں۔ طمانیت ہوئی کہ بمبئی میں جہاں نو وردوں کو سر چھپانے کے لیے جگہ نہیں ملتی غنی غازی دو کشادہ کمروں پر مشتمل خوبصورت گھر کے مالک ہیں۔ بیرونی خوبصورت پردوں اور

دلکش رنگ و روغن سے آراستہ و پیراستہ کمرے میں خوبصورت فرنیچر کے علاوہ درمیان میں فرش کارپیٹ سے ڈھکا ہوا ہے۔ دو دیوار گیر الماریاں کتابوں، رسالوں سے پر ہیں۔ میں اپنی اس روحانی غذا پر ٹوٹ پڑتا ہوں۔ خوشی ہو رہی ہے اس نوجوان ادیب کا ستھرا ادبی ذوق دیکھ کر۔ اتنے میں بیک وقت چھ سات لوگ کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ گلشن ادب اور نیو ایرا ایجوکیشن سوسائٹی کے عہدیداران اور اراکین ہیں۔ تعارف کے ساتھ ساتھ ہماری گلپوشی بھی ہو رہی ہے۔ ان عزیزوں کے خلوص کی خوشبو سے پورا کمرہ مہک رہا ہے۔ مزید میرے اور غنی اعجاز صاحب کے گلے میں مہکتے ہوئے خوشرنگ پھولوں کے ہار ڈالے جا رہے ہیں۔ یہ غفور خاں صاحب ہیں۔ یہ محمد امین صاحب ہیں امراؤتی کے رہنے والے۔ یہ دیکھا بھالا چہرہ قاضی ناظم الدین کا ہے بلڈانہ کے ہیں۔ یہ فلاں ہیں۔ وہ فلاں ہیں۔ وہ۔ وہ معلوم ہوا کہ یہ تمام مخلصین ہمارے استقبال کے لیے اسٹیشن پہنچے تھے اتفاق سے ٹرین وقت سے کچھ پہلے آ گئی۔ وہاں سے بھاگے بھاگے آ رہے ہیں۔ سگنل ہو رہا ہے۔ کھانا تیار ہے۔ دستر خوان سجادیا گیا ہے۔ مرغ۔ پلاؤ۔ بریانی۔ زردہ۔ پاپڑ۔ چٹنی۔ اچار۔ مٹھائیاں اور نہ جانے کیا کیا۔ بھئی اپنوں کے لیے ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی۔ امین معذرت کر رہے ہیں۔ باقی لوگ دستر خوان پر ڈٹ گئے ہیں۔ دن بھر کی بھوک اور لذیذ کھانا ایسا تال میل بالعموم کم ملتا ہے۔ کھانے کے ساتھ مکمل انصاف کیا جا رہا ہے۔ کچھ دیر گپ شپ کے بعد باہر نکل پڑتے ہیں۔ قریب ہی ناظم الدین کا کمرہ ہماری قیام گاہ ہے۔ دوسری منزل پر پہنچنے کے لیے لکڑی کی سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ کمرہ خاصا کشادہ ہے اور ہوادار بھی۔ گلبرٹ بل پر واقع ہے۔ اس لئے بمبئی کی کئی کئی منزلہ عمارتوں کی ہمسری کر رہا ہے۔ گیلری سے حد نگاہ تک جگمگاتی ہوئی سر بفلک عمارتیں نظر آ رہی ہیں۔ مختلف موضوعات پر گفتگو کے سلسلے دیر تک چل رہے ہیں۔ ''ایک بج چکا ہے۔ اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ صبح ملتے ہیں۔'' کہتے ہوئے تمام احباب رخصت ہوتے ہیں۔ کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ ناظم الدین اور ان کے روم پارٹنر محمد اکرم رہ گئے ہیں۔ آرام دہ سفر اور میزبانوں کے خلوص کے خوشگوار تاثرات کے ساتھ ہم اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر چکے ہیں۔

صبح ۸ ربجے آنکھ کھلی ہے۔ ناظم انڈوں کا آملیٹ تیار کرنے میں مگن ہیں۔ ایک طرف

Scanned by CamScanner

تھال میں پراٹھوں کا ڈھیر لگا ہے۔چہرے سے مسرت کی پھواریں چھوٹ رہی ہیں۔کیا ہو رہا ہے ناظم میاں۔جی ناشتہ تیار کر رہا ہوں۔آپ لوگ تیار ہو جائیں۔''لیکن بندۂ خدا پوچھ تو لیا ہوتا۔۔۔۔ایک تو معدہ رات کی مرغن غذاؤں سے بوجھل ہو رہا ہے۔دوسرا ہم ساتھ لائے نہیں۔''لیکن اب ناظم جو صبح سویرے اپنا آرام تج دے کر ہمارے لیے اتنی زحمت اٹھا چکے ہیں اس کا بہترین نعم البدل یہی ہوگا کہ جس طرح بھی ہو ناشتہ ٹھونس لیا جائے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۰ بجے مدنپورہ میں واقع انجمن خیرالاسلام کے لیے نکل پڑتے ہیں۔جہاں غنی غازی ہمارے منتظر ہونگے۔ناظم کی رہنمائی میں اندھیری سے بذریعہ لوکل چرچ گیٹ،وہاں سے بذریعہ ٹیکسی مدنپورہ اور وہاں قدرے پوچھ تاچھ کے بعد انجمن خیرالاسلام کی بالائی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔جہاں غنی غازی سراپا انتظار ہیں۔غنی غازی بمبئی کی چند جھلکیاں دکھلانے کے لیے ہمیں ساتھ لیکر چل پڑتے ہیں۔قریب ہی مولانا آزاد روڈ پر اردو ٹائمز کا دفتر ہے۔وہاں تک پیدل چلنے کی ٹھہرتی ہے۔معدہ کا بوجھ بھی کچھ کم کرنا ہے۔گجریا منزل کے دوسرے منزلے پر پہنچ کر غنی غازی مختلف حضرات سے متعارف کروا رہے ہیں۔یہ خلش جعفری ہیں۔یہ کامل چاندپوری ہیں۔یہ فلاں ہیں وہ فلاں اور وہ۔۔۔۔انجم رومانی موجود نہیں۔مشاعرے میں شرکت کے لیے کھامگاؤں تشریف لے گئے ہیں۔توقعات سے کچھ زیادہ پذیرائی ہو رہی ہے ہماری۔میں زیادہ تر باتوں کا جواب ہوں ہاں میں دے رہا ہوں۔ذہن دورِ ماضی کی یادوں میں پہنچ گیا ہے۔کم و بیش پچیس برس قبل اسی اخبار سے میرے تخلیقی سفر کی شروعات ہوئی تھی۔۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء کے شعرستان کالم میں سب سے نیچے میری غزل چھپی تھی۔کیا بے پناہ مسرت ہوئی تھی۔سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ اس وقت اتنی سی بات کیلئے میں نے دوستوں کی دعوت کی تھی۔کئی روز تک ایک ایک کو وہ اخبار دکھلاتا پھرتا تھا۔''اب کسی بات پر نہیں آتی۔'' وہ خوشگوار یاد زندگی کا بیش بہا سرمایہ رہا ہے۔وہاں سے بذریعہ ٹیکسی بلٹز کے دفتر پہنچے ہیں۔کاؤس جی پٹیل اسٹریٹ میں پٹیل ہاؤس ایک پروقار عمارت ہے۔اسی میں سنے بلٹز،ہندی،انگریزی،اور اردو بلٹز کے دفاتر واقع ہیں۔تمام کے چیف ایڈیٹر آر۔کے۔کرنجیا سیکولر مزاج کے مالک ہیں۔محمود ایوبی۔شمیم طارق۔رشید آرٹسٹ سے

Scanned by CamScanner

تعارف ہو رہا ہے۔ یہ جان کر مسرت ہو رہی ہے کہ یہ حضرات میری اشاعت پذیر تخلیقات کے وسیلے سے مجھے جانتے ہیں۔غنی اعجاز صاحب کی تصویر بلٹز میں چھپ چکی ہے۔شکیل اعجاز گفتگو کا موضوع بنتے ہیں۔ یہ حضرات ان کے معجزنما آرٹ کے مداح ہیں۔اس بار میرا بھی اسکیچ تیار کر کے بھیجا ہے۔محمود ایوبی صاحب جلد چھاپنے کا وعدہ کر رہے ہیں۔چائے کے ساتھ شمیم طارق سے مختلف موضوعات پر گفتگو چل پڑی ہے۔بیحد ذہین۔تیز وطرار اور صاحب فہم وادراک ہیں۔ادب، مذہب، سیاست، تاریخ ہر موضوع پر نپے تلے انداز میں بے تکان بولتے چلے جا رہے ہیں۔ابھی اور جگہوں پر جانا ہے۔ بہ جبر و اکراہ اجازت طلب کر رہا ہوں۔ٹیکسی روزنامہ انقلاب کی طرف دوڑ رہی ہے۔تاردیو روڈ پر ایک گلی میں بڑا سا دفتر ہے۔یہیں سے مشہور انگریزی روزنامہ مڈڈے اور ہفت روزہ اسپورٹس ویک بھی نکلتے ہیں۔ہر ایک کا شعبہ الگ ہے۔انقلاب سے بھی اپنی تخلیقات کے وسیلے سے میرے دیرینہ مراسم ہیں۔سامنے ہی سب ایڈیٹر سعید انصاری کی میز ہے۔انتہائی گرمجوشی سے مل رہے ہیں۔ممبرا میں پچھلی ملاقات کی یاد دلا رہے ہیں۔ذہن پر زور دیتا ہوں۔غنی غازی بیحد چالاک اور معاملہ فہم ہیں۔ مجھے الجھن سے نکالنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔۔۔آپ پچھلی بار آئے تھے اس وقت کی بات کر رہے ہیں انصاری صاحب "ہاں ہاں ٹھیک یاد آیا" دل ہی دل میں اپنی منافقت پر ندامت محسوس کر رہا ہوں۔ نیاز اعظمی سب ایڈیٹر اور دیگر حضرات بھی پرخلوص انداز میں مل رہے ہیں۔کل کے شمارے کی تیاری میں لگے ہیں۔لہٰذا اجازت حاصل کر کے ٹیکسی میں بی۔ایڈ کالج کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔

برٹش دور کی پتھروں سے تعمیر کردہ بلندی پر واقع ایک پرشکوہ عمارت ہے۔جس میں کئی صوبائی دفاتر اور کالجس ہیں۔کئی سیڑھیاں طے کر کے مختلف زینوں سے گزر کر تلاش بسیار کے بعد پروفیسر مسز نورالعین علی سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔روایتی خوش اخلاقی کے ساتھ سادہ سی ساڑی میں ملبوس ادھیڑ عمر کی ایک پروقار خاتون ہمیں خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔یہی مسز علی ہیں۔نوجوان افسانہ اور ڈرامہ نگار اقبال نیازی بھی پہنچ گئے ہیں۔جن سے ہماری دیرینہ ملاقاتیں ہیں۔مسز نورالعین علی سے غنی اعجاز صاحب نے پرانے تذکرے چھیڑ دیئے ہیں۔محترمہ

Scanned by CamScanner

دراصل امراؤتی کے صاحب کمال شاعروادیب مرحوم حبیب الرحمٰن صدیقی کی صاحبزادی اور ذکاء صدیقی کی ہمشیرہ ہیں۔حبیب الرحمٰن صدیقی کا دولت کدہ کسی زمانے میں علمی،ادبی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔جہاں آئے دن شعروسخن کی محفلیں آراستہ ہوتیں۔ادبی اورفنی نکات پر بحثیں چھڑتی تھیں۔مسز علی زنانے میں بیٹھی سنا کرتیں۔غنی اعجاز صاحب ان محفلوں سے اکثر فیضیاب ہوا کرتے تھے۔بچپن ہی سے ادبی ماحول میں پلی بڑھی محترمہ نورالعین علی کی گفتگو سے ان کے اعلیٰ وارفع شعری وادبی ذوق کا اندازہ ہوا جی خوش ہوگیا۔

غنی غازی ٹیکسی ڈرائیور کومنترالیہ چلنے کیلئے کہہ رہے ہیں۔چندلمحوں بعد ہم منترالیہ کی آسمان کو چھوتی ہوئی عمارتوں کے نیچے کھڑے ہیں۔نائب وزیر تعلیم پروفیسر جاوید خان سے غنی غازی کو چند ضروری امور پر بات کرنی ہے۔بذریعہ لفٹ چودھویں منزل پر پہنچتے ہیں۔وزیرموصوف دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔منترالیہ کے مدّ مقابل حکومت مہاراشٹر کی بائیس منزلہ ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ کے اٹھارویں منزل پر مہاراشٹر اردو اکادمی کا دفتر ہے۔ساتھ ہی ''قومی راج'' پندرہ روزہ کا دفتر ہے۔اکادمی کے دفتر مین داخل ہوتے ہیں۔شاہد ندیم سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ایک کرسی پر شیخ صاحب (کلرک) کچھ لکھنے میں مصروف ہیں۔باقی پورا دفتر سائیں سائیں کررہا ہے۔اپنا تحقیقی مقالہ ''مظفرحنفی،حیات،شخصیت اور کارنامے'' اور مالی اعانت کے لیے متعلقہ فارم پُر کر کے شیخ صاحب کوسونپتا ہوں اور مہاراشٹر سرکار کی زیر سرپرستی چلنے والے اردو کے اس نمائندے ادارے کی مایوس کن کارکردگی پر اداسیاں سمیٹے لوٹ رہے ہیں۔اسی فلور پر ایک گوشے میں پندرہ روزہ ''قومی راج'' کا دفتر ہے۔مدیران محترمہ فیروزہ فیاض رفعت اور عثمان خان پرخلوص انداز میں مل رہے ہیں۔رسالے اور اس کے مشمولات پر رسمی گفتگو کے بعد لوٹتے ہیں۔ٹیکسی فراٹے بھر رہی ہے۔منزل کا ہمیں علم نہیں۔ایک بڑی عمارت کے سامنے ٹیکسی رکتی ہے۔نیچے مطب سا لگ رہا ہے۔سائن بورڈ پر نظر پڑتی ہے۔یہ تو بمبئی کے مشہور ومعروف نفسیاتی امراض کے معالج ڈاکٹر عبدالکریم نائیک کی ڈیپنسری ہے۔زینوں سے چل کر اوپر پہنچتے ہیں۔مختلف میزوں پر رسائل اور فائلوں میں گھرے کچھ لوگ نظر آرہے ہیں۔تعارف ہورہا ہے۔یہ فقیر محمد مستری صاحب

Scanned by CamScanner

ہیں۔امام الدین صاحب،مبارک کاپڑی و مدیران نقش کوکن عبدالمطلب (مینجر) پیار بھری مسکراہٹوں کے ساتھ مصافحے ہورہے ہیں۔یاد آرہا ہے چھپنے چھپانے کے ابتدائی مہینوں میں اردو ٹائمز کے بچوں کے صفحے کے چند قلمکاروں کو کتابوں کی شکل میں انعامات دیئے گئے تھے۔فقیر محمد مستری کا دستخط شدہ دیوان ظفر مجھے ملا تھا۔جسے میں نے بڑے جتن سے سنبھال کررکھا ہے۔نقش کوکن کے تعلق سے بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔معدے مین چائے بسکٹ اور بیگ میں نقش کوکن کے چند شمارے ڈال کر رخصتی مصافحے ہورہے ہیں۔ڈاکٹر عبدالکریم نائیک سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔غلام صوفی حیدری سے ملنا ہے۔اور گلبرٹ ہل لوٹ کر غفور خانصاحب کی دعوت سے فیض یاب بھی ہونا ہے۔حیدری صاحب سے رسمی ملاقات کے بعد ہم لوگ لوٹ آئے۔غفور خاں صاحب کا آراستہ و پیراستہ گھر مکینوں کی نفاست پسندی اور خوش سلیقگی کا مظہر ہے۔ہم دونوں مہمانوں کے ساتھ غنی غازی،ناظم الدین اور دیگر احباب دستر خوان پر صف آرا ہوگئے ہیں۔پرتکلف دعوت کے لوازمات اشتہا کو مزید بھڑکا رہے ہیں۔غفور خاں صاحب آلتی پالتی مارے قدرے ہٹ کر سامنے کی جانب بیٹھے فرائض میزبانی انجام دے رہے ہیں اور اپنی پٹھانی روایات کے مطابق زور زبردستی کرکے معدوں کو زیر بار کررہے ہیں۔کچھ کھانے کی لذت،کچھ میزبان کا خلوص نتیجہ گرانیٔ معدہ کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔

۱۲ر بجے رات بستر پر لیٹا ہوں۔دن بھر کے واقعات کسی دلچسپ طلسماتی فلم کی طرح یکے بعد دیگرے پردۂ ذہن پر ابھر رہے ہیں۔دن بھر کی ہنگامہ آرائیوں کے مناظر نگاہوں میں گھوم رہے ہیں۔غنی غازی کی غیر معمولی ذہانت،خداداد صلاحیتیں،اعلیٰ وارفع علمی،ادبی اور سیاسی حلقوں تک رسائی،جہاں تہاں آؤ بھگت ان تمام حقائق کی روشنی میں اس جوان رعنا کی شبیہہ مستقبل کی ایک اہم شخصیت کے روپ میں ابھر رہی ہے۔یہی سوچتے سوچتے نہ جانے کب نیند کی پرسکون آغوش میں پہنچ گیا ہوں۔

حسب معمول علی الصبح جاگ اٹھا ہوں۔ناشتے کیلئے رات میں ہی منع کردیا تھا۔تاہم ناظم نے چائے کے ساتھ ٹوسٹ،بسکٹ،کا ڈھیر لگا ہی دیا۔آج رات ''بازیافت'' کا اجراء اور مشاعرہ

Scanned by CamScanner

ہونا ہے۔انتظامات کی نگرانی کے لیے غنی غازی کو اجازت دے کر پہلی بار ہم دونوں ۱۰ بجے قیام گاہ سے نکل پڑتے ہیں۔یوسف ناظم صاحب (انتقال فرما چکے) اور عبدالستار دلوی صاحب سے ملاقات کا پروگرام ہے۔ناظم الدین باندرہ اسٹیشن تک ہمارے ساتھ آ کر باہر ہمیں رکشہ میں سوار کر کے ڈیوٹی چلے گئے ہیں۔باندرہ ریکلمیشن چلنا ہے۔رکشہ ڈرائیور ہماری طرح ناواقف محض لگ رہا ہے۔یا کرایہ بڑھانے کیلئے بن رہا ہے۔ہر موڑ پر رُک رُک کر پوچھ تاچھ کر رہا ہے۔یوں چند منٹوں کا فاصلہ پون گھنٹے میں طے کر کے اس نیک بخت نے میٹر کے حساب سے پورا کرایہ وصول کرلیا ہے۔ہمارے سامنے دور دور تک بلند و بالا عمارتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔یہ پورا علاقہ باندرہ ریکلمیشن ہے۔چار قطاریں چھوڑ کر پانچویں میں پہلی بلڈنگ الہلال ہے۔بمبئی کو اکثر نادانوں نے بدنام کر رکھا ہے کہ وہاں کوئی کسی کا پتہ نہیں بتاتا۔پتہ کی سہی سہی نشاندہی کرنے پر کئی بار لوگوں نے اپنا کام چھوڑ کر مطلوبہ مقام تک ہمیں پہنچا دیا۔الہلال بلڈنگ اس عام خیال کی تردید کر رہی ہے کہ اردو کے شاعر و ادیب بالعموم مفلوک الحال ہوتے ہیں۔یوسف ناظم اور عبدالستار دلوی صاحبان اسی پرشکوہ بلڈنگ کے مکینوں میں سے ہیں۔یوسف ناظم صاحب کا فلیٹ چوتھے فلور پر ہے۔گراؤنڈ فلور کے ایک کونے میں لفٹ ہے۔چلانے کا تجربہ نہیں لہٰذا سیڑھیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔چند ساعتوں بعد دروازے پر کھڑے بیل بجا رہے ہیں۔دروازہ بیگم یوسف ناظم نے کھولا ہے بتا رہی ہیں یوسف ناظم صاحب ابھی ابھی باہر تشریف لے گئے ہیں۔اور ابھی ابھی تشریف لاتے ہیں۔تب تک دلوی صاحب سے نمٹ لیا جائے۔پھر سے گراؤنڈ فلور پر اتر آئے ہیں۔گھنٹی کی آواز سن کر دروازہ کھلتا ہے۔دیکھا تو نہیں تاہم یقین سا ہے کہ سامنے مسز دلوی ہیں۔پوچھنے پر بتا رہی ہیں دلوی صاحب اردو اکیڈمی کی تقریبات میں شرکت کی غرض سے ناگپور تشریف لے گئے ہیں۔۔۔آپ حضرات ؟۔۔۔"جی۔۔۔میں محبوب راہیؔ اور یہ غنی اعجازؔ صاحب۔۔۔اور آپ غالباً ڈاکٹر میمونہ دلوی (وفات پا چکی ہیں)۔۔۔؟جی ہاں۔تشریف لائیے۔" کتابوں اور رسالوں سے بھری خوبصورت الماریوں سے سجا سجایا فلیٹ اور ڈاکٹر میمونہ دلوی کی سلجھی ہوئی عالمانہ باتیں جی لگ گیا ہے۔کچھ ہی دیر میں یوسف ناظم صاحب تشریف [illegible] ائے ہیں۔محترمہ دلوی صاحبہ نے بلا لیا

Scanned by CamScanner

ہے۔ دیکھتے ہی محبت سے لپٹ پڑتے ہیں"۔ کہیئے قارونی صاحب۔۔۔ کس نام سے مخاطب کروں آپ کو ؟۔۔۔"" آپ جیسے مناسب سمجھیں۔" میں منمنا رہا ہوں۔ پھر غنی اعجاز صاحب سے ان کے دبلے پن کی وجہ پوچھ رہے ہیں۔ شکیل اعجاز کی خیریت دریافت کررہے ہیں۔ عمدہ چائے، سوندھے خستہ بسکٹ، گھونٹ گھونٹ پر یوسف ناظم صاحب کے لطائف کی پھلجھڑیاں اس ملاقات کو یادگار بنا رہی ہیں۔ موصوف کے ساتھ بذریعہ لفٹ ان کے فلیٹ پہنچتے ہیں۔ رسائل اور کتابوں نے کمرہ کے ماحول کو عالمانہ بنا دیا ہے۔ مختلف مسائل پر کچھ سنجیدہ، کچھ غیر سنجیدہ گفتگو سے لطف اندوز ہوکر ہم اجازت طلب کررہے ہیں۔

غنی اعجاز صاحب اور میں چہل قدمی کرتے ہوئے باندرہ اسٹیشن پہنچ گئے ہیں۔ ٹکٹ لیکر پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں۔ ٹرین آتی ہے۔ بھیڑ کا وہی عالم ہے۔ ایک ڈبہ بالکل خالی پڑا ہے۔ خوشی خوشی چڑھ جاتے ہیں۔ واہ! کیا آرام دہ سیٹیں ہیں۔ بیٹھتے ہوئے اطمینان اور آسودگی محسوس ہوتی ہے۔ اچانک کمپارٹمنٹ کے غیر معمولی ہونے پر خیال آتا ہے کہ کہیں یہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ تو نہیں۔ سوچتے سوچتے میں گاڑی چل پڑتی ہے۔ اگلے اسٹیشن پر غنی اعجاز صاحب ڈبہ تبدیل کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ "اونہہ دیکھا جائے گا۔" بھگت لیں گے۔ اسی ٹھاٹ باٹ سے اندھیری پہنچ چکے ہیں۔ احباب نے شکر خدا بجالانے کیلئے کہا۔ اگر پکڑے جاتے تو پچاس پچاس روپے جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔

دوپہر کے کھانے پر غنی غازی کے گھر احباب اکٹھا ہیں۔ ۳؍بجے یعقوب راہی صاحب کے شعری مجموعے "لمحہ لمحہ جاگی رات" کی اجرائی نشست میں شرکت کے لیے باندرہ ہائی اسکول چلنا ہے۔ اس سے قبل میرے استاد محترم اور غنی اعجاز صاحب کے دوست انیس انور صاحب سے جوگیشوری چل کر ملنا ہے۔ موصوف کا فلیٹ بند ہے۔ اپنی بمبئی آمد کی اطلاع کے لیے ایک چٹ دروازے سے اندر سرکا دیتے ہیں اور غنی غازی اور ناظم الدین کے ساتھ باندرہ کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ باندرہ ہائی اسکول کا لائبریری ہال کسی یونیورسٹی کی لائبریری کا نقشہ پیش کررہا ہے۔ مختلف موضوعات پر علحدٰہ علحدٰہ الماریوں میں آراستہ بے شمار کتب منتظمین ادارہ کی خوش ذوقی کا ثبوت

فراہم کر رہی ہے۔ مختصر سا مجمع ہے۔ لیکن لگتا ہے پوری بمبئی کا عطر کشید کر کے یکجا کر دیا ہے یعقوب راہی اختر الایمان، باقر مہدی (انتقال ہو چکا ہے)، حسن کمال، یوسف ناظم، سلام بن رزّاق، مشتاق مومن، قاسم امام، م۔ناگ، پرویز اللہ مہدی، م۔ق۔خان، فاطمہ انیس اور اسی سطح کے اور بھی کئی شعراء ادباء اور ماہرین تعلیم و تدریس۔ قاسم امام نظامت فرما رہے ہیں۔ م۔ق۔خان اور مشتاق مومن، یعقوب راہی کی شاعری پر اظہار خیال فرما رہے ہیں۔ اختر الایمان، باقر مہدی، اور حسن کمال، راہی صاحب کے مجموعے سے زیادہ مختصر اور غیر متعلق تقاریر کر کے گویا اپنی اصابت رائے کو بحفاظت تمام بچالے گئے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر گلو خلاصی حاصل کر لی گئی۔ اور ہم اپنی توقعات کی عدم تکمیل پر دل شکستہ اپنے مستقر کی جانب لوٹ رہے ہیں۔ باندرہ اسٹیشن پھر قیامت صغریٰ کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ چرچ گیٹ پر معمولی سا ایکسیڈنٹ ہونے سے آگے ٹرینوں کی آمد و رفت روک دی گئی ہے۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھ کر میدانِ حشر یاد آ رہا ہے۔ سڑکوں پر تھمے ہوئے سیلاب کا ریلا نکاسی کا راستہ نہ پا کر پیچھے کی طرف پلٹ رہا ہے۔ ہم تو ویسے بھی خس و خاشاک ٹھہرے۔ تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ ایک عجیب عالم وحشت زدگی ہے۔ ”باندرہ کا فالودہ بمبئی بھر میں مشہور ہے۔“ غنی غازی کو ایسے میں بھی چونچلے سوجھ رہے ہیں۔ آنکھوں کا پانی مر گیا ہے اس عزیز کا بمبئی میں رہتے رہتے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے مسلسل تھپیڑے کھانے کے بعد سمندر قدرے ساکت ہوا ہے اور رات دس بجے بدھو گھر لوٹ آئے ہیں۔ ناظم کھانا تیار کیے مجسم انتظار بیٹھے ہیں۔ اُدھر مشاعرے کا وقت سر پر مسلط ہے۔ مشاعرے کے بعد ان کی ہنرمندی کی داد دیئے جانے کے وعدے پر ناظم کو منا لیا جاتا ہے۔ اور اب وہ لمحہ آن پہنچا ہے۔ ”دن گنے جاتے تھے جس دن کیلئے۔“

جوہو گلی اندھیری میں واقع مدرسۂ فاروقیہ کا وسیع و عریض ہال باذوق سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ ممبر اسمبلی جناب شمیم قریشی جن کے دستِ مبارک سے ”بازیافت“ کا اجراء ہونا ہے۔ ٹھیک وقت پر تشریف لا چکے ہیں۔ اسٹیج کے عقب میں ”گلشن ادب اندھیری“ کا دلکش بینر لگا ہے۔ صدر گلشن ادب غفور خانصاحب اور دیگر اراکین بڑھ چڑھ کر مہمانوں اور شعرائے کرام کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ پروگرام شروع ہو چکا ہے۔ غنی غازی، غنی اعجاز صاحب کی خدمت میں

Scanned by CamScanner

مسند صدارت پیش کر رہے ہیں۔ناظم تائید کر رہے ہیں۔صدر مشاعرہ اور صاحب اعزاز یعنی خاکسار کی گلپوشی ہو رہی ہے۔محمد امین انوار نشتر کا تحریر کردہ میری شاعری پر مضمون پڑھ رہے ہیں۔بعدازاں پروفیسر کلیم ضیاء میری طفلی نظموں پر اپنے طویل مقالے کے ذریعے میری تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔اور میں زمین میں گڑا جا رہا ہوں۔قصیدہ خوانی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔سامعین سکون کی سانس لیتے ہیں۔مشاعرہ شروع ہو چکا ہے۔نظامت حق بحقدار رسید کی مصداق تابش صدیقی کو سونپی گئی ہے۔سامعین کی خوش ذوقی اور فیاضی کے صدقے ہر شاعر اپنی اوقات سے کچھ زیادہ داد پا رہا ہے۔تابش صدیقی، حامد القادری، احسان رشیدی، اشک لکھنوی، قاسم امام، شاہد لطیف، حامد اقبال صدیقی، قاسم قریشی، امین تابش، انیس انور، برہان شہاب، شاد برہانپوری، سیّد عارف، اکبر کمال، کلیم ضیاء، اثر ملکاپوری (انتقال فرما چکے ہیں)، اور ناظم الدین ناظم، تمتماتے چہروں کے ساتھ اپنی نشستوں پر لوٹ چکے ہیں۔اور اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی۔اپنے تعلق سے کیا عرض کروں۔سوائے اس کے کہ میں صاحب اعزاز ہوں اس ناطے مجھے دیر تک برداشت کیا گیا۔مروّت اور مہمان نوازی کا یہی معاملہ غنی اعجاز صاحب کے ساتھ بھی روا رکھا گیا۔رات کے ۴ بج رہے ہیں اور مجمع ہے کہ ابھی تک ڈٹا ہوا ہے۔ایسے میں مشاعرے کے اختتام کا اعلان بڑی ناگواری کے ساتھ سنا جا رہا ہے۔ساڑھے چار بجے احباب کے ساتھ کمرے میں لوٹتے ہیں۔ناظم نے اسٹو جلا لیا ہے۔غفور صاحب گرم گرم آملیٹ۔بریڈ اور چائے کی بڑی سی کیتلی کے ساتھ تشریف لا چکے ہیں۔محفل طعام جم گئی ہے۔سبھی کامیابی کے نشہ میں سرشار ہیں۔انیس انور صاحب صبح ہونے تک ہمارے ساتھ ہیں۔سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی گھر جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔اخلاقی تقاضہ ہے کہ سڑک تک انہیں چھوڑ دیا جائے اور انیس صاحب ہیں کہ چائے پلوائے بغیر ہمیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔دور نکڑ پر ہوٹل نظر آتی ہے۔دوپہر میں مہاراشٹر کالج کی مجوزہ اعزازی نشست میں شرکت کا وعدہ اور بعد نشست شام میں ان کے ساتھ کھانے کا وعدہ کر کے کمرہ پر لوٹ آتے ہیں۔سردی بڑھ گئی ہے دوپہر تک سونے کے ارادے سے اپنے آپ کو رضائیوں میں لپیٹ لیا ہے۔اچانک محسوس ہوتا ہے کہ کان میں ریل کا انجن گھس آیا ہے۔ہڑبڑا کر

Scanned by CamScanner

اٹھ بیٹھا ہوں۔ادھر اعجاز صاحب کے کان میں ہیلی کا پٹر گھس گیا ہے۔جھلائے ہوئے دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔پڑوس میں شادی ہے۔۔جس کا مسلسل اعلان ہمارے کانوں میں لاؤڈ اسپیکر انڈیل کر کیا جارہا ہے۔ناظم بھی جاگے ہوئے ہیں۔چائے بن رہی ہے۔غنی غازی،غفور صاحب،ولی بخش،محمد امین یکے بعد دیگرے سبھی احباب پہنچ گئے ہیں۔نیند پر فاتحہ پڑھ کر غنی غازی کے گھر محفل طعام منعقد ہو چکی ہے۔۳ر بجے مہاراشٹر کالج میں ہمارے اعزاز میں نشست کے مراسلے انقلاب اور اردو ٹائمز میں شائع ہوئے ہیں۔غنی غازی کچھ پہلے پہنچ گئے ہیں۔غنی اعجاز، ناظم، امین اور اس کے بعد غفور خاں، ولی بخش اور دیگر احباب یکے بعد دیگرے روانہ ہو رہے ہیں۔بمبئی سینٹرل اسٹیشن پر اچانک یوسف ناظم صاحب سے ملاقات ہو رہی ہے۔مہاراشٹر کالج سے ناراض ہو کر لوٹ رہے ہیں۔۲ر بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ڈھائی بجے تک انتظار کیا۔۴ر بجے ایک اور ضروری پروگرام اٹینڈ کرنا ہے۔معذرت چاہتے ہیں۔

مہاراشٹر کالج علمی،ادبی پروگراموں کے لیے تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔کالج کی عظیم الشان عمارت کے باہر غنی غازی کم لوگوں کی آمد سے پریشان بے چینی سے ٹہل رہے ہیں۔ویسے بھی بمبئی جیسے کاروباری اور مصروف شہر میں ایسے پروگراموں میں ڈیڑھ دو درجن ارباب ذوق کی شرکت ہی غنیمت سمجھی جاتی ہے۔یعقوب راہی والے پروگرام کی مثال سامنے ہے۔بالائی منزل پر ایک وسیع ہال کے طول وعرض میں ایک غیر معمولی طویل میز کے گرد کرسیاں لگی ہیں۔محترمہ فاطمہ انیس کی صدارت کا اعلان کیا گیا ہے۔عبداللہ کمال (انتقال فرما چکے ہیں)،پروفیسر جمیل کامل،فقیر محمد مستری،اورم۔ناگ،مہمانانِ خصوصی ہیں۔غنی غازی مہمانوں کا تعارف کروا رہے ہیں۔چند لمحوں بعد ڈاکٹر عبدالکریم نائیک تشریف لاتے ہیں۔ڈاکٹر موصوف نہ صرف یہ کہ ذہنی امراض کے مشہور معالج ہیں۔اردو کی ترویج وترقی کے لیے بھی مجاہدانہ انداز میں ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔کئی تعلیمی،علمی وادبی اداروں کی دامے،درمے،قدمے،سخنے،اعانت فرماتے رہتے ہیں۔ایک روشن خیال مفکر اور صاحبِ طرز مقرر بھی ہیں۔رسم گلپوشی ادا کی جارہی ہے۔ڈاکٹر نائیک صاحب،محترمہ فاطمہ انیس اور جمیل کامل سے یکے بعد دیگرے کچھ ارشاد فرمانے کی درخواستیں کی جارہی ہیں۔ڈاکٹر

Scanned by CamScanner

صاحب اردو میں جدید تکنیکی تعلیم کی ضرورت کا احساس دلا رہے ہیں۔ فاطمہ انیس صاحبہ کا ارشاد ہے کہ اردو مدارس اردو کے قاری پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے شعراء نے جدید مسائل پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ جمیل کامل صاحب مجھ جیسے دور دراز دیہاتوں، قصبوں میں رہتے ہوئے تخلیق شعر و ادب میں مگن رہنے والوں کی حوصلہ افزائی کا مشورہ دے رہے ہیں۔ تقاریر کے بعد غنی غازی، شکیل اعجاز کا تحریر کردہ خاکہ ''محبوب راہی'' سنا رہے ہیں۔ شعری دور میں ہم دونوں صاحبان اعزاز کے علاوہ عبداللہ کمال، جمیل کامل، انیس انور، قاسم امام، حامد اقبال صدیقی، شاہد لطیف، مومن جانِ عالم رہبر، افسر اچلپوری، شبیر احمد قرار، حمید ادیبی، اقبال انجم، کوثر انصاری، تابش صدیقی، حامد القادری، ناظم الدین ناظم، اور برہان الدین شہاب، محفل کو گرما رہے ہیں۔ شام ۷؍ بجے یہ یادگار محفل اختتام کو پہنچتی ہے۔

انیس انور صاحب صبح ہی سے کھانے کے لیے کہہ رکھا ہے۔ واپسی میں اسٹیشن پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ ولی بخش نے بھی دعوت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ کس کو ترجیح دی جائے۔ مسئلہ یوں طے کیا جاتا ہے کہ ولی بخش کھانا قیام گاہ پر بھیج دیں۔ صبح ناشتہ کر لیا جائے گا۔ اور انیس انور صاحب کے ہمراہ جوگیشوری میں ان کے فلیٹ پر پہنچ جاتے ہیں۔ موصوف یہاں اپنے فرزند شکیل کے ہمراہ رہتے ہیں۔ الماریاں کتابوں سے اٹی پڑی ہیں۔ بالخصوص تفاسیر قرآن۔ تاریخ اسلام اور اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی بیش بہا جلدیں قرینے سے بجی ہوئی ہیں۔ انیس صاحب ایک فرم کے تعاون سے ایک بے مثال اور منفرد اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی تیاری میں منہمک ہیں۔ اس وقت خود اپنے ہاتھوں کھانا لگاتے ہوئے مسرت ان کے تمام وجود سے پھوٹ رہی ہے۔ غنی غازی اور علی بخش ہمیں لینے کے لیے پہنچ گئے ہیں۔ نیند کے غلبے سے سبھی بے حال ہیں۔ قیام گاہ پہنچتے ہی اپنے آپ کو بستروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

بمبئی میں قیام کا آخری دن ہے۔ شام ۷؍ بجے ہاوڑہ میل سے واپسی ہے۔ دو اہم شخصیتوں سے ملنا ضروری ہے۔ ایک پروفیسر جاوید خان نائب وزیر تعلیمات، دوسرے ایک غریب مرغی فروش صاحب خاں جو پچھلے تین دنوں سے ہمارے لیے مسلسل غنی غازی کے گھر چکر کاٹ رہا

Scanned by CamScanner

ہے۔وزیر موصوف سے چند ضرورتیں وابستہ ہیں۔جبکہ صاحب خاں سے وابستگی کی بنیاد محض خلوص کا دیرینہ رشتہ ہے۔ وہاں چاپلوسوں کی بھیڑ بھاڑ ہے۔ یہاں خلوص آشناؤں کا فقدان۔ہم جیسے لوگ بھی اگر پاکیزہ جذبوں کی قدر نہ کریں تو کون ہے۔صاحب خاں میرے لاکھن واڑہ ملازمت کے دوران میرے کمرہ پر آکر اکثر میری خدمت کرتا تھا۔ بیروزگاری کے ہاتھوں تنگ آکر پچھلے پندرہ برسوں سے بمبئی میں مرغیوں کا کاروبار کررہا ہے اور نسبتاً خوشحال ہے۔ہم ۱۱ر بجے اس کی قیام گاہ جا پہنچے۔فرطِ مسرت سے مجھ سے لپٹ گیا۔اسکی بیوی نے جو میری شاگردہ رہ چکی ہے جھٹ سے دو مرغ ذبح کروائے اور صرف دو گھنٹوں میں دسترخوان سجادیا۔دونوں میاں بیوی کو گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔تین بجے غفور خاں کے گھر مجوزہ الوداعی ٹی۔پارٹی سے فراغت پائی۔بیگم غفور نے بہ اصرار توشہ دان بھی ہمارے سامان میں رکھوادیا۔پانچ بجے غنی غازی اور ناظم الدین کے ساتھ ہم لوگ اسٹیشن کے لیے نکل پڑے۔ساڑھے چھ بجے وی۔ٹی پہنچ گئے۔۱۵ر منٹ بعد ہم اپنی برتھوں پر ہیں۔ٹرین کی وارننگ ہوچکی ہے۔غفور خاں پروگرام کے فوٹو لیے بھاگم بھاگ چلے آرہے ہیں۔الوداعی مصافحے ہوئے اور ہم دوڑ کر رینگتی ہوئی ٹرین پر چڑھ گئے۔

پردۂ ذہن پر چار روزہ خوشگوار یادوں کے دلکش نقوش۔دل میں رنگا رنگ شخصیتوں سے پرخلوص ملاقاتوں کی ہنگامہ پرور اور نشاط آگیں آہٹیں اور اپنے تمامتر وجود میں احباب کے بے پناہ خلوص اور چاہتوں کی خوشبوئیں بسائے اپنی برتھ پر لیٹا ہوں۔ٹرین تیزی سے اپنی منزلوں کی جانب فراٹے بھر رہی ہے۔اور میں بیتے ہوئے چار دنوں کے دلکش اور خوابناک منظروں کو اپنے حافظے میں سمیٹ رہا ہوں۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

اجنٹا۔ایلورہ کے گردونواح میں چندروز

اس بار چکلدرہ،سیلانی، بلڈانہ،اورنگ آباد ہوتے ہوئے اجنٹا اور ایلورہ کی عالمی شہرتوں کی حامل تاریخی گپھاؤں اور دولت آباد (دیوگری) کے ناقابل تسخیر قلعے کی سیر کی ٹھہری۔مظفر حنفی اپنے پیدائشی وطن کھنڈوہ میں اپنے بچپن کے بے تکلف احباب کے درمیان کچھ دن گزارنے کے لیے جب بھی تشریف لاتے ہیں احباب کے ساتھ کھنڈوہ سے نکل کر نزدیک یا دور کے کسی مقام پر برائے تفریح کچھ وقت یا کچھ روز وشب ضرور گزارے جاتے ہیں۔احباب کھنڈوہ کے درمیان شہر کھنڈوہ یا کسی متعینہ تفریح کے مقام پر مظفر حنفی کے معمولات روز وشب نیز ہمہ وقتی کھلنڈرے پن کے مشاغل اور شوخ وشنگ رویوں کو اگر ان کا یونیورسٹی کا کوئی شاگرد یا عقیدتمند یکبارگی دیکھ لے تو بے یقینی کے عالم میں باربار آنکھیں ملنے لگ جائے۔کہ کہاں بات بات میں سنجیدگی،متانت،رکھ رکھاؤ،اور سلیقہ وشائستگی کے پیش نظر اپنے آپ کو

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

اس شعر کا مرقع بنائے رکھنے والی یہ نفیس اور پروقار شخصیت یہ کہتے ہوئے کہ

شکن مٹانی ہو شخصیت کی تو گھاس پر لیٹ جایئے نا

تکلفات کے سارے شیشے چکنا چور کر کے،نام نہاد اور نمائشی شائستگی کے تمام خول توڑ کر گھاس پر لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں،ہریالی کے مخملیں سے فرش پر بیٹھے احباب کے ساتھ پاپڑ گرماگرم بھجیے،چائے،جلیبی اڑاتے ہوئے فلک شگاف قہقہے لگا رہے ہیں،بے تکلفانہ گفتگو میں گفتنی ناگفتنی کے مابین حائل تمام پردے بیباکانہ انداز میں چاک کئے جارہے ہیں،مظفر صاحب نے اپنے ان رویوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یونیورسٹیوں کے نام نہاد مہذب ماحول میں رہتے رہتے فطری شخصیت پر جوزنگ سا لگ جاتا ہے اس کو نکالنے کے لئے کھنڈوہ آتا رہتا ہوں"۔

اس سے قبل اسیر گڑھ،مانڈوگڑھ،کے قلعوں کی تسخیر نیز اکولہ،برہانپور،اندور،حیدآباد،

Scanned by CamScanner

ممبئی، دہلی، کلکتہ، وغیرہ شہروں کی خاک چھانی جا چکی تھی، اس مرتبہ قدرے طویل تفریحی پروگرام بنایا گیا اور کثرت رائے سے اجنتا، ایلورہ، اورنگ آباد اور دولت آباد ان تاریخی مقامات کا انتخاب کیا گیا۔ ریڈی میڈ سینٹر والے حفیظ بھائی کی جیپ مع اسکے ڈرائیو محمد رئیس کے حاصل کی گئی، مظفر حنفی صاحب کے ساتھ قاضی حسن رضا، حبیب عالم (پرنسپل) الحاج منشی خاں، ستار بھائی (ٹیلر) لالہ جناب، اقبال گرامی، سلام عذری اور یہ خاکسار محبوب راہی اس طرح نو ۹ رافراد پر مشتمل یہ قافلہ مع سموسوں کی ٹوکری کے جس میں سلام بھائی کے بقول ۱۵۲ سموسے تھے کھنڈوہ سے براہ گڈی روانہ ہوا۔ کھانے سے سیر ہو کر چلے تھے لیکن ٹوکری سے اٹھنے والی گرما گرم سموسوں کی خوشبو نے صبر کے فاصلوں کی طوالت کم کر کے شیخ پورہ ہی میں انھیں ٹوکری کے محبس سے آزاد کروا کے کام و دہن کی لذتوں سے سیراب ہوتے ہوئے دس معدوں کے تہہ خانوں میں اُتار دیا۔

مہاراشٹر میں علاقہ دوربھ کے امراوتی ضلع میں چکلدرہ ایک ہل اٹیشن دور دور تک مشہور ہے۔ ست پڑا کی پہاڑیوں میں واقع اس تفریح گاہ سے قبل میدانی علاقہ کا آخری بس اسٹاپ شیماڈوہ ہے جہاں پھر ہلکا سا ناشتہ ہوا اور جیپ ست پڑا کی چڑھائی سر کرنے تک، شام بھیگ چلی تھی، چاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں گھنے درختوں کے درمیان ہرن، چیتل، سانبھر، خرگوش، وغیرہ کے دوڑنے کی سرسراہٹ دیر تک رگوں میں سنسناہٹ پیدا کر دیتی۔ کسی طرف سے شیر کے نکل آنے کے خدشے سے بھی دلوں میں دہشت کی لہریں سی سرسرا کر رہ جاتی تھیں، خوف، استعجاب، اور مسرت کی ملی جلی جذباتی کیفیتوں کے ساتھ بالآخر کچھ دیر میں جیپ چکل درہ بستی کی سطح زمین پر دوڑنے لگی شہر نما چھوٹی سی بستی میں سیاحوں کے لیے کھانے پینے کی چھوٹی بڑی چند ہوٹلوں کے علاوہ اقامتی ہوٹلیں بھی ہیں جو سیزن ہونے کی باعث ہمارے پہنچنے تک فُل ہو چکی تھیں۔ تلاش بسیار کے بعد ایک ہوٹل میں ایک ہال نما کمرہ منہ مانگے کرایہ پر حاصل کیا اور فرش پر گدے ڈال کر سو رہے۔ ہال سے ملحق ایک بیت الخلاء جس کا ٹین کا دروازہ بند کرنے پر ایک درازسی رہ جاتی جو اندر باہر کی آوازوں کی ترسیل کا ذریعہ تھی، اس مسئلہ ترسیل کی ناکامی کے لیے علامتی شاعری کے ایک حربے کے طور پر اندر کے نل کو پوری رفتار سے کھول دینے کی کارگر ترکیب حنفی صاحب نے سجھائی جو ناشیدہ آوازوں کو

Scanned by CamScanner

Donated by Mohsin Khan

اپنے شر شور میں مدغم کر دینے میں کامیاب تھی۔ سبھی نے اس ترکیب پر حسب ضرورت عمل کیا اب ایسے میں کسی کو نیند تو کیا آتی۔ اتنے میں کسی نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ہاں کھانے کا بندوبست راہی کے ذمہ ہوگا۔ جو ہمیشہ اپنی ہر دلعزیزی اور محبوبیت کے ڈنکے بجاتا رہتا ہے۔ میں نے اللہ رب العزت کے بھروسے یہ چیلنج قبول کرلیا۔ اور اسی وقت چپکے سے ہوٹل سے باہر نکل کر ایک ٹیلیفون بوتھ پر قریبی شہر اچلپور میں اپنے معروف طنز و مزاح نگار دوست بابو آر کے سے رابطہ قائم کر کے مطلع کیا کہ بین الاقوامی شہرتوں کے حامل شاعر و ادیب پروفیسر مظفر حنفی، قاضی حسن رضا اور ان کے رفقائے کار کی میزبانی کا شرف آپ کو عطا کر رہا ہوں۔ کل گیارہ ۱۱ ربجے ہم لوگ وہاں پہنچ رہے ہیں، بابو، آر، کے ویسے بھی مخلص اور یار باش انسان ہیں۔ اس سعادت کے لئے میرا شکریہ ادا کیا اور ٹھیک ۱۱ ربجے اچلپور کے چاول منڈی علاقہ میں واقع اپنی دوکان آزاد الیکٹر یکلس پہنچنے کے لئے کہا (جو گزشتہ دو برس قبل فسادات میں نذر آتش کر دی گئی ہے) میں اپنی اس اولین کامیابی پر دل ہی دل میں مسرور و مطمئن بغیر کسی کو بتائے چپ چاپ اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گیا۔ (کیونکہ احباب نے یہ شرط بھی لگا رکھی تھی کہ میں کسی کو فون پر پیشگی اطلاع نہ دوں) صبح چکلدرہ کی ایک ہوٹل میں چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر اطراف و جوانب میں دور دور تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں، گھاٹیوں کے قریب اور دور سے دلکش مناظر دیکھے چند کو تصویروں میں اپنے ساتھ مقید کیا، اور اگلے پڑاؤ کی جانب کوچ کیا۔ میں نے احباب کو مطلع کیا کہ آنے والا شہر اچلپور تقریباً ۱۲ ربجے آئے گا، اس کے بعد کوئی ڈھائی گھنٹے کی مسافت پر اکوٹ ہوگا جہاں کہیے کھانا کا بندوبست کروا دوں۔ قیاس غالب تھا کہ فیصلہ اچلپور ہی کے حق میں ہوگا جو ہوا بھی اور میں اپنے منصوبہ کی کامیابی پر شاداں و فرحاں شہر پناہ کے گیٹ میں داخل ہوتے ہی ڈرائیور کو جیپ چاول منڈی کی طرف موڑنے کا اشارہ کیا۔ اپنی دوکان آزاد الیکٹریکلس پر بابو، آر، کے سراپا انتظار تھے بڑے تپاک سے تمام احباب کا استقبال کیا، دوکان بند کی، اسکوٹر اسٹارٹ کیا اور جیپ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسی سڑک پر تھوڑے فاصلے پر واقع اپنے خوبصورت مکان کے سامنے پہنچے، دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں سب کو صوفوں پر بٹھا کر فریش ہونے کے

Scanned by CamScanner

لئے کہا۔ کچھ لمحوں میں ہمارے سامنے کشادہ دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے اشتہا کو مہمیز کر رہے تھے۔ کھانے کے دوران احباب باری باری سے میری اور بابو، آر، کے کی جانب دیکھ دیکھ کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش میں بڑی حد تک کامیابی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ طعام کی خوش ذائقی سیر حاصلی اور میزبان کی خوش اخلاقی پر سبھی نے نے دل کی گہرائیوں سے جبکہ سلام عذری نے حسب عادت معدے کی گہرائیوں سے بابو، آر، کے کا شکریہ ادا کیا۔ برکت کی دعا دیں اور اگلی منزلوں کی جانب رواں دواں ہوئے۔

اچلپور سے نکلتے ہوئے میں نے دریافت کیا۔ بتایئے شام کے کھانے کا بندوبست کہاں کیا جائے۔ حنفی صاحب نے سختی سے منع کر دیا کہ راہی چوری چھپے بذریعہ فون متوقع میزبان کو باخبر کر دیتا ہے۔ آزمائش تو تب ہے کہ اس کے کسی دوست یا عزیز کے گھر اچانک دھاوا بول کر اس کے تعلقات اور خلوص کی حدیں ناپی جائیں۔ جواباً عرض کیا ''ٹھیک ہے'' یونہی باہم چہلیں اور خوش گپیاں کرتے ہوئے اکوٹ پہنچے، پوچھا'' کہیے یہاں کسی کو شرف میزبانی سے نوازا جائے، ابھی ابھی دوڈھائی گھنٹہ پہلے سیر ہو کر کھانا کھا چکے تھے، لہذا سبھی نے نفی میں جواب دیا، جامع مسجد چوک (آکوٹ) میں حسب توقع خوش فکر و خوش گلو شاعر اقبال خلش سے ملاقات ہوئی۔ چائے کی پیشکش کی جو بلا حیل و محبت قبول کر لی گئی۔ اگلا شہر ہندوؤں کا تیرتھ استھان شے گاؤں، پھر کھامگاؤں جو پیدائشی وطن ماٹر گاؤں اور تربیت گاہ پیپل گاؤں راجہ کی تحصیل ہونے کی بنا پر میرے لیے وطن ثانی کا درجہ رکھتا ہے۔ لہذا احباب اور اعزاء کثیر تعداد میں ہیں، کھانے کی پیش کش کی جسے احباب نے رد کر دیا۔ اللہ میری لاج رکھ لے، دل ہی دل میں دعائیں کر رہا ہوں کہ احباب ناندورہ میں کھانے کے لئے رضامند ہو جائیں جہاں میرے بڑے بیٹے مفیض کی سسرال سید ریاض الدین کے علاوہ ماموں خسر اور میرے دوست مبین الرحمٰن آزاد کا مکان لب سڑک واقع ہے، دل احساس تشکر سے سجدہ ریز ہو جاتا ہے کہ میرا معبود ہمیشہ آزمائشوں کی ساعتوں میں میرے لئے آسانیاں فراہم کر کے میری دستگیری فرماتا ہے۔

ناندورہ قریب ہے، وقت بھی کھانے کے لیے مناسب ہے، مظفر حنفی نے حکم صادر فرمایا،''

Scanned by CamScanner

بس اس شہر میں راہی صاحب اپنے تعلقات کی کرشمہ سازی کا مظاہرہ فرمائیں گے۔ میری تو گویا منہ مانگی مراد برآئی، عرض کیا۔ "بسر وچشم" مبین آزاد کے دومنزلہ لق ودق مکان کے سامنے جیپ روک دی گئی، نیچے ڈرائنگ روم میں احباب کو بٹھا کر دوڑتا ہوا زینے عبور کر کے مبین بھیا کو صورت حال سے آگاہ کر کے ان کی چھوٹی بیگم بدرالنساء بیگم سے اپنائیت اور اعتماد کے ساتھ کہا" رازق الرحیم نے بیک وقت دس مہانوں کی میزبانی کی سعادت عطا فرمائی ہے، اس کے شکرانے کے لیے دو باتوں کا اہتمام کیجئے، ایک کھانا ممکنہ حد تک اچھا تو ہوگا ہی، دوسرے جس قدر جلد ممکن ہو کہ ہمیں کھانے سے فارغ ہوتے ہی اگلی منزلوں کی جانب کوچ کرنا ہے، بدر باجی نے اپنی بیٹی بہو اور نوکرانیوں کو مختلف ڈشیں تیار کرنے پر مامور کیا۔ نوکر بھیج کر نیچے ہوٹل سے کچھ تیار چیزیں منگوالیں، اور صرف ایک گھنٹے کے اندر اندر ایک درجن ناخواندہ مہمانوں کے آگے وسیع و عریض دسترخوان سجادیا، اور اپنے ساتھ مجھے بھی تحسین وستائش کا حقدار بنا دیا۔ میں اپنی کامیابی کے لئے کارساز حقیقی کی عنایات بے پایاں کی شکر گزاری کے ساتھ احساس مسرت سے چمکتی ہوئی آنکھوں سے احباب سے داد وصول کرنے لگا۔ فراغت کے بعد مبین بھیا نے وہیں شب بسری کے لئے اصرار کیا لیکن ہم نے تو تکلفات کی جکڑ بندیوں سے الگ آزادانہ ماحول میں خوش فعلیوں کے لیے گھروں نے نکل کر شعوری طور پر دربدری اختیار کی تھی لہذا اظہار تشکر اور معذرت خواہی کے ساتھ مبین آزاد اور بیگم آزاد کو خدا حافظ کہا۔ رات کے گیارہ ۱۱ بج چکے تھے، پروگرام کے مطابق کسی اقامتی ہوٹل کی تلاش تھی، کسی نے شہر سے باہر ایک نوتعمیر شدہ ہوٹل رادھیکا کا پتہ بتایا۔ شہر کی مغربی سمت ملکاپور روڈ پر متعینہ مقام پر پہنچ کر دیکھا تو نئے سرمایہ دار کی نودولیتے پن کی نمائش شان وشکوہ کا مظہر ایک شاندار عمارت جو کسی بڑے شہر کے شایان شان ہوسکتی ہے سے ہم دوچار ہوئے لیکن اس چھوٹے سے شہر میں اس شان وشکوہ کی داد دینے والے کہاں سے آئیں۔ اس لق ودق ہوٹل کا سونا پن دیکھ کر کس کسم پرسی ذہن کے عین شب عروسی میں بیوہ ہوجانیکی تمثیل ذہن میں آئی، اس ہوٹل رادھیکا کے تین کمرے جن کا کرایہ کم از کم تین ہزار ہونا چاہیے ہم نے محض ساڑھے سات سو میں طے کر کے کم خرچ بالانشین کے مقولے کو معنویت سے آشنا کیا، سلام عذری تو بالخصوص مغربی طرز کے چمچماتے کشادہ بیت الخلاء دیکھ کر مچل اٹھے، کئی کئی

Scanned by CamScanner

بار خوب جی بھر کے داد عیش دی جدید طرز کے غسل خانوں میں گرم پانی اور شاوروں سے بھی سبھی نے استفادہ کیا۔ قافلے کے سبھی افراد سحر خیزی کے (چند پابند صلوۃ بھی ہیں) عادی ہیں، علی الصبح اطراف وجوانب میں کوئی ہوٹل یا چائے خانہ کھلا نہیں تھا، میں چونکہ اس علاقہ کے حالات سے واقف ہوں لہٰذا میرے موتلا مقام پر ناشتہ کرنے کے مشورے پر سبھی نے آمنا وصدقنا کہا۔۔ناندورہ، بلڈانہ، اور ملکہ پور بلڈانہ دونوں سڑکوں کے نکتۂ اتصال پر موتلا واقع ہے جہاں دونوں تینوں جانب سے آنے جانے والے مسافروں کو گرم گرم ناشتہ اور چائے مل جاتی ہے مہاراشٹر کی مشہور ڈش (مِسل) کا ناشتہ میرے علاوہ سبھی غیر مہاراشٹرین ساتھیوں نے بھی پسند کیا، اب جو جیپ چلتی ہے تو اجنٹا کی پہاڑیوں کے درمیان سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑک سے گزرتی ہوئی چڑھائی پر واقع بلڈانہ کی جانب آہستہ روی سے بڑھتی ہے۔کئی جگہ جیپ روک روک کر تصویریں کھنچوائی گئیں، بلڈانہ ایک معمولی سا شہر جسے صحت بخش آب وہوا ہونے کی بنا پر انگریزوں نے ضلع کا صدر مقام بنایا تھا، یہاں رکے بغیر ہم چکھلی ہوتے ہوئے اس علاقہ کی معروف زیارت گاہ حضرت سیلانیؒ کی درگاہ پر پہنچے جہاں پاگلوں کے علاج کے لئے عقیدتمند بلا تخصیص مذہب متعینہ تعداد میں جمعراتوں کو یہاں حاضری دیتے ہیں، پہاڑوں کے درمیان واقع سیلانی بابا کے عرس کے موقع پر ہر سال ہزاروں زائرین کا مجمع رہتا ہے، بدعات سے شعوری طور پر بچتے رہنے کی وجہ سے عمر کا بیشتر حصہ اس علاقے میں گزارنے کے باوجود میں آج تک دربار سیلانی میں حاضری سے گریزاں رہا، ویسے اپنی راسخ العقیدگی کے باوجود اس گناہگار نے کم از کم دورد و فاتحہ کے لیے نئی گنجائش رکھ چھوڑی ہے لہٰذا فاتحہ پڑھ کر ہم لوگ سلوڑ کی جانب بڑھے، سلوڑ میں تازہ تازہ امرود کا ایک پورا ٹوکرا خرید لیا اور منٹوں میں اسے خالی بھی کر دیا، راستے میں جنگلوں سے گزرتے ہوئے سلام عذری کو اجابت محسوس ہوئی یہ گاڑی روک کر ایک کھیت کی منڈیر کے پیچھے انھیں فارغ ہونے کے لئے بھیج دیا گیا، سلام بھائی کو برسوں سے بار بار اجابت کا مرض لاحق ہے جسے وہ معمولات میں شامل کر چکے ہیں۔ مظفر حنفی صاحب کا تخلیقی ذہن ایسے موقعوں پر اپنی فعالیت کا مظاہرہ کرنے سے نہیں چوکتا۔

Scanned by CamScanner

فرمایا بروز حشر جب اللہ تعالیٰ سلام عذری کو جنت میں داخل کرتے ہوئے ان کی خاص پسند کے بارے میں پوچھے گا تو سلام بھائی عرض کریں گے، بارالہ مجھے ضروری لوازمات سے لبالب ایک باورچی خانہ اوراس سے ملحق بیت الخلاء عنایت فرمادے،'' (ظاہر ہے جنت میں دونوں کی حاجت نہیں ہوگی) مظفرحنفی کی شاعری کے قارئین جوموصوف سے بالمشافہ ملاقات کی سعادت سے محروم ہیں مشکل سے باور کریں گے کہ کڑوے کسیلے تلخ وترش اشعار کا یہ خالق اسقدر بذلہ سنج، شگفتہ مزاج، اسطرح زندہ دل، حاضر باش، اور بات بات پر قہقہے بکھیرنے والا ایک یار باش شخص بھی ہوسکتا ہے۔ بات میں بات پیدا کر کے محفل کو شگوفہ زار بنادینے والے مظفرحنفی محفلوں کی جان ہوتے ہیں، احباب میں ان کا رویہ اس درجہ بے تکلفانہ ہوتا ہے کہ ایک تو موصوف کی بیباکانہ گفتگو کے چند جملے بطور مثال پیش کرنے کی میں جسارت نہیں کرپاؤں گا۔ دوسرے میں نے جسارت کربھی لی تو'' آپ سنیے گا تو شرمایئے گا'' موصوف کی سنگت میں وقت ایسے گزرجاتا ہے پتہ نہیں چلتا، گھنٹوں کا سفرمنٹوں میں کٹ جاتا ہے۔

باتوں یہی باتوں میں ہم لوگ عالمی شہرتوں کی حامل اجنتا کی غاروں ی کے قریب پہنچ گئے، جیپ پارک کی، اجنتا کے اکلوتے شاعر شفیع قمر اجنٹوی اپنی نوادرات کی دوکان سے باہرآکر تپاک سے ملے، چائے ناشتے سے ضیافت کی اورقبل مسیح کی قدیم ہندوستانی تاریخ کا بیش بہاورثہ ہزاروں برس قبل ہندوستانی ثقافت کی قابل رشک بلندیوں کا جیتا جاگتا مظہراجنتا کی غاروں میں پرانے دور کے ہندوستانی ہنرمندوں کے خون جگر کی شرکت سے تراشیدہ شاہکار مورتیاں جنہیں دیکھنے سے ان کے بول پڑنے کا اشتباہ ہوتا ہے، دکھلانے کے لیے ہمارے ساتھ ہولیے جو ہزارہا ہزار برسوں سے خاردار درختوں، جھاڑیوں اورمنوں مٹی کے انباروں تلے دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھیں جنہیں ۱۸۱۹ء میں چند انگریز سیاحوں نے دریافت کیا۔ انگریزی دورحکومت میں درخت جھاڑ جھنکاڑ کاٹ کر، مٹی کے پہاڑ کھود کر یہ غار دریافت کیے گئے، جو پہاڑوں کو اندر ہی اندر تراش کرانکی دیواروں اور چھتوں پر دیدہ زیب نقش ونگار، پھول، پرندے، جانور اور انسانوں کی بے حد خوبصورت اوردلکش مورتیاں بنائی گئی ہیں۔ یہ غار تعداد میں ۲۶ رہیں، پہلے غار میں مہاتمابدھ کی قد آدم مورتی

rekhta

Scanned by CamScanner

فن سنگتراشی کا فقید المثال نمونہ ہے، جو مختلف زاویوں سے دیکھنے پر کبھی روتی، کبھی ہنستی مسکراتی مختلف تاثرات پیش کرتی ہے۔

غار نمبر ۹ اور ۱۰ کی موتیاں بھی بے نظیر ہیں، غار نمبر ۱۹ کی ناگا جوڑی اور ۲۶ کی مہا پری نیروان کی عظیم الشان مثالیں ہیں۔ ایک تصویر میں ایران کے شاہ خسرو دوم اور ملکہ شیریں کو روایتی ٹوپی اور رنگ میں دکھایا گیا ہے، ایک غار میں ہاتھی کی مورت کو حکومت ہند کے محکمۂ سیاحت نے بطور علامت استعمال کیا ہے۔ دنیا کے چند نایاب عجائبات میں شمار ہونے والے ان غاروں کو دیکھنے کے لیے دنیا بھر سے آنے والے سیاحوں کی ایک بھیڑ ہمہ وقت اُمڈی رہتی ہے۔ جو صبح سے شام تک تصویر حیرت بنے غاروں میں گھومتے دکھائی دیتے ہیں، یکے بعد دیگرے تمام غار دکھلاتے ہوئے ان کی تفصیلات بھی پیش کرتے ہوئے شام سے کچھ پہلے پہلے شفیع قمر ہمیں ایک مسطح دلکش مقام پر لے آئے انھیں کی فرمائش پر ایک مختصر سی شعری نشست بھی منعقد کر لی گئی جس میں میزبان قمر اجنٹوی کے علاوہ مظفر حنفی، قاضی حسن رضا، اقبال گرامی اور یہ ہیچمداں ان پانچوں شاعروں کا بار سماعت الحاج منشی خاں، حبیب عالم، سلام عذری، ستار بھائی، لالہ جناب اور جیپ ڈرائیور محمد رئیس ان پانچوں بیچاروں کو جھیلنا پڑا، شام میں رات بھیگنے سے قبل اورنگ آباد پہنچ کر بس اسٹینڈ سے قریب مل کارنر پر واقع جگدمبھا لاج کو قیام کے لئے منتخب کیا۔

اچلپور کی طرح اورنگ آباد میں اپنے پی ایچ ڈی کے اکلوتے شاگرد، کئی افسانوی اور منی افسانوی مجموعوں کے خالق معروف قلمکار عظیم راہی جو ڈاکٹر عظیم راہی ہو چکے ہیں، کو اجنٹا ہی سے فون پر جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا تھا، لہذا کچھ ہی دیر میں موصوف ہمیں لینے کے لئے جگدمبا لاج پہنچ گئے، تیار ہو کر ہم لوگ روشن گیٹ کے قریب کریم کالونی میں مدینہ مسجد کے پاس واقع عظیم راہی کی رہائش گاہ پہنچے، کھانا حسب توقع بیحد لذیذ اور پر تکلف تھا۔ بھوک بھی شدت کی تھی لہذا خوب جی کھول کر کھایا۔ بیگم عظیم راہی نے دوسرے روز صبح ناشتے اور دوپہر کے کھانے کے لئے اہتمام میں بھی اپنی سلیقہ مندی اور مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا اس طرح مجھے بھی سرخرو کرنے کے اسباب فراہم کیے، دوسرے روز ناشتے سے فارغ ہو کر ملک عنبر کے بسائے ہوئے اور عہد عالمگیری میں شہنشاہ

Scanned by CamScanner

اورنگ زیب سے موسوم شہر اورنگ آباد کی سیر کے لئے نکل پڑے۔

تاریخی پن چکی، تاج محل کی نقل بی بی کا مقبرہ، ملک عنبر کی تعمیر کردہ عظیم الشان جامع مسجد وغیرہ تاریخی مقامات کی سیر کی۔ مظفر حنفی صاحب نے کسی بھی شاعر و ادیب کو اپنے اورنگ آباد پہنچنے کی اطلاع دینے کے لئے سختی سے منع کر رکھا تھا اس لئے کہ سوائے عظیم راہی کے، ہر کسی کے خیر یا شر سے حفاظت تمام اورنگ آباد سے ۱۲ کلومیٹر فاصلے پر تاریخ ہند میں حدود کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع و عریض ہندوستان کے مہتم بالشان شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ابدی آرام گاہ خلد آباد شریف کے لئے نکلے۔ جگہ جگہ ہندی میں آویزاں تختیوں پر (کھلتا آباد) پڑھ کر احساس کرب کو دباتے ہوئے مومن عارف باللہ حضرت پیر مروان الدینؒ حضرت بہاء الدین انصاری قادریؒ، نظام الدین اولیاءؒ (چودہ سر پالکی والے) وغیرہ بزرگان دین کی درگاہوں، خانقاہوں، مسجدوں اور مقبروں کے کھنڈرات سے دل مسوس کر گزرتے ہوئے خلد آباد شریف میں داخل ہوئے، لب سڑک خواجہ زین الدین شیرازیؒ کے شاندار مقبرے کے احاطہ میں عظیم ہندوستان کے ولی صفت عظیم المرتبت حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک کھلے میدان میں محض ایک چبوترے پر اپنی ابدی آرام گاہ میں استراحت فرما ہیں۔ مزار اقدس پر پھول کی ایک ننھی سی کونپل رکھی ہوئی ہے اور بس۔ ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید لکھ کر اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرنے والے خلفائے راشدین کے سچے پیرو اور قلندر صفت حکمراں کی عظمتوں کو سلام پیش کر کے سامنے ہی حضرت برہان الدین غریبؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اتنے میں شام ہو چکی تھی اسی سڑک پر ایک چھوٹی سی ہوٹل میں کھانا کھایا، اور سو رہے۔

دوسرے روز علی الصبح حضرت زرزریؒ بخش دولہاؒ کے مزار پر حاضری دی۔ تھوڑے فاصلے پر جماعت اسلامی کی زیر نگرانی معروف اقامتی درسگاہ العرفان ریسیڈینشل پبلک اسکول کی شاندار عمارت دعوت نظارہ دے رہی تھی، وقت کی کمی کے باعث دور ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اسی نواح میں عالمی شہرتوں میں اجنتا کی ہم پلہ اسی دور قدیم یعنی قبل مسیح میں ایلورہ کی غاروں میں تراشی گئی شہرہ آفاق مورتیاں اور حیرت انگیز تصاویر دیکھنے کے لئے چل پڑے، بدھ مذہب کے دور عروج میں تراشی گئی ان عدیم النظیر مورتیوں کا تعلق تین مختلف مذاہب کے عقاعد سے ہے، پہلے

Scanned by CamScanner

بارہ ۱۲ غاروں میں بدھ مذہب، اسکے بعد کے دس غاروں میں ہندو مذہب اور آخری پانچ میں جین مذہب کے عقائد کی تبلیغ و تشہیر کے مقصد سے یہ مورتیاں تراشی گئی تھیں، بدھ کی دس نمبر کی غار کو خاص اہمیت ہے جو محض عبادت گاہ ہی نہیں اقامت گاہ بھی ہے، ہندو غاروں میں سولہ ۱۶ نمبر کیلاش نامی ایلورہ کے تمام غاروں میں سب سے اہم ہے۔ نمبر ۲۱ راجیشور بھی کم اہم نہیں ہے۔ جس میں دیوی پاروتی کو عبادت کرتے دکھایا گیا ہے۔ فن تعمیر، سنگتراشی اور مصوری کی بہترین شاہکار ان مورتیوں کے ذریعے برائی پر نیکیوں کی فتح، اسی اصول فطرت کو اجاگر کیا گیا ہے، اجنتا اور بالخصوص ایلورہ کی غاروں میں چند مرد اور خواتین کی مورتیوں کو برہنہ اور ایک آدھ مقام پر مباشرت کے عمل میں محو دکھایا گیا ہے۔ استفسار کرنے پر تاریخ کے کسی جانکار نے بتایا کہ جب ہندوستان میں جین اور بدھ مذاہب کا غلبہ ہوا تو عوام کی اکثریت رہبانیت کی جانب مائل ہوگئی۔ نتیجتاً عورت سے بے رغبتی کی وجہ سے ایک دور ایسا آیا کہ فوج میں بھرتی کے لیے جوانوں کا فقدان ہوگیا۔ کتابوں کے لکھنے پڑھنے کا چلن نہیں تھا لہذا مردوں کے خوابیدہ جنسی جذبات بیدار کرنے کے لئے یہ مورتیاں تراشی گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب تو جا بجا زندہ چلتی پھرتی مورتیاں یہ سب کرتی نظر آتی ہیں، بغیر خیر و شر کے کسی احساس کے محض دور قدیم کی فنکاری کی دل ہی دل میں داد دیتے ہوئے ہم نے تاریخ ہند کے مشہور ترین اور ۱۴ برس تک ہندوستان کی دوسری راجدھانی کا شرف حاصل کرنے والے عظیم شہر اور نا قابل تسخیر قلعے دولت آباد کی تسخیر کے لیے پیش رفت کی، صدیوں مختلف ہندو حکمرانوں کی عظمتوں کے مظہر دیوگری پہاڑ کو تراش کر تعمیر کردہ قلعہ دیوگری جسے یادو خاندان کے راجہ رام دیو کو شکست دے کر علاؤ الدین خلجی نے اپنے زیر نگیں کیا۔ اس کے بیٹے قطب الدین خلجی نے اس کا نام قطب آباد یا قبۃ الاسلام رکھا۔ بعدہٗ محمد تغلق نے دہلی کی بجائے اسے ہندوستان کا دارالسلطنت بنا کر اس کا نام دولت آباد رکھا۔ مسلمانوں کے عہد اقتدار کے خاتمے کے بعد گردش ایام کو پھر سے پیچھے کی طرف دوڑا کر اس تاریخی شہر اور قلعے کو اسکا کھویا ہوا نام دیوگری عطا کیا گیا۔ لہذا قلعے کے اطراف ہوٹلوں اور دوکانوں کے سائن بورڈ پر جلی حروف میں دیوگری ہم نے پڑھا۔ اس اس شہر کے بسنے

Scanned by CamScanner

اجڑنے اور قلعے کی تعمیر و تسخیر کے بارے میں تفصیلات لکھوں تو ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی اور اگر محض محمد تغلق کے تعمیر کردہ باب اور اندر سے گزر کر ٹکٹ خریدنے کے بعد سامنے وسیع و عریض صحن میں تعمیر حجروں میں عہد مغلیہ کی توہین دیکھتے ہوئے یکے بعد دیگرے بلند دروازے سے نکل کر علاء الدین خلجی کے تعمیر کردہ فتح مینار الموسوم بہ چاند مینار سے ٹیک لگا کر فوٹو کھنچوانے ہاتھی حوض اور اپنے دور میں بازار کا کام دینے والے سنگی حجروں، پرانی باؤلی، کچہری، رشید باغ، تغلق کے محل کا صدر دروازہ، محل کے کھنڈرات، مسجد، حمام، اولیاء کرام کے مزارات، کالا کوٹ کے بعد یا دور راجاؤں کے دور اقتدار کے بلند و بالا قلعے کی اونچائی زینہ بہ زینہ عبور کرنے، اس کیفیت کو غزل کے اشعار میں پرونے جس کے تین شعر یاد آرہے ہیں ۔

چلیں گے دم بدم زینہ بہ زینہ   مرے نقش قدم زینہ بہ زینہ
گرے ہیں پستیوں میں اب تو کیا ہے   چڑھیں گے پھر سے ہم زینہ بہ زینہ
بلندی پر بہت دم پھولتا ہے   بہت ہیں پیچ و خم زینہ بہ زینہ

یہ سب سنائے ہوئے خندق سے قبل برج پر مینڈھا توپ (جس پر شہنشاہ اورنگ زیبؒ اور تیار کنندہ محمد حسین کا نام کندہ ہے) دیکھ کر خندق پر لکڑی کے پل سے گزرتے ہوئے بھول بھلیاں وہاں سے نکل کر دور شاہجہانی کی بارہ دری کے قریب ہی ہزار ہا ہزار فٹ کی بلندی پر صاف پانی کا ذخیرہ پھر آگے بڑھتے ہیں تو بالا حصار جہاں سے نیچے میلوں دور کا وہ سارا منظر جہاں سے گزر کر ہم یہاں پہنچے ہیں صاف نظر آتا ہے۔ آخری بلند برج پر رکھی توپ پر بیٹھ کر فوٹو کھنچوائے ان تمام کو اگر مفصل بیان کیا جائے تو محض دولت آباد کے لیے ایک طویل مضمون درکار ہوگا۔ لہٰذا آپ بھی ہمارے ساتھ اپنی شان رفتہ کی یادوں کو سینے میں بسائے "پدرم سلطان بود" کا ورد کرتے ہوئے قلعے سے زینہ بہ زینہ نیچے اُتر آئے۔ مظفر حنفی اور قاضی حسن رضا صاحبان کسی وجہ سے ہمارے ساتھ قلعے کی بلندیوں تک نہیں پہنچے تھے طے پایا کہ ان دونوں کے ساتھ دوسرے روز قلعے پر پھر سے چڑھائی کی جائے کہ ایسے مواقع بار بار کہاں آتے ہیں۔

رات خلد آباد کی اسی قیام گاہ میں گزار کر دوسرے روز علی الصبح پھر اوپر چڑھنے کے لیے

Scanned by CamScanner

ہمیں باب الداخلہ پر دیکھ کر ایک شخص نے جو کل بھی یہاں ہمیں دیکھ چکا تھا پھر سے آنے کی وجہ پوچھی، منشی بھائی نے سنجیدگی سے جواب دیا ''کل ہمارا ایک ساتھی قلعے کے اندر رہ گیا تھا اسے تلاش کرنے کے لئے آئے ہیں'' اس شخص کو بحرِ حیرت میں غوطہ زن چھوڑ کر ہم باب الداخلہ میں داخل ہوئے اب کل والی تفصیلات کا مکرر اعادہ غیر ضروری اور تضیع اوقات کے مترادف ہوگا۔ بس یہ کہ دوپہر تک ہم لوگ بعافیت نیچے اتر آئے اور ہماری جیپ واپسی کے لیے اورنگ آباد، جلگاؤں، بھساول (جہاں رک کر ناشتہ کیا) ساودہ، فیض پور، اور راویر ہوتے ہوئے برہانپور پہنچی جہاں سے (کسی ہوٹل میں کھانا طے ہو چکا تھا، اتفاق سے اسی روز وہاں ضلعی یا علاقائی تبلیغی اجتماع تھا۔ تمام ہوٹلوں کا کھانا ختم ہو چکا تھا، منڈی چوراہا پر واقع ستار ہوٹل میں کچا پکا جو کچھ مل گیا اسی پر اکتفا کیا اور راتوں رات اپنے مستقر کھنڈوا لوٹ آئے۔

اس سفر کے تعلق سے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک دوستانہ شرارت کے تحت مہاراشٹر کے جن تین شہروں اچلپور، ناندورہ اور اورنگ آباد میں بابو، آر، کے مبین الرحمٰن آزادؔ اور عظیم راہیؔ کے ہاں بے تکلفانہ دعوتیں اڑائیں ان میں سے بابو، آر، کے اور عظیم راہیؔ نے اپنے مسودے پیش لفظ میں لکھنے کی درخواست کے ساتھ مظفر حنفی کو بھیج دیئے، موصوف نے مجھے لکھا کہ تم اپنے سمدھی مبین آزادؔ سے بھی اپنا مسودہ بھیج دینے کے لئے کہو تا کہ اس پر بھی کچھ لکھ کر حق نمک کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جاؤں۔

☆☆☆☆

چل چنبیلی باغ میں

میرے اس دعوے کو میری عقیدت مندانہ جانبداری پر محمول کرنے سے پہلے ارباب نقد ونظر پیش کردہ تمام تفصیلات کو سرسری نہیں گہری نگاہ سے دیکھیں، غور کریں، غیر مشروط انداز میں تقابلی جائزہ لیں نیز قطعی غیر جانبدار رہتے ہوئے اور تمام پیش گی ذہنی تحفظات یا تعصبات سے بالاتر ہو کر فیصلہ کریں کہ کیفیت اور کمیت، گہرائی، گیرائی وسعت اور عمق، رنگا رنگی اور ہمہ جہتی ہر اعتبار سے انفرادیت کے حامل اس قدر پھیلے ہوئے کثیر الجہات ادبی کارناموں کی روشنی میں مظفر حنفی کو بیشتر قد آور اور برتروں پر تفوق اور برتری کیوں نہ دی جائے۔

اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم سب سے پہلے موصوف کے مختلف جہتوں میں دور دور تک بکھرے ہوئے تمام تر تحقیقی، تنقیدی، تالیفی، اتالیقی اور تدوینی نیز ترجمہ شدہ سرمائے کو سمیٹ کر حیطہ نگاہ میں مرتکز رکھیں تا کہ کسی ایک صنف، کسی ایک جہت پر پہلو بہ پہلو گفتگو کرتے ہوئے سابقہ سرمایہ کثیر وخطیر حصار ذہن سے نکل کر نگاہوں سے یکسر اوجھل نہ ہونے پائے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ مظفر حنفی صاحب نے صنف ادب کی جس کشت ویراں میں قدم رکھا ہے اسے زرخیزی اور شادابی عطا کر کے اپنے رنگا رنگ، سدا بہار فکری گل بوٹوں سے لالہ زار بنا دیا ہے، ان کی مختلف الجہات تخلیقات میں تخیل کی بلندی، فکر کی عمق، زبان وبیان کی جدت، رنگ وآہنگ کی ندرت، لب ولہجہ کی انفرادیت، ترسیل وابلاغ کے وسیع تر امکانات، جذبات واحساسات کا تنوع وغیرہ اوصاف کا ایک جہانِ دگر آباد ہے اس کی مثالیں اردو شعر وادب میں عنقا ہیں، لہذا اہم عصر اردو شاعری میں وہ اپنی آواز، اپنے لہجہ کے بل بوتے پر اپنی ایک مخصوص اور منفرد پہچان رکھتے ہیں۔

سکہ بند ناقدوں کی طرح کسی مخصوص نظریے، رجحان یا تحریک سے وابستگی کے بغیر ادب پاروں کو دیکھنے پرکھنے کا ان کا اپنا انداز ہے۔ آزاد، غیر مشروط، غیر جانبدار، غیر مصلحت پسند اور غیر متعصب، بالکل واضح، بے باک اور دوٹوک، ترتیب وتدوین کے میدانوں میں ان کے مختلف النوع کارناموں کے پھیلاؤ سے قطع نظر ان کے صرف دو کارہائے نمایاں انھیں ادب میں تادیر انھیں

Scanned by CamScanner

زندہ اور تابندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ایک جوان العمری میں ادبی مراکز سے دور مدھیہ پردیش کے چھوٹے سے شہر کھنڈوہ سے جدید فکر ونظر کے حامل ''نئے چراغ'' کا اجراء اور اس کے اٹھارہ شماروں کے وسیلے سے اردو دنیا میں ایک ہلچل،ایک ہنگامہ مچادینا،''شب خون'' سے پہلے جدید رجحانات کو فروغ دینے میں ''نئے چراغ'' کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔مظفر حنفی کا دوسرا کارنامہ شاؔد عارفی کی منفرد تخلیقی حیثیت کو منوانا اور ان کے شایان شان انھیں مقام دلانا ہے،شاؔد عارفی جیسے بے مثال تخلیقی شان کے حامل فنکار کو مجرمانہ بے اعتنائی کے تحت بلاوجہ فراموش کر بیٹھنے کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے حنفی صاحب نے ان کے تمام بکھرے ہوئے تخلیقی سرمائے کو سمیٹ کر یکجا کیا اور انھیں کئی ضخیم کتابوں میں محفوظ کر کے کئی یونیورسٹیوں میں اسے داخل نصاب کروایا۔

مظفر حنفی نے کسی قابل ذکر صنف ادب کو اپنی تخلیقی دسترس سے دور رہنے نہیں دیا۔ ہر ایک پر تصانیف نو بہ نو کے انبار لگادیئے جن کی من جملہ تعداد سو سے متجاوز ہے،اس وسیع و قیع تر سرمائے میں ایک کمی بے طرح کھٹکتی تھی،وہ تھی سفرنامہ کی،جو موصوف نے اپنا سفرنامہ انگلینڈ ''چل چنبیلی باغ میں'' شائع کر کے پوری کردی ہے۔کم وبیش ہر قابل ذکر شاعر وادیب جس میں اندرون ملک یا بیرون ملک،نزدیک یا دور کوئی غیر معمولی اور یادگار سفر کیا ہے اس کی روداد ضرور لکھی اور کتابی صورت میں شائع کی ہے جسے سفرنامہ سے موسوم کیا گیا ہے،ڈاکٹر خالد محمود نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ'' میں ایک سو پینتالیس سفرناموں کی فہرست شرح وبسط کے ساتھ پیش کی ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے اربابِ قلم چاروں کھونٹ گھوم کر ساری دنیا کو اپنے قدموں تلے روند چکے ہیں،ایک سرسری نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں بیشتر تعداد دو ملکوں کے سفرناموں کی ہے،ایک سعودی عرب اور دوسرا انگلینڈ،سعودی عرب کے کم وبیش سبھی سفرنامے عمرہ وحج بیت اللہ اور زیارت بارگاہ رسول ﷺ کی تفصیلات پر مبنی ہیں لہٰذا انداز تحریر،اظہار وابلاغ،زبان وبیان اور ترجمانی جذبات واحساسات سے قطع نظر احوال وکوائف سب کے یکساں ہیں،انگلینڈ کے سفرناموں کے ساتھ یہ بات نہیں ہے۔ان سفرناموں کی کثیر تعداد کے علاوہ اولیت کی بھی سعادت حاصل ہونے کی ایک بڑی وجہ تو اس کا ہمارے سابق انگریز آقاؤں کا ملک ہونا اور

Scanned by CamScanner

اس اعتبار سے اسباب وذرائع سفر سے سہولیات کی مقابلتاً فراوانیوں کا ہونا رہا ہے۔ لہٰذا اردو کا پہلا سفرنامہ 1873ء میں یوسف کمبل پوش کے سفر انگلینڈ کی روداد ہے جو ''عجائبات فرنگ'' کے عنوان سے 1947ء میں شائع ہوئی۔ انگلستان کے چند مشہور سفرناموں میں محمد حسین آزاد، سرسید احمد خاں، قاضی عبد الغفار، خواجہ احمد عباس، آغا محمد اشرف، جمیل الدین عالی، پطرس بخاری، محمد طفیل، رام لعل، گوپی چند نارنگ اور وزیر آغا وغیرہ کے سفرناموں کا شمار ہوتا ہے۔ ان میں اپنے دلکش اور دلچسپ انداز تحریر کی بنا پر ابن انشاء اور مجتبیٰ حسین کے چین اور جاپان کے سفرنامے اردو میں غیر معمولی مقبولیت کے حامل ہیں۔

مظفر حنفی کا زیر تذکرہ سفرنامہ جوان سطور کے عالم تحریر میں آنے کا محرک ہے اسے اپنے عنوان (چل چنبیلی باغ میں) ہی سے انفرادیت پسندی کا اظہار واعلان کر دیتا ہے، عنوان کی وجہ تسمیہ کا رمز سفرنامہ کی اختتامی دوسطروں میں پردے سے عیاں ہوتا ہے، جب وہ اختتام سفر پر اپنی چہیتی شریک حیات (عاصمہ بیگم) سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں......

''چل چنبیلی باغ میں'' اور ''چنبیلی مہکنے لگی''

اس جملے پر سفرنامے کا اختتام ہوتا ہے، انگلینڈ کا یہ سفر مظفر حنفی کی زندگی کا پہلا غیر ملکی سفر ہے، موصوف اس کے بعد بھی کئی بار اس دیار سے ہو آئے ہیں اور آئندہ بھی بار ہا وہاں جانے کے امکانات ہیں کہ انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں اُن کا بیٹا پرویز مظفر اپنی بیوی نسرین اور بچی کے ساتھ مستقل سکونت پزیر ہیں۔ دونوں میاں بیوی برمنگھم سٹی کاؤنسل میں بحیثیت سوشل ورکر برسرکار ہیں۔

''چل چنبیلی باغ میں'' کے دیگر سفرناموں سے مقابلتاً منفرد ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ بنیادی وجہ اس کے سابقہ سفرناموں سے مختلف اور منفرد ہونے کی، اسباب ومحرکات، مقاصد اور عوامل کا سابقہ روایتی اسفار سے قطعاً علیحدہ ہونا ہے۔ مظفر حنفی کے اس سفر کا مقصد نہ تو سیاست ہے نہ تجارت نہ سفارت نہ حصول تعلیم نہ ملازمت اور نہ ہی کسی سیمنار یا مشاعرے میں شرکت، بلکہ خالصتاً گھریلو سفر جو موصوف اپنی شریک حیات اور اپنی اکلوتی بیٹی صباء تسنیم کے ساتھ کرتے ہیں، اپنے بیٹے پرویز مظفر سے ملنے اور اسے ازدواجی رشتے میں منسلک کرنے کے لئے، لیکن وہ چونکہ بین الاقوامی

Scanned by CamScanner

حیثیت اور شہرت کے حامل اردو کے شاعر و ادیب ہیں لہذا لاکھ چھپانے پر بھی برطانیہ میں ان کے وجود کی خوشبو تمام اردو دوستوں تک پہنچ جاتی ہے، اور اپنے گھریلو ہنگاموں سے وقت نکال کر انھیں اُن ادبی شخصیتوں کو شرف ملاقات عطا کرنا پڑتا ہے۔ ان ادبی محفلوں، جلسوں، مشاعروں، میں شرکت کرنی پڑتی ہے جو ان کے اعزاز میں منعقد کئے جاتے ہیں، علاوہ ازیں پرویز مظفر شادی کے بعد ان کی بیوی نسرین اور ان کے احباب مظفر صاحب عاصمہ بیگم اور صبا تسنیم کو بساط بھر انگلینڈ کے تفریحی اور تاریخی مقامات کی سیر کروا دیتے ہیں، اب مظفر حنفی جیسا چشم بصیرت، فکر رسا اور غیر معمولی تخلیقی ذہانت کا حامل فنکار قرطاس وقلم سے اس غیر معمولی واقعات اور مشاہدات کو بقائے دوام عطا نہ کردے کس طرح ممکن ہے لہذا اپنی نوعیت کا سب سے منفرد سفرنامہ وجود میں آتا ہے۔ ''چل چنبیلی باغ میں''۔

دوسری اہم خصوصیت اس سفرنامے کی ان کا حقیقت پسندانہ انداز بیان ہے، اردو میں تا حال جتنے سفرنامے لکھے گئے ہیں ان میں بیشتر سفرنامہ نگار کا کردار اور وجود تمام تر جزو کل پر کچھ اس طرح چھایا رہتا ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے منظر کو اس سے الگ کر کے دیکھنا محال ہوتا ہے۔ جہاں دیکھئے اس کی خودستائی کے بیانوں کی فراوانیاں ہیں۔ آغاز سفر سے لگتا ہے کہ اسے خدا حافظ کہنے کے لئے پورہ شہر ایرپورٹ، بندرگاہ یا اسٹیشن پر امڈ آیا ہے، دوران سفر ہر ہم سفر بالخصوص تمام خوبصورت، حسین جمیل دوشیزائیں محبت آمیز نظروں سے ٹکٹکی باندھے للچائی نظروں سے صرف اس کی طرف متوجہ ہیں بقیہ مسافر رشک بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہے ہیں، جہاں جہاں وہ پہنچتا ہے ایک جم غفیر مہکتے خوش رنگ ہار گل دستے لئے اس کے استقبال کو موجود رہتا ہے، جس سڑک سے گذرتا ہے ہر راہگیر اس کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے دکھائی دیتا ہے قصہ مختصر سفر میں درپیش دل کش مناظر حیرت انگیز واقعات دیس بدیس کے طرزِ بود و باش، تہذیبی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی حالات کے دلچسپ تذکروں کے بجائے خودنمائی اور خودستائی کی مسلسل تکرار سے طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس مظفر حنفی کا یہ سفر قطعی گھریلو سفر ہے وہ ستر دن وہاں قیام کرتے ہیں، اس

Scanned by CamScanner

دوران پرویز کارشتہ طے کرتے ہیں،شادی بیاہ کی تیاریاں کپڑے لتے،زیورات دعوت ولیمہ،وغیرہ الغرض شادی بیاہ کی از اول تا آخر تمام تر رسومات کی ادائیگی ہندوستانی مسلمانوں کی طرز پر انجام دیتے ہیں۔بہو بیٹے کے ساتھ چند روز مسرتیں لوٹتے لٹاتے ہیں اور گھر لوٹ آتے ہیں۔ بظاہر اس سیدھے سادھے اور شگفتہ تحریر سے سجا سنوار کر اسے لازوال اور نا قابل فراموش بنادیا ہے۔ ان کے اس سفرنامے کا ایک انفرادی پہلو یہ بھی ہے کہ اس حکایت لذیذ کے ذریعہ موصوف نے اپنے گھریلو اور خاندانی حالات بیان کرتے ہوئے انگلینڈ کے جغرافیائی ،سماجی،تہذیبی،ثقافتی، اور معاشرتی حالات کے تناظر میں ہندو پاک کے تارکین وطن اور اردو زبان وادب کی صورت حال، قابل دید مقامات اور تفریح گاہوں کی تفصیلات کی جزئیات سمیت نہایت ہنر مندی اور تخلیقی شان کے ساتھ عکس بندی کی ہے۔

مظفر حنفی جب دو دن کو انگلینڈ کے لئے دلی کے جامعہ نگر میں واقع اپنے دولت کدہ بٹلہ ہاؤس سے اندرا گاندھی انٹر نیشنل ایر پورٹ کے لئے عازم سفر ہوتے ہیں تو ان کی اہلیہ اور بیٹی کے علاوہ اس سفرنامے کا قاری بھی سائے کی طرح ان کے ساتھ ساتھ ہولیتا ہے۔وہ سیرین ایرلائنز کے پلین میں ان کے ساتھ سوار ہوتا ہے،شارجہ اور دمشق ہوتے ہوئے لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ تک پندرہ گھنٹے ان کے ساتھ رہتا ہے،دوران سفر مظفر حنفی صاحب کی اہلیہ،بیٹی اور دیگر ہم سفروں کے ساتھ خوش گپیوں اور لطیفہ بازیوں میں شریک رہتا ہے۔ہیتھرو ایرپورٹ کے باہر پرویز مظفر سے والدین اور اکلوتی بہن کی جذبات انگیز ملاقات کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں،پرویز اور ان کے احباب کے ساتھ لندن سے برمنگھم تک سو میل تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی برق رفتاری سے سڑکوں پر تیرنے والی کاروں میں بیٹھ کر اسپارک علاقے میں ایسے روڈ پر واقع پرویز کی رہائش گاہ مکان نمبر 107 میں پہنچ جاتا ہے۔ یہاں وہ پرویز کے احباب کے گھروں پر ہونے والی پر کیف دعوتوں میں شریک ہوتا ہے،باپ بیٹے کی مختصر گفتگو،ماں کی ممتا، بیٹے کا لاڈ،بہن بھائی کی دلچسپ نوک جھونک سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

پرویز کے احباب کے توسط سے پہلے ہی سے تیار منصوبے کے تحت میر پور(آزاد کشمیر)

Scanned by CamScanner

نژاد نسرین سے شادی کرنے کی خواہش کا راز دار ہوتا ہے، رشتہ طے کرنے کے اولین مرحلے سے ۲۱ر جون شادی کی گھڑی تک کپڑے زیورات، شادی کے دیگر لوازمات خریدتے ہوئے سارک اینڈ اسپینسر، آسدا، آرگوز، مہیش بپی، بھیم جی جیولرس وغیرہ اسٹورس پر، اسلامی طریقے اور خالص ہندوستانی طرز میں انعقاد پذیر تقریبات شادی میں ہر لمحہ شریک رہتا ہے۔ دلہن کی رخصتی کا منظر ملے جلے جذبات و کیفیات کے ساتھ دیکھتا ہے ان تمام سے قبل رشتہ طے ہونے کے بعد والی رات بستر پر لیٹتے ہوئے حنفی صاحب کو پرویز کے بچپن سے اب تک کے ہنگامہ خیز اور جذبات انگیز یادوں میں محو پاتا ہے، اور ان کی زبان پر بے ساختہ مچلنے والے ان کے شعر۔

میری سنتے اپنی کہتے، میرے دیدہ و دل میں رہتے
لیکن تم نے اپنا مسکن سات سمندر پار بنایا

کی تاثر انگیز اور رقت آمیز کیفیت محسوس کر کے آبدیدہ ہو جاتا ہے، اس مختصر خاندان کے ساتھ چوڑے چکلے فٹ پاتھوں کے درمیان چمچماتی کشادہ سڑکوں پر ہندوستان سے دوگنی رفتار میں دوڑنے والی کاروں میں سفر کرتا ہوا دور دور تک ایک ہی طرز تعمیر کے مکانوں، سبزہ زاروں، پارکوں سے لطف اندوز ہوتا ہوا کبھی لیوٹن، کبھی لندن، کبھی یہاں، کبھی وہاں گھومتا ہے، لق و دق مسجدوں میں تبدیل ہوتے ہوئے چرچ دیکھ کر جب اس پر منکشف ہوتا ہے کہ انھیں عیسائیوں نے خود مسلمانوں کو مسجدوں کے لئے فروخت کر دیا ہے تو اس کشادہ قلبی اور وسعت الذہنی کا موازانہ اپنے ساتھ روز مرہ تنگ نظری اور متعصبانہ رویوں سے کر کے دل مسوس کر رہ جاتا ہے، چند ثانیوں بعد انڈر گراؤنڈ برج میں برمنگھم کے اس سرے سے داخل ہوتا ہے تو دوسرے سرے پر نکلتا ہے، یہ ہوٹلوں میں عاصمہ بیگم کو حلال و حرام کی کشمکش میں مبتلا پا کر غرق حیرت ہوتا ہے، ان لوگوں کے ساتھ ٹیوب (میٹرو کی طرح انڈر گراؤنڈ ٹرین) میں، بسوں یا کاروں میں سوار کبھی سفاری پارک، مادام توساد کا عجائب گھر، ویسٹ منسٹر ایبے، بگ بین ٹیلسن کالم، ٹریفلگیر اسکوائر، جیول ٹاور، قدیم پارلیامنٹ، سی لائن سینٹر، چارلس اول کا مینار، پکاڈلی سرکس، ہائیڈ پارک، آرٹ گیلری اور برٹش میوزم ہوتا ہوا انڈیا آفس لائبریری، اسکاٹ لینڈ، یارڈ بکنگھم پیلیس، لندن ٹاور اور ماربل آرک کی طرف سے نکلتا ہے تو

Scanned by CamScanner

کبھی کسی اور طرف سے اور کبھی دریائے ٹیمس کے کنارے سائے کی طرح ان لوگوں تک جا پہنچتا ہے

ایک تو دنیا بھر کی یہ منفرد تفریح گاہوں کے دل کش نظارے اور پھر بیاں اپنا، معاف کیجئے مظفر حنفی کا کچھ اس قدر دل فریب منظر نامے پیش کرتا ہے کہ قاری کسی طرح ان خواب آگیں دل کشیوں سے اپنے آپ کو الگ کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ تعجب ہے کہ محض ڈھائی مہینوں کی قلیل مدت میں مظفر حنفی اتنا سارا اتنا پھیلا ہوا قوس وقزح کی طرح مختلف رنگوں میں بسا ہوا انگلینڈ، مختلف زاویوں، مختلف پہلوؤں، مختلف انداز نظر سے کیوں کر دیکھ پائے اور یہ محض سرسری دیکھ کر گزر نہیں گئے۔ تمام تر مشاہدات کی جزئیات میں اپنے محسوسات سمو کر دل پذیر طرز اظہار کے ساتھ کچھ اس فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے، کہ قاری سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے متحرک حالتوں میں دیکھتا محسوس کرتا ہے۔

محض سفر نامہ تحریر کرنا مقصود سفر ہوتا تو بات تھی، طرہ یہ کہ اس دوران بیٹے کی شادی کی مصروفیات اور تمام مراحل سے بحسن وخوبی گزرنا اور انگلینڈ کے مختلف شہروں میں دور دور بکھرے ہوئے ارباب اردو کے ساتھ ملاقاتوں اور نشستوں کے وسیلہ سے ادبی ہنگامہ آرائیوں میں شرکت ان کے اعزاز میں عظیم الشان مشاعرے استقبالیہ جلسے اور نشستیں جن میں برطانیہ کے ادباء وشعراء نے شرکت کی اور مظفر حنفی کو فرمائشیں کر کے خوب سنا۔ متعدد کتابوں کا اجراء کیا اور اخبارات میں انٹرویو شائع ہوئے۔ بی بی سی نے رضا علی عابدی کے ذریعہ ایک طویل انٹرویو ریکارڈ کیا۔

مظفر حنفی ۱۰ ر اگست کو اپنی اہلیہ اور بیٹی کے ساتھ انگلستان کی محبتوں، چاہتوں اور عقیدتوں میں لپٹی رنگا رنگ یادیں سمیٹ کر وطن لوٹ آئے، مظفر حنفی کا یہ سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' لکھتے وقت کوئی وقت نہیں آئی کیوں کہ انھوں نے اپنے تخلیقی سفر کے ابتدا میں افسانہ نگاری کے ذریعہ دھوم مچادی تھی لہذا اس سفر نامے کے دوران مطالعہ جا بجا تحیر، تجسس، ڈرامائی موڑ، نفسیاتی کشمکش، جذباتی ہیجان کا سامنا ہوتا ہے اور اس پر مستزاد برجستگی اظہار مثلاً سیکوریٹی چیکنگ کے دوران انسپکٹر کے ''یادگاری'' طلب کرنے پر مظفر صاحب کا جواب کہ '' آفیسر! میں اسمگلر نہیں، ٹیچر ہوں۔ پاسپورٹ دیکھئے۔''

Scanned by CamScanner

جہاز میں بچا ہوا کھانا ضائع کردینے پر ''جہازوں میں روزانہ نہ جانے کتنے ٹن خوراک ضائع کردی جاتی ہے، جب کہ ایتھوپیا جیسے بہت سے ممالک میں لاکھوں انسان بھوکوں مرجاتے ہیں۔'' اور ایک دعوت کے دوران...... ''میں نے مرکھپ کرانھیں بھی پیٹ میں پہنچایا کہ بچپن سے غریب والدین نے تربیت ایسی کی ہے کہ کھانا ضائع کرنا گناہ کبیرہ سا لگتا ہے......'' اور چند جملے دیکھئے...... ''فطرت موقع پاتے ہی اپنا سارا حسن جیسے فوارے کی طرح اچھال دیتی ہے یہ سنکر عاصمہ کے چہرے پر نور سا اتر آیا......'' یا پھر یہ جملے...... ''بیٹے کو گلے لگایا۔اس کے گال اور پیشانی پر بوسہ دیا، اندر جذبات کا ایسا ہنگامہ بپا تھا کہ مجھے اپنی ہچکیاں روکنی مشکل ہوگئیں۔''

ایسے کئی جذبات انگیز جملے جا بجا اس کتاب میں ہیں جو بے اختیار رقت میں مبتلا کردیتے ہیں، القصہ مختصر واقعات کے تانوں بانوں کی مدد سے کہانی بننے کی فنی مہارات، جدت وندرتِ اظہار کا شاعرانہ انداز میں تخیل کی معجز بیانی ان تمام اجزائے ترکیبی کو یکجا کرکے جب مظفر حنفی صاحب نے ایک بے مثال تخلیق پارہ سفرنامہ انگلینڈ وجود میں لاکر ''چل چنبیلی باغ میں'' دلچسپ اور دلکش نام کے ساتھ منظر عام پر لایا تو ہر صاحب ذوق نظر نے اسے سرآنکھوں پر رکھا اور ہم عصر سفرناموں میں یہ سفرنامہ بہر اعتبار فوقیت اور برتری کا موجب قرار پایا۔

☆☆☆

یادوں کے دریچوں سے جھانکتا

{میرا وطن پیپل گاؤں راجہ}

یاد ماضی بقول غالب اس صورت میں یقیناً عذاب بن جاتی ہے جب حال کا ہر لمحہ قیامت خیز، ہر پل اذیت ناک اور ہر سانس ایک مرگ ناگہانی کی پیامبر ہو برخلاف اس کے اگر حال پرسکون وطمانیت، مسرت آگیں اور خوشبودار ساعتوں کا پیامی ہو تو کوئی بھی ذی عقل و ہوش ماضی کے کربناک اور تکلیف دہ واقعات کو یاد کرنے کی حماقت بھول سے بھی نہیں کرے گا۔ لیکن یہاں میرے درپیش دونوں بھی صورتیں نہیں رہیں۔ میں تو اپنے قابل صد شکر آج میں اپنے گزرے ہوئی کل کے چند برسوں کی یادیں تازہ کرنے کی غرض سے یہ چند سطریں قلمبند کر رہا ہوں جو میرے وطن عزیز بلڈانہ ضلع کے مردم خیز قصبے پیپل گاؤں راجہ میں بسر کرنے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے۔ نشان خاطر رہے کہ یہ میرا پیدائشی یا آبائی وطن نہیں ہے وہ تو اس ضلع کا قصبہ ماٹر گاؤں ہے۔ اور زندگی کے دو بڑے وقفے مجھے لاکھنواڑہ اور باری ٹاکلی میں بالترتیب پندرہ اور تا حال چھتیس برس گزارنے پڑے ہیں۔ پیپل گاؤں راجہ کو وطن عزیز اس لئے کہا ہے اور جو اپنے تمام تر محل وقوع کے ساتھ یادوں کے دریچوں سے اس لئے جھانکتا رہتا ہے کہ وہاں کی مٹی پتھروں میں اوبڑ کھابڑ گلیوں میں گرم و سرد موسموں میں اور وہاں کے پاکیزہ ماحول میں میری شخصیت کی تشکیل و تعمیر ہوئی ہے جہاں میری تعلیم و تربیت ہوئی ہے۔ آبائی وطن ماٹر گاؤں میں ان دنوں اردو اسکول نہ ہونے کی وجہ سے مراٹھی سے تین درجے پڑھے ہوئے میرے والد مرحوم محمود خاں پٹیل بال بچوں سمیت میری ننھیال پیپل گاؤں راجہ آکر بس گئے تھے۔ عمر کے چھٹویں برس مجھے اپنے بڑے بھائی سخاء اللہ خاں کے ساتھ وہاں کی اردو مڈل اسکول کے درجہ اول میں داخل کرادیا گیا۔

اب یہاں اس حکایت تلخ و ترش کا موقع و محل نہیں کہ والدین کی معاشی بدحالی کا یہ عالم تھا کہ اکثر اوقات فاقوں میں بسر ہوتے۔ ہم دونوں بھائی ایک سلیٹ پر یکے بعد دیگرے ریاضی کے سوال یا املا لکھا کرتے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے تو ان دنوں پیپل گاؤں راجہ میں گزرے اپنے محض ان چند

Scanned by CamScanner

برسوں کی حکایات دل نشیں بیان کرنی ہیں جنہیں میں حاصل زندگی سمجھ کر یادوں کی صورت میں مستقل حرز جاں بنائے رکھتا ہوں اول تا ہفتم میری باقاعدہ اور مستقل تعلیم اسی اسکول میں ہوئی ۔میرے مستقل ہم جماعتوں میں لطیف، ہدایت، ذکاء حسن، مظہر وہاب، ضیاء جیلانی، عزیز یہ نام آج تک ذہن میں مہکتے رہتے ہیں۔لطیف، ہدایت اور محبوب (خاکسار) تینوں کا مثلث جو روز اوّل سے بن گیا تو آج عمر کے آخری مراحل تک اپنی اسی شکل میں برقرار ہے۔لطیف کے دنیائے فانی سے رخصت ہو کر عالم بالا میں جا بسنے کے باوجود اس کی یادوں کے زخم آج بھی تر و تازہ ہیں۔آج بھی اسی طرح مہک دیتے ہیں جو اس کی حیات مستعار میں اس کے بے پناہ خلوص کے پھولوں سے اٹھتی تھی۔ہم تینوں گھروں سے اسکول ایک ساتھ جاتے۔ایک ہی ٹاٹ اور بینچ پر بیٹھتے، کسی ایک کے گھر پر بیٹھ کر ہوم ورک ایک ساتھ کرتے، ایک ہی مسجد میں ایک ساتھ نماز پڑھتے، ندی میں ایک ساتھ نہاتے، میدانوں، گلیوں میں ایک ساتھ گھومتے پھرتے، کھیلتے کودتے قصہ مختصر رات کے چند گھنٹے چھوڑ کر ہمارے شب و روز کا ہر لمحہ ایک ساتھ گزرتا۔پانچویں جماعت تک یہ ساتھ رہا۔ششم میں بوجوہ انگلش بند ہو جانے پر لطیف کو انگریزی کے ساتھ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کیلئے اکولہ ملٹی پرپز ہائی اسکول میں اور وہاب اور ہدایت کو ان کے والد کے پاس حیدرآباد بھیج دیا گیا۔اپنی مفلوک الحالی اور بے یار و مددگاری کے سبب مجھے اسی گاؤں کی اسکول میں بغیر انگریزی سے ساتویں پاس کر کے تعلیمی سلسلے کو خیرباد کہہ کر محنت مزدوری سے لگنا پڑا۔گاؤں میں روزی کا فقدان ہونے کی بناء پر ہم لوگ کھامگاؤں میں آن بسے جہاں مجھے اینٹ گارا ڈھونے پر لگا دیا گیا۔میرا جی کسی طرح اس کام میں نہ لگتا۔میں پڑھنا چاہتا تھا لیکن ذرائع مسدود اور وسائل مفقود ہو گئے۔اللہ سے دعائیں کرتا جو قبول ہوئیں اور اپنے محترم بھائی ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن کی معاونت سے داخلے کا امتحان دے کر کامیاب ہوا اور بالاپور میں دو سال معلمی کی تربیت پا کر گوندھنا پور میں دو سال گزار کر دو سال اپنی مادر علمی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں اور سیاسی وجوہات کی بناء پر وہاں سے میرا تبادلہ لاکھنواڑہ کرا دیا گیا۔اور میرا یہ وطن عزیز مجھ سے مستقلاً چھوٹ گیا۔اول تا ہفتم طالب علمی کے سات سال اور معلمی کے دو سال اس طرح بہتر (۷۲) سالہ زندگی میں پیپل گاؤں راجہ میں بسر ہونے

والے یہی نو سال میری زندگی میں بیش بہا سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ''سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا'' کی مصداق میں ذہنی اور قلبی طور پر کسی بھی لمحے پیپل گاؤں راجہ سے دور نہیں رہا۔ جسمانی اعتبار سے بھی کھامگاؤں' گوندھنا پور' لاکھنواڑہ اور اب بارسی ٹاکلی۔ قیام کے دوران پہلے پہل ہر ہفتہ' پھر ہر مہینے اور اب ہر برس میں دو تین بار اپنے وطن کی گلیوں کا پھیرا لگا کر اپنے دوستوں ہدایت اور لطیف کے چھوڑ جانے کے بعد ہدایت کے ساتھ چند گھنٹے اپنے بچپن اور جوانی کی یادوں کو تازہ کر آتا ہوں۔ لطیف بس اسٹینڈ سے ملحق قبرستان میں ابدی نیند سو رہا ہے اسے آتے جاتے رک کر سلام کر لیتا ہوں۔ مرحوم سانحہ بابری مسجد سے تھوڑے دن پہلے حرکت قلب بند ہونے کے بہانے ہمارے دلوں کی حرکتیں غیر متوازن کر گیا۔ بابری سانحہ کی خبر سنتے ہی میری زبان سے نکلا تھا کہ اس دن نہ مرتا تو آج لطیف ضرور مرجاتا کہ وہ حساس ہی ایسا تھا۔ ایک ہم ہیں کہ بے غیرتی سے جئے ہی جا رہے ہیں۔

ہماری فطری صلاحیتوں کو اردو مڈل اسکول پیپل گاؤں راجہ کے جن مرحوم اساتذہ (اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) نے جی جان لگا کر اپنے آپ کو فنافی اللہ ریس کر کے اس درجہ ابھارا' سنوارا' نکھارا اور مستحکم کیا کہ ہم محض مڈل پاس بیشتر موضوعات پر کئی گریجویٹس سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کے اہل قرار دیئے جا چکے تھے۔ چند نام یاد آتے ہیں تو دل ان کے تئیں جذبۂ عقیدت سے لبریز ہو جاتا ہے اس طرح ہیں۔ محمد امین الدین' سید امین الدین' سید شمس الدین' عبدالغفار' گلاب خان' فیض اللہ خان' عبدالرؤف خان وغیرہ۔ اسکول لائبریری کی الماریاں دلچسپ قصے کہانیوں اور مختلف موضوعات پر معلوماتی کتابوں سے اٹی پڑی تھیں اور ہم تقریباً ساری کی ساری چاٹ چکے تھے۔ اسکول میں ہر ہفتہ جمعہ کی دوپہر میں بزم ادب کا جلسہ بلاناغہ منعقد ہوا کرتا جس میں پنجم تا ہفتم کے طلباء شریک ہوتے۔ ایک ہفتہ قبل دیئے گئے عنوانات پر تقریریں ہوتیں یا مضامین پڑھے جاتے' کبھی بیت بازی یا نظم خوانی کی محفل بھی جمتی تھی، وہی جلسے اور محفلیں ہماری ذہنی تربیت اور شعر و ادب سے وابستگی کیلئے زمین ہموار کرنے کا جواز ثابت ہوئیں۔

کھامگاؤں سے دس میل کچے راستے سے ملحق (ان دنوں پکی سڑک نہیں تھی۔ پیدل یا بیل

Scanned by CamScanner

گاڑیوں سے سفر ہوتا تھا) پیپل گاؤں راجہ اپنی مخصوص علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی شناخت کی بناء پران دنوں علاقے بھر میں درجۂ وقار واعتبار رکھتا تھا۔ شمشیر پورہ، مالوی پورہ، صیقل پورہ، گلزار پورہ، کھڑکی پورہ، پیٹھ پورہ، قصاب پورہ، انعامدار پٹی، ملّا باڑہ، مارواڑی گلی، بازار لائن اور پسماندہ بودھ، ماتنگ اور چمار ذاتوں کے علاحدہ علاحدہ محلوں پر مشتمل نمازیوں سے آباد سات مسجدوں، پوجا پاٹ بھجن کی آوازوں سے گونجتے چار پانچ مندروں، عاشور خانوں میں محرم کے میلوں ٹھیلوں سے، عید دیوالی، ہولی کے تہواروں کی دھوم دھام سے، ہندو مسلم اتحاد سے (مسلم اکثریت ہونے کی بناء پر) اس گاؤں کی دور دور تک ایک منفرد پہچان تھی۔ اس گاؤں کی ایک اور منفرد پہچان یہاں کا مالدار خوشحال اور تعلیم وتہذیب یافتہ ایک علاحدہ مسلم محلّہ مالوی پورہ تھا (آج بھی ہے لیکن افسوس اپنی انفرادیت کھو چکا ہے) کسی زمانے میں مالوہ (گجرات) سے نقل وطن کر کے پیپل گاؤں راجہ، ملکہ پور، گھوڑے گاؤں اور بساڑ ملاقات پر اپنے علاحدہ محلوں میں بسنے والے مالوی کہلاتے ہیں۔ ماضی بعید کا مجھے علم نہیں لیکن میرے بچپن میں مالوی پورہ میں بسنے والے یہ لوگ مالداری، خوشحالی، خوبصورتی، خوش وضعی، خوش طبعی، تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی ہر اعتبار سے بستی کے دیگر محلوں پر واضح برتری اور سبقت رکھتے تھے۔ بستی کی نصف سے زائد زمینات پر ان کا تصرف تھا۔ آبادی کا بڑا حصہ جن پر مزدوری اور سالانہ یا ماہوار نوکری کرتا تھا۔ کھام گاؤں کے انجمن ہائی اسکول کے بانیوں میں غلام یٰسین خاں اور اس برادری کے کئی لوگ شامل تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے اولین گریجویٹ سے مصطفیٰ خاں جمعدار، کھام گاؤں نگر پریشد کے وائس پریسڈنٹ ضیاء الحق خان انجمن کے پرنسپل حفیظ اللہ خاں، ملکہ پور نگر پریشد کے نائب چیئر مین مقصود علی خاں، اکولہ کے ممبر پارلیمنٹ خان محمد اصغر حسین ان کے فرزند خان محمد اظہر حسین، معروف شعراء منشاء الرحمٰن منشاؔ، انوار الحق انورؔ راشد اللہ خاں جوہرؔ، طفیل سیمابؔ، رحمت اللہ خاں مالوی، فصیح اللہ خاں نقیبؔ، انس نبیلؔ، یہ سارے مشاہیر اسی مالوی برادری سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں اس برادری کے کئی افراد اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے دنیا بھر میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ ہمارا یار مرحوم لطیف بھی اسی برادری کا ایک لائق وفائق فرزند تھا جس کی دوستی اس برادری سے میری دائمی قربت اور وابستگی کا باعث ہوئی۔ ہمارا محلّہ شمشیر پورہ معاشی اور تعلیمی میدانوں میں پسماندگی کی وجہ سے مالوی برادری سے تنازعہ دونوں محلوں میں اکثر ناچاقی کا

Scanned by CamScanner

سبب رہا لیکن میں اس سب سے بے نیاز لطیف کے ساتھ مالوی پورہ کی مسجد میں نمازیں ادا کرتا وہاں ناصر مولانا اور صابر مولانا دونوں زمیندار بھائی کے رضا کارانہ طور پر جاری عربی مدرسے میں کلام پاک اور دین کے ابتدائی مسائل سیکھتا۔ ویسے میں نے باقاعدہ قرآن ناظرہ کی تعلیم ہمارے محلے کے عاشور خانے میں امام جامع مسجد محمد امجد مرحوم سے حاصل کی تھی۔ مالوی پورہ ان دنوں ایک علمی ادبی، تعلیمی اور ثقافتی مرکز بنا ہوا تھا۔ وہاں ان دنوں ایک لائبریری میرے ہم جماعت ضیاء کے مکان کے دیوان خانے میں چلتی تھی جو بعد میں بازار چوک میں واقع ناصر مولانا کے مکان کے بیرونی حصے میں منتقل کردی گئی۔ دنیا بھر کے اخبارات ورسائل کے علاوہ لائبریری میں جماعت اسلامی کی تمام چھوٹی بڑی کتابیں تھیں کم وبیش سبھی پڑھ چکا تھا اور ان حضرات کی محفلوں میں اکثر پیچھے بیٹھ کر ہونے والی گفتگو غور سے سنتا اور حسب استطاعت سمجھتا بھی تھا۔ ندی کنارے مالوی حضرات کا ٹینس کورٹ تھا جہاں اس برادری کے سفید پوش حضرات اکثر شام میں والی بال کھیلا کرتے۔ گاؤں کے مشرق میں گیان ندی ان دنوں بارہوں مہینے چھل چھل بہا کرتی تھی۔ کھامگاؤں یا اطراف کے کسی شہر میں منعقدہ مشاعرے میں جب پیپل گاؤں کا کوئی شاعر کسی شعر پر داد پاتا تو مرحوم حفیظ اللہ خاں بلند آواز میں کہتے ''گیان کا پانی ہے'' گیان ندی ان دنوں گاؤں کے بچوں اور نوجوانوں کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ بارش میں سیلابوں میں دن بھر تیر کے شام گھر جا کر پلٹتے، بارش کے بعد ندی میں متعینہ مقامات پر گہرے ڈوب بن جاتے جن کے نام رام ڈوب، قصاب ڈوب، پاتال، سرنگ، دیولالی، ہزار نلی، تین دھاری وغیرہ تھے۔ جن میں ہم بلا ناغہ کئی کئی گھنٹے تیرتے، آنکھ مچولی اور مختلف کھیل کھیلتے، مچھلیاں پکڑتے اور نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے۔ ندی کنارے انعامدار مسجد کے عقب میں ببولوں کا ایک چھوٹا سا بن تھا۔ بغیر کانٹوں کے ببولوں کے ان درختوں کی ایک ڈال سے دوسری ڈال پر بندروں کی طرح ایک دوسرے کا پیچھا کرتے، آنکھ مچولی جیسے اس کھیل کا نام ''ڈاب ڈبولی'' تھا۔ علاوہ ازیں پتنگ بازی، کبڈی، لٹو گولیاں اور گلی ڈنڈا اس زمانے کے دلچسپ کھیل تھے لیکن میں اکثر ان سے الگ تماشائی بنا رہتا کہ نہ ہاتھ پاؤں میں اتنا کس بل تھا نہ بدن میں اتنی پھرتی جوان مقابلہ آرائیوں کے لئے لازمی ہوا کرتی ہے۔ اسکول کے گیمز پیریڈ میں بھی کلاس روم میں کچھ نہ کچھ پڑھتا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔

ہماری جوانی کی سرمستیاں شوخ گفتگو جملے بازیوں اور نظر بازیوں سے آگے نہیں بڑھیں۔مواقع ہی حاصل نہیں تھے۔ساری بستی پر ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول ہمہ وقت مسلط رہتا۔آوارہ گردی یا بے راہ روی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ادب لحاظ اور تہذیبی جکڑ بندی کا یہ عالم تھا کہ محض سگریٹ نوشی کی خواہش کی تکمیل کیلئے ندی کا کنارہ یا جنگل میں کوئی گوشۂ تنہائی تلاش کرنا پڑتا۔بازار میں ایک چھوٹا سا چائے خانہ تھا جہاں کھلے عام چائے پینا خلاف تہذیب اور معیوب سمجھا جاتا۔گاؤں کا ہر بڑا ہندو ہو یا مسلمان میرا ماموں تھا یا نانا جن کا ادب واحترام مجھ پر واجب تھا۔ہم جماعتوں میں میرے ساتھ لطیف،ہدایت،ذکاء،مظہر،حسن،سبھی پیشۂ تدریس سے وابستہ ہو چکے تھے اسکول کے بعد ہمارے دن کے مشاغل لطیف خاں کے مکان کے بالائی حصے میں یا بازار میں واقع دکان کی اوپری منزل پر تعلیمی تاش، کیرم کھیلنا،ابن صفی،اکرم الہ آبادی،عارف مارہروی،ابن سعید،شکیل جمالی،وغیرہ کے جاسوسی اور رومانی ناول 'بیسویں صدی'،'شمع'،پیام مشرق،وغیرہ پڑھنا جو ہم نے فرینڈس لائبریری قائم کر کے جاری کر رکھے تھے۔رات میں دیر تک گیان ندی کے کنارے ریت میں چاندنی یا تاروں کی جھلملاتی روشنی میں دن میں پڑھے گئے ناول یا افسانے یا کسی تازہ ترین فلم کے کرداروں میں پلاٹ یا مکالموں کی برجستگی یا غیر برجستگی پر ہلکے پھلکے بنیادی مذہبی مسائل پر بحث کرنا (سیاسی آلودگی سے ان دنوں بھی ہمارے اذہان و قلوب پاک تھے) یا پھر فلمی گانے اور غیر فلمی گیت غزلیں لہک لہک کر گانا۔شاعروں میں ان دنوں ہمارے ذہنوں پر علامہ اقبال تن تنہا مسلط تھے۔جو ہمارے اسی طرز فکر میں ڈھلے ذہنوں کو اپیل کرتے تھے۔غالب یا میر کبھی کبھی کسی گوشے سے جھانک لیا کرتے تھے۔ان محفلوں مین لطیف کا حقیقی بھانجہ فصیح اللہ نقیب بھی اکثر شریک ہو جایا کرتا تھا۔اس صاف ستھرے علمی ماحول نے ہمیں تعلیمی اسناد کے حصول کی جانب راغب کیا۔لطیف ہم میں نسبتاً ذہین بھی تھا اور معاشی اعتبار سے خوش حال بھی۔لہٰذا ضروری کتابیں وغیرہ اسی نے خرید کر امتحانات میں شرکت کے سلسلے میں پہل کی اور بی اے تا ایم اے کے مراحل طے کر ڈالے۔اس کی پیروی ہدایت نے کی۔میں چونکہ اسکول سے صرف ہفتم پاس تھا لہٰذا مجھے پہلے ایس ایس سی کے مرحلے سے گزرنا پڑا اس کے بعد بی اے،ایم اے اور پھر تن تنہا میں نے پی ایچ ڈی بھی کر ڈالی۔ہدایت میں تخلیق شعر کی خداداد صلاحیت تھی لیکن اس نے شادی کے بعد اپنی معاشی صحت مندی

Scanned by CamScanner

پر ساری توجہ مرکوز کردی نتیجے میں آج وہ بڑی سی بلڈنگ اور کئی دکانوں اور زمینات کا مالک بنا بیٹھا ہے۔ میں نے قرطاس وقلم کا کاروبار پسند کیا لہٰذا آج بھی شب وروز قلم گھس رہا ہوں، اور سلسلہ تخلیق شعروادب سے آج تک وابستہ ہوں۔

تمام بستی پر چند مارواڑی ساہوکار یا متذکرہ مالوی برادری کا معاشی تسلط تھا۔ دو چار نسبتاً خوشحال پٹیلوں اور براری مسلمانوں کے علاوہ تمام آبادی انتہائی غربت وافلاس کا شکار تھی۔ ضیاء الحق خان کے افراد خاندان غافر اللہ خاں (نواب صاحب) فاخر اللہ خاں، تجمل اللہ خاں، ناصر اللہ اور صابر اللہ خان، ذکاء اللہ خان، محمد مشتاق خان، حسین خاں، حسن خان (خان محمد اظہر حسین کے حقیقی نانا) حشمت اللہ خان (صدر صاحب) برکت اللہ خان (لطیف کے بہنوئی) وغیرہ بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے۔ عظیم الشان بلند وبالا بلڈنگوں، عالیشان بیٹھکوں، سجے سجائے دیوان خانوں میں رہنے والے یہ سفید پوش اعلیٰ تعلیمی وتہذیبی شناخت سے آراستہ یہ حضرات مجھے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگتے تھے۔ ان دنوں مالوی پورہ کا وجود گویا پوری بستی کیلئے موجب صد افتخار تھا۔ شمشیر پورہ اور مالوی پورہ کے درمیان بستی کے عین وسط میں ایک بڑا سا مٹی کا قلعہ تھا جس پر پرانے دور کی چند شکستہ سرکاری عمارتیں، پولس تھانے جیل وغیرہ کے کھنڈرات اور مزار وغیرہ تھے۔ بستی کے چاروں اطراف کبھی شہر پناہ ہوا کرتی تھی جس کے آثار جا بجا نظر آتے تھے۔ دو تین دروازوں کے پلّر بطور یادگار آج بھی ایستادہ ہیں۔ بستی کی ایک اور منفرد پہچان سڑکوں گلیوں میں جا بجا کالے چکنے پتھروں کے ڈھیر تھے کیا مجال کہ کسی راہ گیر کا کوئی قدم مسطح زمین پر پڑ جائے افسوس کہ پیپل گاؤں راجہ کی منفرد پہچان اس کے لئے وجہ امتیاز کہی جانے والی اب کوئی علامت باقی نہیں رہی۔

سڑکوں اور گلیوں میں اڑنے والی خلوص کی خوشبو سے اٹی دھول کی جگہ اب کنکریٹ نے لے لی ہے۔ ندی خشک پڑی ہے۔ ببولوں کا بن دھول کا ایک ڈھیر ہے قلعہ بس نام بھر کو اپنے وجود کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ جا بجا ہوٹلیں کھل گئی ہیں۔ جن میں بوڑھوں کے ساتھ جوان بچے آپس میں ٹھٹھول کرتے بیڑی سگریٹ کے بھپکے اُڑاتے بیٹھے رہتے ہیں۔ مالوی پورہ کی شکستہ حویلیاں، ٹوٹی پھوٹی ڈیوڑھیاں، ویران دریچے، غیر آباد دیوان خانے ہر طرف بے رونق پھیکے بے پہچان چہرے

Scanned by CamScanner

زبان حال سے اپنی شکستگی کی داستانیں سناتے ہیں۔ بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

یارب وہ صورتیں اب کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

کہاں گئے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں اپنائیت کی چمک تھی۔ کیا ہوئے وہ گول چکنے کالے پتھر جن سے ہمارے پیر آشنا تھے۔ کہاں ہیں وہ جانی پہچانی گلیاں وہ اوبڑ کھابڑ راستے۔ میری تو اس بستی کے ذرے ذرے سے کچھ ایسی شدید ذہنی وابستگی تھی کہ ان سے دوری نے مہینوں مجھے ذہنی تناؤ میں کچھ ایسا مبتلا رکھا کہ رات رات بھر جاگتا خود بھی پریشان ہوتا اور بیوی کو بھی یہ کہہ کر پریشان کرتا کہ تو مجھے اپنے وطن سے نکال لائی ہے۔ آخر نفسیاتی معالج نے بجلی کے چھ شاک لگائے تب جا کر دماغ ٹھکانے آیا۔ تاہم آج بھی صورت حال یہ ہے کہ جب کبھی رات میں نیند اُچٹ جاتی ہے عالم تصور میں پیپل گاؤں اپنے کھپریل کے گھر میں پہنچ جاتا ہوں وہاں سے جو نکلتا ہوں تو چند منٹوں میں بستی کی ہر چھوٹی بڑی گلی، ہر موڑ، ہر سڑک پر محلے کے کئی کئی چکر لگاتا ہوں تاوقتیکہ نیند نہ آجائے یا مؤذن اذان فجر نہ دینے لگے۔ وابستگی کی شدّت میں قدرے کمی ضرور آئی لیکن یادیں ہنوز تازہ ہیں۔ جس کا دستاویزی ثبوت اپنی ذاتی کوشش سے امراوتی یونیورسٹی میں پیپل گاؤں راجہ کے چند مشاہیر اس موضوع کا رجسٹریشن کروا کر مرحوم ڈاکٹر انیس خان سے اس پر تحقیقی مقالہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی زیر نگرانی لکھوانا ہے۔ مقالہ مکمل ہوا۔ مرحوم انیس خان کو ڈاکٹریٹ کی سند مل گئی اور وہ عالم نوجوانی میں ایک حادثہ کا شکار ہو کر عالم فانی سے کوچ کر گئے اور میری مقالے کو کتابی شکل میں دیکھنے کی خواہش تشنۂ تکمیل رہ گئی اس مقالے میں منشاء صاحب، غنی اعجازؔ، محبوب راہیؔ، ضیاء الحق خان، انوار الحق انورؔ، فصیح اللہ نقیبؔ، طفیل سیماب، ہدایت اللہ خاں رہبرؔ، انس نبیلؔ، کے علاوہ بھی کئی حضرات کی علمی، ادبی، سیاسی، اور سماجی خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ ارباب وطن اب بھی توجہ دیں اور یہ مقالہ چھپ جائے تو پیپل گاؤں راجہ تاریخ عالم میں اپنی مثال آپ ہوگا۔ علمی و ادبی مراکز سے دور دراز واقع یہ چھوٹا سا قصبہ اپنے دامن میں کیسے کیسے گہر آبدار اور گنج گرانمایہ سمیٹے ہوئے ہے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

میرا تخلیقی سفر

میں شاعر وادیب کیسے، کیوں اور کیونکر ہوا جب کبھی سب کا جواز تلاش کرتا ہوں اور دور تک کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا اس تناظر میں میرے تخلیقی سفر کو عجیب وغریب، دلچسپ، نا قابل یقین اور کس حد تک معجزاتی یا کرشماتی کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایک تو میری سات پشتوں میں تخلیق شعر تو درکنار تفہیم شعر کی سعادت بھی شاید ہی کسی کو حاصل ہوئی ہو۔ دوسرے بچپن سے آغاز شباب تک ماٹر گاؤں اور پیپل گاؤں راجہ دو ایسے چھوٹے قصبوں میں بود و باش رہی جن کی فضائیں شعر وادب کی بو باس سے قطعی نا آشنا تھیں۔ ورنا کیولر مڈل اسکول پیپل گاؤں راجہ سے بغیر انگریزی کے ساتھ جماعت پاس مجھ مفلس زادے کی شاعری کے ظاہری اسباب و محرکات سے میں خود یکسر لاعلم ہوں، البتہ شعر گوئی کے خداداد عطیہ ہونے کا ہلکا سا جواز یوں ملتا ہے کہ دوران طالب علمی چوتھی یا پانچویں جماعت میں کبھی کبھار اپنے استاد کا سمجھایا شعر کا مفہوم مجھے مطمئن نہ کرتا۔ اجازت ملنے پر جب اپنا اخذ کردہ مفہوم بتاتا تو خود استاد محترم مطمئن ہو جاتے اور شاباشی دیتے ہوئے استعجاب انگیز مسرت کا اظہار بھی کرتے۔ اکثر اشعار اپنے مفہوم کے ساتھ اپنی مکمل تاثر انگیزی سے میرے احساس کو دیر تک مرتعش کئے رہتے بالخصوص اقبال کے پر جوش اشعار لطیف اور ہدایت سے پہلی جماعت ہی میں گہری دوستی ہوگئی جو (لطیف کی دائمی جدائی کے باوجود) تا حال مستحکم ہے، دن کا بیشتر وقت اسکول اور مقامی جماعت اسلامی کی لائبریری میں ان کے ساتھ گزرتا۔ شام سے رات گئے تک گیان ندی کی ریت پر مختلف مضوعات پر گپ شپ کے طویل سلسلے چلتے جن میں فصیح اللہ نقیب بھی اپنی کم عمری کے باوجود اکثر شریک رہتے۔ شعر وادب فلم اور مذہب ہمارے پسندیدہ موضوعات ہوتے۔ شاعروں میں اقبال، فلموں کے وسیلے سے ساحؔر، فکشن نگاروں میں نسیم حجازی، ابن صفی اور کرشن چندر ہماری اولین ترجیحات میں شامل تھے، میرے ادبی اور تخلیقی مزاج کی تشکیل و تعمیر اور تربیت و تہذیب مے یہ محفلیں کلیدی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

پھر بھوک، پیاس، افلاس اور معاشی بدحالی سے نبرد آزما رہتے ہوئے ایک طویل وقفہ

Scanned by CamScanner

گزرنے کے بعد یوں ہوا کہ ڈی.ایڈ. کے دوران ۱۹۵۷ء میں بالا پور میں ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ میرے مشفق استاد پروفیسر مصطفیٰ خاں کو نہ جانے کیا سوجھی مجھے طرحی غزل لکھنے کا حکم صادر فرمادیا۔ قہر درویش بر جان درویش، جبراً وقہراً جیسے تیسے لفظوں کو ادھر ادھر جوڑ توڑ کر ایک ہزل تیار ہوگئی۔ بالکل بچکانہ اور مضحکہ خیز جس کا مطلع تھا۔

سامنے بیٹھی وہ میرے گلگلے کھاتی رہی
میں اس مانگا کیا وہ مجھ کو ساتی رہی

مصرعہ تھا .... رات بھر ساغر میں ان کی یاد لہراتی رہی

یہ میری زندگی کا پہلا شعر تھا اور پہلا مشاعرہ بھی۔ حیدرآباد، ممبئی، ناگپور، اکولہ، مالیگاؤں اور امراؤتی وغیرہ شہروں سے شیروانیوں میں ملبوس، سوٹیڈ بوٹیڈ شعرائے کرام کے درمیان مجھ شکستہ حال دیہاتی لڑکے کے ادھ کچرے اشعار پر دادوستائش نے شوق کی چنگاری کو ہوا دی۔ چھوٹی موٹی نشستوں اور اطراف وجوانب کے مشاعروں کے لئے تک بندیاں ہونے لگیں۔ باقاعدہ شعر گوئی کی ابتداء ۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء کے اردو ٹائمز میں غزل شائع ہونے پر ہوئی۔ ہند چین جنگ کے پس منظر میں تخلیق شدہ غزل کا مطلع یوں تھا۔

گلچین کیا ادھر گل پر نظر دیکھ رہا ہوں
کانٹوں کو ادھر سینہ سپر دیکھ رہا ہوں

اور دوسرا شعر تھا۔

آواز پہ نہرو کے ہر اک فرد اٹھا ہے
جے ہند کے نعرے کا اثر دیکھ رہا ہوں

غزل کی اشاعت کے ساتھ ہی طائرِ فکر چہار سمت اڑانیں بھرنے لگا۔ طبع رواں پر بندھا پشتہ ٹوٹ گیا، ایک باڑھ سی آئی ادھر ادھر شعر ڈھلنے لگے اور پھر کس طرح غزل، نظم، قطعہ، رباعی، حمد، نعت ومناجات، طنزومزاح، بچوں کی نظمیں سیاسات، سماجیات وغیرہ موضوعات پر شعری تخلیقات کے ساتھ تنقیدی، تحقیقی مضامین ہنگامی موضوعات پر مقالے تبصرے، پیش لفظ، مقدمے بے تحاشہ

Scanned by CamScanner

لکھے گئے جو ہر مزاج و معیار کے اخبارات و رسائل اور کتابوں میں بکثرت شائع ہو کر مختصر سی مدت میں مجھے اردو کے سب سے زیادہ لکھنے اور چھپنے والے اور کثیر الجہات شاعر و ادیب کی حیثیت سے رسوا کرنے کا موجب ہوئے، کس طرح مختلف صوبائی اکیڈمیوں، غیر سرکاری اداروں اور ادب نوازوں کی اعانت سے میری مختلف اصناف ادب پر ۱۸ کتابیں شائع ہوئیں جن پر ہر طرف سے انعامات اور اعزازات کی بارش ہوئی۔ جہاں تک میرے تخلیقی رویے کا تعلق ہے میں کبھی کسی خاص ادبی تحریک، نظریے یا رجحان کا پابند نہیں رہا۔ اپنی افتادِ طبع کے تحت فضاؤں میں اڑانیں بھرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا اور اپنی فکرِ رسا کی رہنمائی میں غیر متعینہ منزلوں کی جانب اپنا تحقیقی سفر جاری رکھا ہے۔

راہیؔ حاجت پیش نہ آئی مجھے کسی بیساکھی کی
میرے شعروں نے اپنے پیروں پر چلنا سیکھا ہے

میری روانیٔ طبع، زود گوئی اور کثیر الکلامی پر ادبی حلقوں میں بیشتر اربابِ قلم نے اگر مجھے دادو تحسین سے نوازا ہے تو چند احباب نے اظہارِ ناگواری کرتے ہوئے اعتدال پسندی اور میانہ روی کے مخلصانہ مشورے بھی دیئے ہیں۔ چند ایک نے طنز و تشنیع کے تیر بھی چلائے ہیں۔ مجھے نہ تو تحسین و ستائش کسی خوش فہمی میں مبتلا کرتی ہے اور نہ ہی طنز و تشنیع سے میں بے مزہ ہوتا ہوں کہ میں خود اپنی روانیٔ طبع کی مسلسل تیزی اور تندی کے ہاتھوں اکثر پریشان ہو جاتا ہوں۔ موج در موج اُمڈتے ہوئے خیالات کا بہاؤ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ایک غزل کے مطلع سے مقطع تک پہنچتے پہنچتے درمیان ہی میں کوئی اچھوتی سی ردیف، چند دلچسپ اور منفرد قوافی یا کسی نئی نویلی زمین کا کوئی چمکیلا سا مصرع ذہن میں کلبلانے لگتا ہے۔ نئی غزل شروع ہوتی ہے کہ چند اشعار کے بعد پھر تازہ خیال کا کوئی جھونکا دریچۂ فکر کی زنجیر کھٹکھٹانے لگتا ہے۔ اس طرح غزل در غزل کا یہ سلسلہ لامتناہی دیر تک اور دور تک چلتا رہتا ہے۔ پھر بات محض غزل گوئی تک محدود نہیں رہتی۔ طبیعت کی سیری کے لئے حمد و نعت، طنز و مزاح، طفلی نظم، کوئی فرمائشی نظم، تنقیدی یا تحقیقی مضمون، تبصرے، پیش لفظ، فلیپ یا تاثرات لکھنے کا ایک چکر ہوتا ہے جو مسلسل چلتا رہتا ہے۔ تا حال میرے تحریر کردہ تبصروں، دیباچوں اور مقدموں

Scanned by CamScanner

وغیرہ کی تعداد سو سے تجاوز کر چکی ہے۔طبع کی روانی اور مزاج میں مروت چکی کے دو پاٹ ہیں۔جن کے درمیان مسلسل پستا رہتا ہوں، مجھ سے انکار کرنا نہیں بنتا اس تخلیقی تسلسل کی کیفیت پر کبھی کبھار شعر بھی ہو جاتے ہیں مثلاً ۔

نیند اس عالم تخلیق میں کیسی راہیؔ
وہی اشعار کا موسم ہے وہی ظلمت شب
اک نشہ سا رہا کرتا ہے پیہم راہیؔ
محو رہتے ہیں شب و روز غزل خوانی میں

اور یہ بھی کہ ۔

میری طبع رواں کے نکتہ چینوں نے نہیں دیکھا
کہ دریا کیا لئے جاتا ہے کیا کیا چھوڑ جاتا ہے

میری تا حال ۱۸ کتابیں جن میں آٹھ شعری مجموعے (بشمول دو دیوناگری کے) بچوں کے لئے منظومات کے تین، مذہبی منظومات کے دو، طنزیہ ومزاحیہ کا ایک، تحقیقی مقالہ ایک اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ایک،ان سے دگنی تعداد غیر مطبوعہ مسودات کی ہے۔کچھ رسائل نے مجھے پر نمبر اور گوشے نکالے ہیں۔عزیزی مرحوم امین انعامدار نے میری شخصیت اور فن پر مبنی مضامین کا ایک ضخیم مجموعہ ''ڈاکٹر محبوب راہیؔ اک مطالعہ'' اپنے ذاتی خرچ سے شائع کر کے حق شاگردی ادا کرنے کی روشن مثال قائم کی ہے۔اور ابھی بفضل ربی تخلیقی چکر پورے زور وشور سے چل رہا ہے۔ اور انشاء اللہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ جب تک اللہ رب العزت ذہنی وجسمانی توانائی برقرار رکھے۔ میں نے اپنے فن کی بلندی کے تسلیم کئے جانے یا مجھے کسی اعلیٰ وارفع مقام ومرتبہ پر فائز کئے جانے کا کبھی اصرار نہیں کیا البتہ یہ خواہش ضرور ہے کہ مختلف اور متنوع موضوعات پر میری ادبی کاوشوں کے پھیلاؤ کے پیش نظر ادبی دنیا میں میرے مقام کا ٹھیک تعین ضرور ہو۔ میں اس ساعت کا انتظار کروں گا۔انشاءاللہ

☆☆☆

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱	سوانحی اشاریہ	
۲	انتساب	
۳	اس کتاب کے ضمن میں میں	
۴	پیش گفتار	
۵	ہمارے دور کے محبوب راہی کا سفر دیکھ	
۶	سفر جاری ہے	
۷	سفر ایک شجر سایہ دار کا	
۸	نقشبندی قمر نقوی کے ساتھ حج کو چلیے	
۹	کچھ باتیں سمندر پار کی	
۱۰	چند خوشگوار روز و شب نذیر کے ساتھ	
۱۱	روئداد ایک خوشبوؤں بھرے سفر کی	
۱۲	چند لمحے شولا پور کی خوشگوار ادبی فضاؤں میں	
۱۳	چند ساعتیں کوکن کی سرسبز شاداب وادیوں میں	
۱۴	کلکتہ کا جوذکر کیا......	
۱۵	دو شاعر چار دن بمبئی میں	
۱۶	اجنٹا اور ایلورہ کے گرد و نواح میں چند روز	
۱۷	چل چنبیلی باغ میں	
۱۸	یادوں کے دریچوں سے جھانکتا میرا وطن پیپل گاؤں راجہ	

Scanned by CamScanner

rekhta
Scanned by CamScanner

ڈاکٹر محبوب راہیؔ کی مطبوعات

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	سن اشاعت
۱	ثبات	غزلیات	۱۹۷۹ء
۲	رنگا رنگ (پہلا ایڈیشن)	بچوں کی منظومات	جون ۱۹۸۲ء
۳	رنگا رنگ (دوسرا ایڈیشن)	" " "	جولائی ۱۹۸۲ء
۴	رنگا رنگ (تیسرا ایڈیشن)	" " "	اگست ۱۹۸۲ء
۵	تردید	غزلیات	۱۹۸۳ء
۶	گل بوٹے	بچوں کی منظومات	۱۹۸۳ء
۷	بازیافت	غزلیات، رباعیات	۱۹۸۵ء
۸	مظفر حنفی شخصیت اور کارنامے	تحقیقی مقالہ	۱۹۸۷ء
۹	پیش رفت	غزلیات، رباعیات	۱۹۹۴ء
۱۰	تری آواز مکے اور مدینے	حمد و نعت و منقبت	۱۹۹۸ء
۱۱	سرمایۂ نجات	حمد و نعت و منقبت	۱۹۹۹ء
۱۲	غزل رنگ (دیوناگری)	غزلیات	۲۰۰۰ء
۱۳	نئی پھلواری	بچوں کی منظومات	۲۰۰۴ء
۱۴	اناپ شناپ	طنزیہ، ومزاحیہ منظومات	۲۰۰۵ء
۱۵	تجزیات و تعبیرات	تحقیقی تنقیدی مضامین	۲۰۰۶ء
۱۶	مہکتی پھلواری	بچوں کی منظومات	۲۰۰۷ء
۱۷	چاندنی تخیل کی	غزلیات	۲۰۰۹ء
۱۸	زاویۂ نقد و نظر	تحقیقی، تنقیدی و تجزیاتی مضامین	۲۰۱۰ء
۱۹	الحمدللہ	حمد و مناجات	۲۰۱۰ء
۲۰	برلب کوثر	نعت	۲۰۱۰ء
۲۱	غزل کے بعد۔۔۔	شاعری	۲۰۱۱ء
۲۲	محبوب راہیؔ ایک مطالعہ	مرتب: امین انعامدار	
۲۳	دھنک رنگ جذبے	شاعری	

PUBLISHED BY:
ASBAQUE PUBLICATIONS
Saira Manzil, 230/B/102, Viman Darshan, Sanjay Park,
Lohgaon Road,Pune 411032. Mobile: 9822516338

Scanned by CamScanner